"بُت کدے" سے "صراطِ مستقیم" تک کے پُرصعوبت سفر کی لازوال داستان

6

عشق کی "ابجد" کا دوسرا حرف

# عشق کا شین

علیم الحق حقی
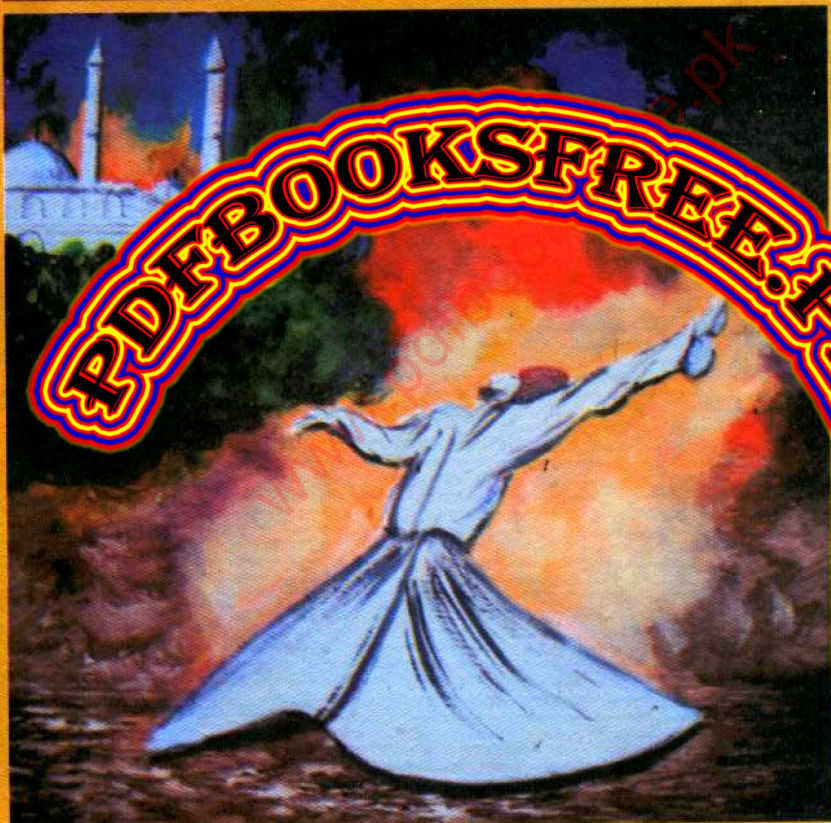
تزئین واہتمام
نذیر محمد، طاہر نذیر



نام کتاب : عشق کاشین (حصہ ششم)
مصنف : علیم الحق حقی
سن اشاعت: دسمبر 2013ء
اہتمام : محمد نذیر، طاہر نذیر
کمپوزنگ : عاصم شہزاد 0306-4171117
مطبع : ریاض شہباز پرنٹرز، لاہور
قیمت : -/700 روپے







چوہدری عبدالستار کی شخصیت بہت پہلو دار تھی۔ جو اس کی شخصیت کا ایک پہلو سے واقف ہوتا، وہ اسے اس کے دوسرے رنگ میں دیکھتا تو یقین ہی نہ کرتا کہ یہ وہی چوہدری عبدالستار ہے......؟

چوہدری کی عمر پچاس سے کچھ ہی اوپر تھی۔ وہ بہت بڑا زمیندار تھا۔ سلطان پور تو پورا اسی کا تھا اور بھی کئی جگہ اس کی زرعی زمینیں تھیں۔ اس کے والد بڑے چوہدری صاحب نے انگریزوں کے لئے بڑی اہم خدمات انجام دے کر یہ سب کچھ کمایا تھا۔ وہ انگریزوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے بیٹے کو تعلیم دلانے کی بھرپور کوشش کی اور وہ خاصے کامیاب بھی رہے۔

یہ معمولی بات نہیں تھی کہ ان کے بیٹے نے ان کی زندگی میں ہی میٹرک کر لیا۔ انہوں نے اسے مزید تعلیم کے لئے لاہور بھیج دیا۔ بھیجنا تو وہ اسے انگلینڈ چاہتے تھے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ بڑے چوہدری صاحب اپنے آخری لمحوں میں بھی یہی سوچتے رہے کہ بیٹے نے اتنے بڑے اعزاز سے کیوں منہ موڑ لیا......؟

چوہدری عبدالستار کا اسی سلسلے میں بڑا واضح مؤقف تھا۔ لیکن اس نے باپ کو بتایا کچھ نہیں۔ اس کی اپنی ایک سوچ تھی، اپنی ایک شخصیت تھی۔ اپنے علاقے میں اس کی حیثیت ایک شہزادے کی سی تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ درحقیقت وہ سب انگریزوں کے غلام ہیں۔ تعلیم سے اسے کچھ ایسی رغبت بھی نہ تھی۔ پھر وہ محض تعلیم کی خاطر غلام بن کر آقاؤں کے دیس کیوں جاتا......؟

لاہور میں بھی اس کی حیثیت شہزادوں کی سی ہی تھی۔ روپے پیسے کی کمی نہیں تھی۔ نوکر چاکر بھی تھے۔ اپنا بہت بڑا مکان تھا۔ کالج وہ کبھی کبھی تفریح کے لئے، منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے چلا جاتا تھا۔

لاہور میں وہ ترقی پسندوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ترقی پسند اس کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان دنوں ترقی پسندی کا فیشن تھا۔ ترقی پسندی کا آغاز ایک دوسرے کو کامریڈ کہہ کر مخاطب کرنے سے ہوتا تھا۔ وہ ترقی پسندی کا سب سے ادنیٰ درجہ تھا۔ اگلے درجے میں اللہ کی نفی کرنا اور مذہب کو فرسودہ کہہ کر ردّ کرنا تھا۔ اس کے آگے مزدوروں اور کسانوں کے حقوق دلانے کا نعرہ اور طبقاتی تقسیم کا خاتمہ کر کے معاشرے میں مساوات قائم کرنا تھا۔

اس تحریک کے ڈانڈے روس سے ملتے تھے۔ کمیونسٹ پارٹی نے ہندوستان میں نافذ کرنے کے لئے یہ سیاسی اور معاشی نظام روس سے امپورٹ کیا تھا۔ آزاد خیال ہونے کی وجہ سے ملک کے شاعر اور ادیب اس تحریک کا ہراوّل دستہ بن گئے۔ پارٹی نے یہ سوچ کر انہیں آگے رکھا کہ پڑھے لکھے اور آزاد ہونے کی وجہ سے یہ لوگ دانشور کہلانے کے مستحق ہیں، اور عوام میں سراہے بھی جاتے ہیں۔

لہٰذا ان کے ذریعے عوامی مقبولیت حاصل کی جا سکتی ہے۔ وہ باغیانہ افسانے لکھتے، جوشیلی نظمیں پڑھتے، عوام الناس واہ واہ کرتے، اور فوراً ہی اپنے اپنے مسجد، مندر، چرچ اور گوردوارے کا راستہ پکڑتے۔ ان پر افسانوں اور نظموں میں دیئے گئے پیغام کا اتنی دیر اثر بھی نہیں ہوتا تھا، جتنی دیر افسانہ پڑھنے والوں اور نظمیں سنانے والوں کا نشہ قائم رہتا۔

چوہدری عبدالستار کو ان کے نئے پن کی وجہ سے ان میں کشش محسوس ہوئی۔ وہ ایک قدم ان کی طرف بڑھا تو وہ لپک کر اس کے گھر میں آگئے۔ چوہدری کے پاس وہ سب کچھ تھا، جس کی انہیں ضرورت تھی۔ اچھا کھانا، آرام سے سونا، شراب اور شباب۔

ترقی پسندوں کا ایک خواب تھا، انقلاب......!

مگر ہر خواب کسی نہ کسی حد تک دوسرے سے مختلف تھا۔ مگر اس کا نام ایک ہی تھا، سرخ انقلاب......!

اب کسی کے نزدیک تو وہ محبوب کے ہونٹوں کی سرخی تھی، کچھ کے نزدیک مئے گل گوں، لیکن سچے انقلابی اسے خون سے تعبیر کرتے تھے۔

خود ترقی پسندوں کے درمیان بھی طبقاتی تقسیم تھی۔ بڑے لیڈر بڑے لوگ تھے۔ وہ



تحریک کا دماغ کہلاتے تھے۔ وہ آراستہ و پیراستہ ڈرائنگ رومز میں بیٹھ کر ولایتی شراب پیتے اور انقلاب کے منصوبے بنا کر نیچے والے سچے انقلابیوں کے سپرد کر دیتے، جو عملی لوگ تھے۔ کہا جاتا تھا کہ ان بڑے لیڈروں کو ماسکو سے امداد ملتی ہے۔

شاعروں اور ادیبوں میں اکثریت ان لوگوں کی تھی، جنہیں زندگی میں واہ واہ کے سوا کچھ نہیں چاہئے ہوتا۔ وہ سب حساس اور نازک طبع لوگ تھے۔ لکھنا ایک ایسا میدان ہے، جہاں آدمی کہیں تک بھی جا سکتا ہے۔ سو ان کے جوش کی کوئی حد نہیں تھی۔ جمع میں وہ انقلابی نظمیں شیروں کی طرح دھاڑ دھاڑ کر سناتے۔ مگر قلم استعمال کرنے والا ڈنڈے سے بھی بہت دُور بھاگتا ہے، بندوق تو بہت دُور کی بات ہے۔

چنانچہ ریاست کی طرف سے جارحیت کا مظاہرہ شروع ہوتے ہی، اپنے جوتے چھوڑ چھاڑ، ننگے پیر بھاگنے والوں میں بھی وہ ہراوّل کا دستہ ثابت ہوتے۔ ان میں جو نامی گرامی ہوتے، ان کی تلاش میں چھاپے پڑنے لگتے۔ لیکن نہایت فخر سے انڈر گراؤنڈ وہ سب کے سب ہو جاتے۔

معاشی طور پر کمزور کامریڈز کے لئے چوہدری عبدالستار بہت بڑی نعمت بن گیا۔ وہاں انہیں آرام دہ پناہ گاہ بھی ملتی اور سامانِ ناؤ نوش بھی۔ ورنہ وہ جاگیردار ہو کر ان کا ساتھ کیوں دیتا......؟

یہی وجہ ہے کہ اس کی رہائش گاہ پر کبھی چھاپہ نہیں پڑا۔ وہ ڈبل گیم کھیلنے کا ماہر ہوگیا۔ شراب کے چند جام اور پولیس سے محفوظ رہنے کے عوض وہ اپنی کوئی جوشیلی نظم اسے دے دیتے۔ شاعروں میں اُٹھتے بیٹھتے چوہدری کو شاعری پڑھنے کا سلیقہ آگیا تھا۔ جلسوں کا رُخ تو اس نے کبھی نہیں کیا۔ لیکن نجی محفلوں میں وہ بہت جم کر وہ نظمیں سناتا اور داد سمیٹتا۔ ادبی جریدوں میں وہ نظمیں اس کے نام سے چھپتیں۔

ادھر بڑے چوہدری کا انتقال ہوا اور وہ خودمختار ہوگیا۔ پھر پاکستان بن گیا۔ کمیونسٹ پارٹی ہندوستان میں ہی رہ گئی۔ ابتداء میں وہ پاکستان میں بھی تھی، لیکن ایسے کہ اس کا کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بے شمار دیوی دیوتاؤں میں گھرے ہندو اپنے مذہب سے بے زور تھے، خاص طور پر پڑھے لکھے اور روشن خیال ہندو۔

لیکن مسلمانوں کا معاملہ مختلف تھا۔ مسلمان چاہے بے عمل مسلمان ہو، لیکن نظریاتی طور پر مسلمان ہی رہتا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں کمیونسٹ پارٹی کبھی پنپ نہ سکی، اور بالآخر ختم ہوگئی۔

چوہدری عبدالستار لاہور کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ کئی برس لاہور ہی میں رہا۔ سلطان پور

میں زمینوں کی دیکھ بھال کرنے والے ملازم بہت تھے۔ لاہور کے عیش و آرام سے دست بردار ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ شادی اس کی ابا جی کی زندگی میں ہی ہوگئی تھی۔ بیوی اس کے دو بیٹوں کے ساتھ سلطان پور میں ہی تھی، جہاں وہ کبھی کبھار مہمانوں کی طرح چلا جاتا تھا۔

ترقی پسندوں کی محبت کی اسے عادت سی ہوگی تھی۔ وہ اسے طاقت کا احساس دلاتے تھے۔ انسانوں کے درمیان مساوات کا علم بردار، آزادی کے قصیدے لکھنے والے اس کے پاس خوشامدی مصاحبوں کی حیثیت سے بیٹھتے تھے۔

چوہدری کی طبیعت میں جلد بازی نہیں تھی۔ سیاست میں تو اسے جانا تھا، لیکن ابھی اس کی عمر ایسی نہیں تھی۔ دوسرے وہ مناسب موقع کے بغیر کوئی قدم اُٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ سیاسی عدم استحکام کے دور میں سیاست میں داخل ہونا اسے مناسب نہیں لگا۔ اس نے اس عرصے کو اپنا ہر طرح کا اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے استعمال کیا، اور اس میں بہت کامیاب رہا۔

پھر بیوی بچوں کو بھی اس نے لاہور ہی بلا لیا۔ لاہور میں ہی اس کے ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی۔

ایک تو اس کی دینی تربیت سرے سے ہوئی ہی نہیں تھی، اوپر سے ترقی پسندوں کی صحبت۔ دین سے اسے بغض ہوگیا تھا۔ جو کام وہ فیشن کے طور پر کرتے تھے، وہ دل کی گہرائی سے کرتا تھا۔ اللہ کے اور انبیائے کرام کے بارے میں گستاخی کرنا اس کا شعار تھا۔ لیکن ایسا وہ صرف اپنی نجی زندگی میں یا نجی محفلوں میں کرتا تھا۔ اس لئے کہ شاید وہ پیدائشی سیاست دان تھا، اور اس نے سمجھ لیا تھا کہ عام لوگ اس بات کو سخت ناپسند، بلکہ اس سے نفرت کرتے ہیں، اور ایسی باتوں پر مشتعل ہو جاتے ہیں۔

نوکر اس کے سب پرانے تھے اور برسوں سے اس کے ساتھ تھے۔ شروع میں تو سب کو یہ باتیں بری لگتی تھیں۔ مگر پھر سنتے سنتے وہ سب اس کے عادی ہوگئے۔ چوہدری خاص طور پر جب نشے میں ہوتا تو واہی تباہی بکتا۔ کچھ یہ بھی تھا کہ شراب کا اس میں ظرف نہیں تھا۔ تھوڑی پی کر بھی وہ بہکنے لگتا تھا۔ جبکہ تھوڑی پینے کا وہ قائل ہی نہیں تھا۔

نوکروں میں ایک اس کا منہ چڑھا تھا۔ نام اس کا امیر علی تھا۔ نہ جانے چوہدری کو اس کی کیا ادا بھا گئی تھی۔ کیونکہ وہ اس کے مطلب کا تھا نہیں۔ وہ چوہدری کو ایسے جواب بھی دے دیتا تھا، جن کا دوسرے نوکر زبان پر لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہی نہیں، وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند بھی تھا۔ کچھ یوں بھی تھا کہ اس کے ذریعے چوہدری اپنی جمہوریت پسندی ثابت کرتا تھا۔



ایک دن چوہدری ایک بہت بڑے ترقی پسند ادیب کے ساتھ بیٹھا تھا، جو ایک انقلابی رسالے کا مدیر بھی تھا، اور بھی لوگ موجود تھے۔ محفل جمی ہوئی تھی۔ شراب کے جام گردش میں تھے۔

کسی بات پر سنیئر ترقی پسند ادیب اور مدیر نے اللہ کی قسم کھائی تو چوہدری تڑپ گیا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو شیرازی......!''

اس نے بہت سخت لہجے میں کہا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو......؟''

شیرازی نے اسے چیلنج کیا۔ چوہدری بھی ترنگ میں آچکا تھا۔

''تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔''

''کیسے......؟''

''جسے تم مانتے نہیں، اس کی قسم کھاؤ گے تو جھوٹی ہی ہوگی۔''

''کسے نہیں مانتا میں......؟''

''اللہ کو......! اور کسے......؟''

''کس نے کہا کہ میں اللہ کو نہیں مانتا......؟ میں تو مانتا ہوں۔''

''تو پھر اور بڑے جھوٹے ہو تم......! سب کے سامنے انکار کرتے ہو۔''

''بات یہ ہے چوہدری......! کہ تم دانشور نہیں ہو۔''

شیرازی نے اس کے چہرے کے سامنے اُنگلی نچاتے ہوئے کہا۔

''دُنیا میں ایک دوسرے سے متصادم سچ بھی ہوتے ہیں۔ اپنی وسیع دُنیا میں، سیاسی، سوشل اور اجتماعی زندگی میں، میں اللہ کے وجود کو نہیں مانتا۔ لیکن اپنی ذاتی، نجی زندگی میں اسے مانتا ہوں۔''

دانشوری کے طعنے نے چوہدری کو مشتعل کر دیا۔ لیکن ایسی محفلوں میں ضرورتاً خود پر قابو رکھنا اسے نشے کی حالت میں بھی آتا تھا۔ وہ خود کو یاد دلاتا رہتا تھا کہ اس ہنر کے بغیر بندہ سیاست نہیں کر سکتا۔

پھر بھی اس نے بھنا کر کہا۔

''کیوں......؟''

''یہ بھی دانشورانہ نکتہ ہے۔''

شیرازی نے اسے مزید چڑایا۔

"اپنے مفادات کا خیال رکھنا، وہ بھی دانشمندی کے ساتھ، بہت بڑی بات ہے۔"

"اپنی برائیاں ہی بیان کرتے رہو گے یا وضاحت بھی کرو گے......؟"

چوہدری نے تپ کر کہا۔

"دیکھو چوہدری......! تم نہیں جانتے۔ پڑھنے والے آدمی نہیں ہو ناں، اس لئے۔"

شیرازی نے ایک اور وار کیا۔

"میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ یہ بحث بہت پرانی ہے، اور یہ امر بے حد متنازعہ اور مشتبہ ہے۔ اللہ کو ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان دلائل پر مبنی مناظرے کبھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئے۔ دونوں میں سے کوئی فریق بھی دوسرے کو قائل نہیں کر سکا۔ میں نے بہت مطالعہ کیا، اور بہت سوچ بچار کے بعد ایک پالیسی وضع کی۔ اس کی بنیاد Logic پر ہے۔ ذرا سوچو......! اگر خدا نہیں ہے، اور میں اسے مانتا ہوں تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں۔ کوئی مجھے اس پر پکڑ کر سزا تو نہیں دے گا ناں......! اس کے برعکس اگر خدا موجود ہے، اور میں اسے نہیں مانتا تو قیامت کے دن وہ تو مجھے لٹکا دے گا، جہنم رسید کر دے گا مجھے۔ تو میرا فائدہ اسی میں ہے کہ اپنی نجی زندگی میں، میں خدا کا وجود تسلیم کر لوں۔"

"واہ واہ......!"

نچلے درجے کے ایک ترقی پسند نے شیرازی کو داد دی۔

"قیامت میں پکڑے گئے تو اللہ سے کیا، اللہ کی قسم......! اللہ میاں، میں دل سے آپ کو مانتا تھا۔"

چوہدری نے اسے گھور کر دیکھا تو اس نے نظریں جھکا لیں۔ چوہدری نے پُرجلال لہجے میں شیرازی سے کہا۔

"یہ تو نری منافقت ہے۔"

"نہیں کامریڈ......! دراصل تم کچھ سمجھے ہی نہیں۔"

شیرازی بولا۔

"کفر میں منافقت نہیں ہوتی۔ منافقت تو ایمان میں ہوتی ہے اور میں صاحب ایمان ہوں نہیں۔"

"سبحان اللہ......!"

ایک اور ترقی پسند نے داد دی۔



"اب دیکھ لو، کامریڈ شاکمر نے بھی اللہ کا نام لیا۔"

شیرازی نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ چوہدری نے گھور کر شاکمر کو دیکھا تو وہ بوکھلا کر بولا۔

"یہ تو داد دینا ہے چوہدری صاحب......! مشاعروں میں لوگ داد دینے کے لئے ایسا کہتے ہیں۔"

"اب بولو......! اس لفظ کو تو نہیں مٹا سکتے ناں......؟"

شیرازی اور اکڑ گیا۔

"بہرحال مجھے خوشی ہے کہ میں اپنے کفر میں بھی خالص ہوں۔ تمہاری طرح منافقت نہیں کرتا۔"

چوہدری نے عزت قدرے بحال کرنے کی کوشش کی۔

"کبھی خود پر بھی غور کرو چوہدری......!"

شیرازی نے اس بار براہِ راست حملہ کیا۔ اس کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔

"تم کسانوں، مزدوروں اور غریبوں کے ہمدرد بنتے ہو، لیکن تمہاری یہ دولت درحقیقت انہی کا خون پسینہ ہے۔ ان کا استعمال کر کے ہی تم یہاں تک پہنچے ہو۔"

وہ حملہ ایسا تھا کہ چوہدری کا نشہ ہرن ہوگیا۔ اس کا دماغ پوری طرح کام کرنے لگا۔ ین تو وہ بلا کا تھا ہی، مگر حاضر جواب بھی تھا۔

"اور تم جو یہاں بیٹھ کر یہ شراب پی رہے ہو، یہ انہی کا خون ہے۔"

اس نے کہا۔

"تمہارے تعلق کی وجہ سے، ورنہ میں اس سے بہتر شراب اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر پی سکتا ہوں۔"

شیرازی نے تپ کر کہا۔ چوہدری اس سے یہی جواب سننا چاہتا تھا۔ اسے موقع مل گیا۔ اب اس نے جوابی حملہ کیا۔

"مجھے تو یہ دولت، یہ جاگیر اپنے باپ سے ورثے میں ملی ہے شیرازی......! مگر تمہارا پ تو تمہارے لئے کچھ چھوڑ کر نہیں گیا۔ پھر یہ مال و دولت، بنگلہ، گاڑی اور اعلیٰ شراب...... یہ ب تمہیں کہاں سے ملا......؟ تم جن مزدوروں کے بہی خواہ اور لیڈر بنے ہوئے ہو، انہی کے دات بیچ کر یہ سب حاصل کرتے ہو۔ سرمایہ داروں کے عیب اور ان کی کمزوریوں پر انہیں بلیک

میل کرتے ہوا اپنے رسالے کے حوالے سے، جو کہ مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں کا تر
کہلاتا ہے۔ تمہیں دولت دی جاتی ہے کہ تم ان سرمایہ داروں کی سازشوں کو بے نقاب نہ کرو۔ ا
کمزوریوں اور ان کے عیوب کے بارے میں اپنے رسالے میں نہ چھاپو۔ میں تم سے زیادہ ا
کبھی نہیں کر سکتا غریبوں کا۔''

شیرازی نے خود پر رقت طاری کر لی۔ آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔

''یہ بھی میں ان کے مفاد کی خاطر ہی کرتا ہوں۔''

وہ بولا۔

''اوہ......! ذرا ہم لوگوں کو بھی Logic سمجھاؤ اس کی۔''

''دیکھو......! میں ان کے لئے لڑتا ہوں اور میری لڑائی جسمانی نہیں۔ میں ان کا
ہوں۔ میرا دماغ اور میرا قلم میرا ہتھیار ہے، جس سے میں انہیں کامیابی دلا سکتا ہوں۔ لیکن
دونوں سے بہترین استفادے کے لئے آسودگی ضروری ہے۔ اگر میں ان کی ممکنہ آسودگی میں
کر کے اپنے لئے آسودگی حاصل کرتا ہوں تو انہی کے لئے تو کرتا ہوں۔ تاکہ تازہ دم ہو کر ان
لئے، ان کی بہتری کے لئے کوئی نئی اسکیم سوچوں۔ میں سوچ کر ان کی جدوجہد کے لئے
کروں۔ جو کچھ میں کرتا ہوں، بادی النظر میں وہ خودغرضی ہے، ان کا استعمال ہے۔ لیکن در
اس میں ہی ان کی فلاح ہے۔ میں بھی ان کی طرح ناآسودہ اور بھوکا ہو گیا تو کون ان کی ر
کرے گا......؟ کون ان کی جنگ کا نقشہ ترتیب دے گا......؟''

چوہدری تمسخرانہ انداز میں تالیاں بجانے لگا۔

''واہ واہ......! Logic تو کوئی تم سے سیکھے......! کاز سے غداری بھی عین د
ہو جائے گی۔''

''اب تم اپنی بات کرو کامریڈ عبدالستار......!''

شیرازی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''سچے کامریڈ ہو تو یہ اتنی بڑی جاگیر، لاکھوں ایکڑ زمین کیوں لئے بیٹھے ہو......
اپنے مزارعوں میں تقسیم کیوں نہیں کر دیتے......؟''

چوہدری اب پوری طرح ہوش میں تھا۔ پہلی بار اسے کسی محفل میں ذلیل کیا
ورنہ ان محفلوں کا تو اصول تھا...... ایک دوسرے کی طرفداری، ایک دوسرے کی پردہ داری۔
فیصلہ کر لیا تھا کہ شیرازی کو اس کمینگی کی سخت سزا دے گا۔ مگر وہ بعد کی بات تھی۔ اس وقت





کے الزامات سے بری کرانا زیادہ ضروری تھا۔

چنانچہ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی تو یہی چاہتا ہے میرا، اور اب تک میں ایسا کر بھی چکا ہوتا۔ لیکن جانتا ہوں کہ
میں ان غریبوں کا نقصان ہے۔ ان کی فلاح کی خاطر ہی میں ایسا نہیں کرتا۔''

''اوہو......! ذرا ہمیں بھی تو سمجھاؤ کہ تمہاری جاگیرداری میں ہی ان کی فلاح کیسے
......؟''

شیرازی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''اگر تم صحیح معنوں میں دانشور ہوتے تو خود ہی سمجھ جاتے۔ لیکن خیر......! میں سمجھاتا
وں۔ دیکھو......! میرے پاس تو دُنیا کی ہر چیز ہے۔ زمینوں کی مجھے کیا پرواہ......؟ فرض کر لو......!
زمین اپنے مزارعوں میں تقسیم کر کے یہاں لاہور میں سکون سے زندگی گزارنا شروع کر دوں تو
مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جو گزرے گی، ان مزارعوں پر گزرے گی، جنہیں میں زمیندار بناؤں
گا۔''

''لو......! ان پر کیا گزرنی ہے......؟ وہ تو عیش کریں گے زمیندار بن کر۔''

''کچھ بھی تو نہیں سمجھتے تم......!''

چوہدری نے مذاق اُڑانے والے انداز میں کہا۔

''اور کیسے سمجھو گے......؟ کسان ہوتے تو سمجھتے۔ ان بے چاروں کو فصل کے لئے
بیجوں کی، کھاد کی ضرورت ہوگی، اور گھر میں کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ ایسے میں یہاں بھی
سودخور ہندو مہاجنوں کی طرح مسلمان مہاجن سامنے آئیں گے۔ وہ زمینیں رہن رکھ کر انہیں بیاج پر
قرض دیں گے۔ پھر ٹریکٹر تو دُور کی بات، ہل چلانے کے لئے ان کے پاس بیل تک نہیں ہوں
گے۔ اس کے لئے بھی قرض لینا پڑے گا۔ فصل اُترنے تک فصل کا منافع تو وہ بے چارے کھا چکے
ہوں گے۔ پھر فصل خریدنے والے انہیں ستائیں گے۔ اونی پونی قیمت لگائیں گے اور وہ اس قیمت
بیچنے پر مجبور ہوں گے۔ جو ہاتھ آئے گا، اس سے بیاج بھی پورا نہیں ہوگا، اور پھر اگلی فصل کا
چکر......!

اور تم کچھ بھی نہیں جانتے شیرازی......! پھر بھی سمجھ سکتے ہو کہ زیادہ سے زیادہ پانچ
سال میں وہ پھر مزارعوں کی حیثیت سے کام کر رہے ہوں گے اور المیہ یہ ہوگا کہ پہلے وہ میری
زمینوں پر مزارعے تھے، اس وقت اپنی ہی زمین پر مزارعے ہوں گے۔ اور میری طرح ان کا خیال

رکھنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ میری زمین پر جا کر پوچھ لو۔ میرے کسی مزارعے کے گھر میں فاقہ
ہوتا۔ اس وقت ہوں گے شیرازی...... ! تم سمجھ نہ سمجھو...... ! میری جاگیرداری میں میری رعیت
لئے فلاح ہے۔ مجھے زمین، جاگیر کی ضرورت نہیں۔

لیکن میرے مزارعوں کو میری ضرورت ہے۔ وہ کمزور ہیں۔ بس اپنی فصلیں اپنے
مانگے ریٹ پر فروخت کرتا ہوں، وہ نہیں کر سکتے۔ خریدار مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ وہ زیادہ
پانچ کریں تو میں اپنے گودام بھر کر بے نیاز ہو کر بیٹھ جاتا ہوں۔ مجھے پیسے کی ایسی ضرورت جو
ہے۔ شیرازی صاحب...... ! پیسے سے مضبوط ہونے کی بڑی اہمیت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ میری
باتوں نے تمہاری دانشوری میں بیش بہا اضافہ کیا ہوگا۔"

شیرازی اندر ہی اندر سلگ رہا تھا۔ مگر اس نے منافقت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو یار چوہدری...... ! چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم بچوں کی طرح تلخی کر بیٹھے۔
رستہ بھی ایک ہے کامریڈ...... ! اور منزل بھی ایک۔ میرا مقصد تمہاری توہین کرنا نہیں تھا۔"

"تو میں نے کب ایسا سمجھا...... ؟"

چوہدری بھی کم نہیں تھا۔

"ہم تو ایک دسترخوان پر موجود برتنوں کی طرح ہیں، جو کبھی کھنک بھی جاتے ہیں،
کر۔ پھر ٹوٹتے نہیں۔ اس لئے کہ نہ تم کانچ کے ہو نہ میں۔"

"ٹھیک کہتے ہو چوہدری...... !"

بات ختم ہوگئی۔ لیکن ختم نہیں ہوئی۔ شیرازی نے اپنے رسالے کے اگلے شمارے
چوہدری کا نام لئے بغیر اس کا پورا فلسفہ بیان کر دیا۔ لیکن اس ترتیب سے کہ جاننے والے سمجھ گئے
یہ چوہدری عبدالستار کا ذکرِ خیر ہو رہا ہے۔

چوہدری قلم کا آدمی تو تھا نہیں۔ وہ عملی آدمی تھا، اور بہت کینہ پرور تھا۔ کسی کا نام
کے دشمنوں کی فہرست میں آ جاتا تو نکلتا ہی نہیں تھا۔ اس نے شیرازی کو عملی طور پر سزا دینے کی اسکیم
تیار کر لی۔

شیرازی نے لکھنے کو تو لکھ دیا اور وہ چھپ بھی گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ ڈرا اور محتاط
ہوگیا۔ چوہدری قومی اسمبلی کا ممبر تھا۔ لیکن اس حیثیت میں وہ اتنا اہم بھی نہیں تھا۔ جبکہ وہ اپنے
رسالے کی حکومت نواز پالیسی کی وجہ سے مقتدر لوگوں کے بہت قریب تھا۔ مگر ایک بڑے جاگیردار
کی حیثیت سے چوہدری بہت خطرناک تھا۔ اس نے سوچا کہ اوپری سطح پر چوہدری سے مصالحت





کوشش کرے گا۔

چوہدری بھی یہ سب جانتا تھا۔ وہ سانپ کو مارنے کے لئے اپنی لاٹھی توڑنے کا قائل
نہیں تھا۔ دماغ اس کا بہت تیز کام کرتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ معاملے کو اوپر جانے ہی نہیں دینا
ہے۔

ایک ہفتہ شیرازی نہیں آیا تو پیر کے دن اس نے خود اسے فون کر لیا۔

"کیا بات ہے کامریڈ...... ؟ اس سیٹرڈے نائٹ کو تم آئے ہی نہیں...... ؟"

شیرازی کو اس کے فون پر حیرت ہوئی، بلکہ خوف بھی آیا۔ اس نے سوچا کہ نہ جانے
میں بہتری تھی۔ اپنے عشرت کدے میں تو چوہدری اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ تاہم اس نے
محتاط لہجے میں کہا۔

"کچھ مصروفیت تھی چوہدری صاحب...... !"

"تو اس سیٹرڈے کو آ رہے ہو ناں...... ؟"

"دیکھیں...... ! کچھ کہہ نہیں سکتا میں۔"

"اگر مصروفیت ہے تو اس بار محفل تمہارے دفتر میں جما لیتے ہیں۔"

شیرازی نے چند لمحے سوچا۔ اس تجویز کو رد کرنا مناسب نہیں تھا اور پھر اپنے دفتر میں
تو وہ محفوظ تھا۔

"آپ کو زحمت ہوگی چوہدری صاحب...... !"

اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"دوستوں میں زحمت کیسی شیرازی...... ؟ ہم خود آ جائیں گے۔"

چنانچہ ہفتے کی رات چوہدری اس کے دفتر پہنچ گیا۔ شیرازی نے احتیاطاً کچھ اور
کامریڈز کو بھی مدعو کر لیا تھا۔

چوہدری بڑے تپاک کے ساتھ شیرازی سے ملا۔

"بھئی...... ! میں تو خالی ہاتھ آیا ہوں۔"

"مطلب...... ؟"

شیرازی چونکا۔

"مطلب یہ کہ ساتھ کچھ نہیں لایا۔ پارٹی تو تمہاری ہے ناں...... !"

"بالکل...... ! تم فکر نہ کرو چوہدری...... ! کوئی کمی نہیں ہوگی۔"

"جانتا ہوں، شراب تمہاری زیادہ اچھی ہوگی۔ روسی شراب بازار میں ملتی ہوتی تو میں خرید لیتا۔ تمہیں تو سفارت کار تحفے دیتے ہیں ناں......!"

"ہاں......! یہ تو ہے۔"

شیرازی کا سینہ چوڑا ہوگیا۔

"اور فکر نہ کرو، شباب بھی ملے گا۔"

"دیکھیں گے......!"

شراب کا دور چلنے لگا۔ چوہدری نے ہاتھ ذرا کھینچ کر رکھا تھا۔ رقص و سرور کی محفل بھی جم گئی۔ کچھ دیر بعد چوہدری نے کہا۔

"دوسرے کمرے میں چلو یار......! پرائیویسی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

اس بلڈنگ کا وہ پورا فلور شیرازی کے تصرف میں تھا۔ وہ چوہدری کو اپنے خاص کمرے میں لے گیا۔ شراب کی بوتل اور جام ان کے ساتھ تھے۔ وہ وہاں تنہائی میں سکون سے بیٹھ گئے۔ چوہدری نے جام سے ایک گھونٹ لیا اور بلاتمہید بولا۔

"مجھے تم سے گلہ ہے شیرازی......!"

"وہ چوہدری......! میں......"

چوہدری نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے بات پوری کرنے دو......! دیکھو، گلہ کرنا میرے لئے کمزوری دکھانا ہے۔ لیکن تم دوست ہو، اس لئے گلہ کر رہا ہوں۔ ورنہ کچھ اور کرتا۔"

اس کے لہجے میں بڑی سنگین سنجیدگی تھی۔ شیرازی نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ لیکن چوہدری نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"مجھے بات پوری کرنے دو کامریڈ......! یہ تم ادبی لوگ اکثر بولتے اور لکھتے ہو...... ہم پیالہ اور ہم نوالہ۔ لیکن نہ اس کا مفہوم سمجھتے ہو، نہ اہمیت۔ ہم اُجڈ لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں۔ دوستوں سے لڑائیاں ہوتی ہیں، برا بھلا بھی کہا جاتا ہے، ناراضگی بھی ہو جاتی ہے۔ پر صلح ہونے کے لئے۔ اور ہم پیالہ، ہم نوالہ دوستوں کے خلاف قلم استعمال نہیں کیا جاتا۔ قلم کی بڑی عزت ہوتی ہے شیرازی......! اس کا لکھا کبھی مٹتا نہیں۔"

"میں نے کسی اور کے بارے میں لکھا تھا۔ کچھ لوگ ہمارے درمیان فساد ڈالنے کے لئے بات کو تمہاری طرف لے گئے۔"



"تم جانتے ہو، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

شیرازی نے زور دے کر کہا۔

"مماثلت میری بے احتیاطی کی وجہ سے پیدا ہوئی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لکھتے وقت میں نشے میں تھا۔"

"چلو......! اس سے ایک سبق ہی حاصل کر لو۔ نشے میں قلم جیسی مقدس چیز کو ہاتھ نہ لگایا کرو۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ وہ میری غلطی تھی۔ میرا اشارہ تمہاری طرف نہیں تھا۔ پھر بھی تمہیں اس سے تکلیف پہنچی تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

چوہدری استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"دوستوں کے درمیان معافی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ رہی تکلیف کی بات تو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اپوزیشن کے اخبارات ہمارے خلاف لکھتے رہتے ہیں۔ تم نے بھی لکھ دیا تو اس سے کیا فرق پڑا......؟ ہم سیاست دان لوگ اقتدار میں ہوں تو زبانی، تحریری، ہر طرح سے ہمیں برا کہا جاتا ہے۔ پر اگلا الیکشن تو ہم ہی جیتتے ہیں ناں......! گلہ مجھے یہ ہے کہ تم نے مجھے بہت چھوٹا آدمی سمجھا۔ تم میری پارٹی میں نہیں آئے، یہ سوچ کر کہ میں وہاں تمہیں نقصان نہ پہنچا دوں۔ مجھے بہت شرم آئی خود پر کہ میرے گھر میں کوئی دشمن بھی خود کو غیر محفوظ نہیں سمجھ سکتا۔ میرے جانثار ایسے ہیں کہ میرے ایک اشارے پر دو چار بندوں کو اس سے بھی زیادہ آسانی سے مٹا دیں، جس آسانی سے ربڑ پنسل کے لکھے کو مٹاتا ہے۔"

شیرازی کو سردی میں بھی پسینہ آگیا۔ چوہدری یہ بات اس کے دفتر میں بیٹھ کر کہہ رہا تھا اور سچ کہہ رہا تھا۔ وہ براہِ راست دھمکی تھی، اور دھمکی نہیں بھی تھی۔

"تم غلط سمجھے کامریڈ......!"

اس نے لہجے میں محبت سموتے ہوئے کہا۔

"میں واقعی مصروف تھا ہفتے کی رات۔ اور کیا میں تمہیں جانتا نہیں ہوں کہ تمہارے بارے میں ایسا گمان کرتا......؟"

"چلو کوئی بات نہیں......! جو ہوا، اس پر مٹی ڈالو۔ اس سیٹرڈے کو تو آرہے ہو ناں......؟"

اب شیرازی انکار کیسے کر سکتا تھا......؟

''کیوں نہیں دوست......؟ سر کے بل آؤں گا۔''

چوہدری نے اپنے جام سے ایک اور گھونٹ لیا۔

''اب کچھ منہ کا ذائقہ بھی بدل لیا جائے چوہدری صاحب......!''

چوہدری نے اسے بہت غور سے دیکھا۔

''اب میں سچی بات کہہ نہیں سکتا۔ تم برا مان جاؤ گے۔''

''ارے نہیں چوہدری صاحب......! سچ کی تو میں بڑی قدر کرتا ہوں۔ آپ بے جھجک کہیں۔''

''تو بات یہ ہے شیرازی......! کہ منہ کا ذائقہ بدلے گا ضرور، پر خراب ہو جائے گا۔ تمہاری شراب بے شک بہت اچھی ہوتی ہے، پر اس کے ساتھ بازار کے باسی پکوان کا کوئی جوڑ نہیں۔''

''اب میں کچھ کہوں گا تو تم برا مانو گے چوہدری صاحب......!''

''تم دیکھ چکے ہو کہ دوستوں کی بری بات پر بھی میں برا نہیں مانتا۔ ورنہ یہاں آتا ہی کیوں......؟ بے فکری سے بات کرو تم......! چاہو تو لکھ بھی دینا۔''

''اب شرمندہ کر رہے ہو مجھے......؟ لگتا ہے، تم نے مجھے معاف نہیں کیا۔''

''ایسے ہی مذاق میں کہہ دیا۔ دل پر مت لو، بولو......! کیا کہنا چاہتے ہو......؟''

''بہتر تو ہوتا ہے، مگر کوئی بہت تازہ پکوان تو تمہارے دسترخوان پر کبھی نہیں دیکھا۔''

''ٹھیک کہا تم نے، تم نے نہیں دیکھا۔''

چوہدری نے چٹخارا لے کر کہا۔

''ایک تو بات یہ ہے کہ رات شباب پر آتی ہے تو تم رُخصت ہو جاتے ہو۔ تم نے ہمارے ہاں سورج نکلتے ہوئے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اپنے خاص دسترخوان پر بس ایک یا زیادہ سے زیادہ دو مہمانوں کو بلاتا ہوں۔ عام دسترخوان تو سب کے لئے ہوتا ہے۔ مجھے ہرن کے کباب بہت پسند ہیں۔ تم نے کھائے ہیں کبھی......؟ شکار کے تازہ گوشت کا ذائقہ ہی اور ہوتا ہے پیارے......!''

چوہدری اسے آنکھ مارتے ہوئے مسکرایا۔

''اور خواب گاہ میں تو گلاب کی کچی کلیاں ہی اچھی لگتی ہیں مجھے۔''





اس اشارتی گفتگو نے شیرازی کا نشہ بڑھا دیا۔

''ہاں بھئی......! تمہاری مملکت میں تو شکارگاہیں بھی ہیں اور چمنستان بھی۔ مگر مجھے تم نے کبھی دعوت نہیں دی۔''

اس کے لہجے میں شکایت تھی۔

''کہا تو ہے کہ تم رات بھیگنے تک رُکتے ہی نہیں......!''

''تو اسی سیٹرڈے کو ہو جائے......!''

''ہر رات ہولی یا دیوالی نہیں ہوتی شیرازی......! ورنہ لطف ہی ختم ہو جائے۔ روز ملے تو نیا پن بھی پرانا لگنے لگتا ہے۔''

چوہدری نے کہا۔

''یہ البتہ تم سے وعدہ ہے کہ میری اگلی خاص محفل میں مہمانِ خصوصی تم ہی ہو گے۔''

شیرازی خوش ہو گیا۔ چوہدری بھی خوش تھا کہ اس نے جال اتنی چالاکی سے بچھایا ہے کہ شکار کو پتا بھی نہیں چلا۔

ان کے تعلقات بحال ہو گئے۔ شیرازی کی آمد و رفت کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ دو تین ویک اینڈ گزر گئے۔ پھر ایک ویک اینڈ پر چوہدری نے شیرازی کے کان میں کہا۔

''آج اندر سبھا سجے گی۔ آج تم میرے خاص مہمان ہو۔''

شیرازی پر ہیجان طاری ہو گیا۔ وہ پینا بھی بھول گیا۔ اس نے دیکھا کہ چوہدری بھی پینے میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا ہے۔

ایک بجے کے قریب چوہدری اُٹھ کھڑا ہوا۔

''لو بھئی......! تم لوگ عیش کرو۔''

اس نے محفل کے شرکاء سے کہا۔

''اب ہم آرام کریں گے۔''

پھر اس نے شیرازی کا ہاتھ پکڑا اور باہر لے چلا۔

راہ داری میں آخری دروازے سے پہلے والا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔

شیرازی اس کے پیچھے تھا۔

''یہ دیکھو......!''

چوہدری نے کہا۔ شیرازی نے دیکھا، بیڈ پر ایک لڑکی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ان کے

اندر جانے پر بھی اس نے سر نہیں اُٹھایا۔ شیرازی نے اسے تولنے والی نظروں سے دیکھا۔ اس کی عمر چوبیس کے لگ بھگ ہوگی۔ بلاشبہ وہ خوب صورت اور متناسب الاعضاء تھی۔ لیکن غور سے دیکھنے پر یہ اندازہ ہوا کہ لڑکی بہرحال نہیں ہے۔ بہرحال بازار کی عورتوں کے مقابلے میں وہ بہت زیادہ پُرکشش تھی۔

"کیسی ہے......؟"

چوہدری نے پوچھا۔

"اچھی ہے......!"

شیرازی نے جواب دیا۔ پھر جلدی سے اضافہ کیا۔

"بہت اچھی......!"

"یہ تمہارے لئے ہے۔"

"شکریہ چوہدری صاحب......!"

"اب میرے ساتھ چلو......! ایک جام میرے ساتھ پی لو۔ پھر یہاں آجانا۔"

چوہدری اسے آخری کمرے میں لے گیا۔ وہ اس کی خواب گاہ تھی، جو نیم تاریک تھی۔

چوہدری نے میز کی طرف اشارہ کیا، جس پر شراب کی بوتل، سوڈے کا سائفن اور دو خالی جام رکھے تھے۔

"بیٹھو شیرازی......!"

چوہدری نے اشارہ کیا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک بیڈ تھا، جس پر کوئی سو رہا تھا۔ شیرازی کو اندازہ ہوا کہ وہ کوئی عورت ہے۔ وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

چوہدری نے کچھ سوئچ آن کئے، اور کمرہ جگمگا اُٹھا۔ وہ شیرازی کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھا اور جام بنانے لگا۔ روشنی ہوتے ہی لڑکی کسمسائی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ کن انکھیوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ اُٹھی اور ان کی طرف بڑھی۔

شیرازی مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسا مکمل حسن نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو قیامت تھی، جو اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ چوہدری بے نیازی سے جام بناتا رہا۔

لڑکی ان کے سامنے آکر رُک گئی۔

"مجھے گھر جانا ہے مالک......!"

اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔



"بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"میں ساتھ ہوں تو ڈر کیسا......؟"

چوہدری نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

"اور ابھی تو سکون سے سو رہی تھی تو......! روشنی کی وجہ سے جاگی ہے۔"

"میں گھر کب جاؤں گی مالک......؟"

"جلدی کیا ہے......؟ یہاں وہ عیش کرے گی، جو خواب میں بھی نہیں دیکھے۔ اور دیکھ، تیرا باپ ہی تجھے یہاں لایا تھا ناں......؟ وہی چھوڑ کر گیا ہے ناں تجھے......؟"

لڑکی نے اقرار میں سر ہلایا۔

"تو اس کی امانت ہے میرے پاس۔ میں تجھے کسی کے ساتھ بھیجوں تو بے عزتی کی بات ہے۔ جب تیرے باپ کا دل کرے گا، آ کر تجھے لے جائے گا۔ عزت سے آئی تھی، اور عزت سے جائے گی۔ آرام سے رہ، یہاں کام ہلکا ہے۔ مشقت سے بھی بچی ہوئی ہے۔ جو مانگے گی، وہ ملے گا۔ چل، میں لائٹ بجھاتا ہوں۔ تو جا کر سو جا......!"

لڑکی کے ہونٹ کپکپاتے رہے۔ پھر وہ پلٹی اور بستر کی طرف چل دی۔ شیرازی کی نظریں ایک ثانیے کے لئے بھی اس پر سے نہیں ہٹی تھیں۔ وہ سحرزدہ ہو رہا تھا۔

چوہدری نے جا کر سوئچ آف کئے۔ اب پہلے والی نیم تاریکی بھی گہری تاریکی لگ رہی تھی۔

مگر شیرازی اب بھی اس لڑکی کو ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ سراپا جیسے اس کے تصور سے چپک گیا تھا، اس کی نگاہوں میں بس گیا تھا۔ وہ لڑکی مشکل سے سترہ یا اٹھارہ سال کی ہوگی۔ اس کا چہرہ، اس کا سراپا، اس کی چال، وہ تو چلتی پھرتی قیامت تھی۔

چوہدری واپس آ بیٹھا۔ مگر شیرازی کو پتا بھی نہ چلا۔ اندھیرے میں بھی وہ اس لڑکی کو ہی دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں جیسے بندھ گئی تھیں۔

"یہ لو......!"

چوہدری نے اس کی طرف جام بڑھاتے ہوئے کہا۔ شیرازی نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس نے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پایا۔

"کیا ہوا شیرازی......؟ یہ لو ناں......؟"

شیرازی نے اس کے ہاتھ سے جام لیا۔

"یہ ہے جنگ کی ہرنی......!"

چوہدری نے اپنے جام سے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"اور ماننے والی بات ہے کہ تم آدمی مبارک ہو۔ آج ہی مجھے گلاب کی ایک کچی کلی کی تصویر ملی ہے۔ وہ شہری ہے۔ اگلے ہفتے وہ یہاں ہوگی۔"

شیرازی نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے ابھی تک جام کو لبوں سے نہیں لگایا تھا۔ جام ختم کر کے تو اسے یہاں سے جانا تھا، جبکہ وہ یہ چاہتا نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ بچوں کی سی بات ہے۔ مگر کیا کرتا......؟ دل تو بچوں کی طرح ہی مچل گیا تھا۔

"کیا ہوا......؟ کچھ سوچ رہے ہو......؟"

چوہدری نے اچانک پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں کہ جو دل میں ہے، کہوں یا نہ کہوں......؟"

"کہہ دو میرے یار......! جھجکتے کیوں ہو......؟"

"چوہدری صاحب......! یہ لڑکی مجھے بھا گئی ہے۔ میرے ہوش اُڑا دیئے ہیں اس نے۔"

"تو اس میں کیا خاص بات ہے......؟ اسے تو جو بھی دیکھے گا، یہی کہے گا۔ خیر......! میں سمجھ گیا۔ تم فکر نہ کرو شیرازی......! میں یاروں کا یار ہوں۔ میں بعد میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔"

"میں یہ کہنا چاہتا......"

چوہدری نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں سمجھ گیا ہوں شیرازی......! تم میرے معزز مہمان ہو۔ پر یہ اُصول کی بات ہے۔ دیکھو، شراب کی بوتل تو میں ہی کھولوں گا۔ کم از کم پہلے جام پر تو میرا حق ہے، دوسرا تمہارا۔"

شیرازی نے بے دلی سے ایک گھونٹ لیا۔

"دیکھو چوہدری صاحب......! تمہارے لئے تو یہ نئی بوتلیں معمول کی بات ہیں......"

"اب ایسا بھی نہیں ہے۔ نایاب نہیں، کم یاب تو ہیں یہ۔"

"......لیکن مجھے تو ایسا کبھی نصیب ہی نہیں ہوا، نہ ہوگا۔"

شیرازی نے اپنی بات مکمل کی۔ اس کا لہجہ طلب اور محرومی سے دہک رہا تھا۔

"ارے رے......! کیا بات کر دی تم نے......؟ ارے......! میں تو یاروں کا یار ہوں۔





اپنے گھر میں اپنے پہلے حق کا اصول تو میں توڑ نہیں سکتا، تم ایک ہفتہ انتظار کر لو۔ میں تمہاری خاطر قربانی دوں گا۔"

"پہلے جام کی تو بات ہی اور ہوتی ہے۔"

شیرازی نے حسرت سے کہا۔

"پہلا جام ہی ملے گا تمہیں، کہا ناں......! صرف ایک ہفتہ انتظار کر لو۔"

"میں سمجھا نہیں......!"

چوہدری نے جیب سے ایک بڑے سائز کی تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"ابھی میں نے تم سے شہری گلاب کی کچی کلی کی بات کی تھی ناں......! یہ ہے وہ، ذرا اسے ایک نظر دیکھو تو۔"

شیرازی نے تصویر دیکھی اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ ابھی خواب گاہ میں اس نے جس لڑکی کو دیکھا تھا، وہ اس کے خیال میں روئے زمین پر سب سے خوب صورت لڑکی تھی۔ لیکن تصویر والی لڑکی کے سامنے وہ کچھ بھی نہیں تھی۔

وہ تصویر کو غور سے دیکھتا رہا۔ وہ فل پوز تھا۔ لڑکی کا پورا سراپا سامنے تھا۔ تصویر ایسی جیتی جاگتی تھی، جیسے خود لڑکی اس کے سامنے کھڑی ہو۔

"مجھے ترسا رہے ہو چوہدری صاحب......! بھڑکا رہے ہو......؟"

اس نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں......! زندگی میں پہلی بار دوستی کی خاطر یہ قربانی دے رہا ہوں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ یہ پہلے مجھے ملے گی......؟"

شیرازی کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"ہاں......! یہی کہہ رہا ہوں میں۔ لیکن اپنا یہ اُصول میں اب بھی نہیں توڑوں گا کہ میرے گھر میں پہلا حق میرا ہے۔"

"تو پھر......؟"

"اپنے گھر پر تو میں تمہیں پہلا موقع نہیں دے سکتا۔ اس لئے ہفتے کی رات اسے تمہارے آفس بھجوا دوں گا۔"

"بوتل کھولنے کے بعد......؟"

چوہدری کا چہرہ غصے سے تمتما اُٹھا۔

"دوستوں کے ایثار کو سراہنے کے بجائے بدگمانی کرتے ہو تم......! میں دکھاوا کروں گا تم سے......؟ مجھے تم سے غرض کیا ہے......؟ کیا دے سکتے ہو تم مجھے......؟ اور کچھ چھین بھی نہیں سکتے مجھ سے......؟ دھوکہ کمزور لوگ کرتے ہیں شیرازی......! اور میں کمزور نہیں ہوں۔"

شیرازی بوکھلا گیا۔

"ارے نہیں چوہدری صاحب......! میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"میں ایسا گھٹیا مذاق برداشت نہیں کرتا۔ تم میرے گھر میرے مہمان نہ ہوتے تو......"

اس نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔ شیرازی نے اپنا جام میز پر رکھا اور چوہدری کا ہاتھ تھام لیا۔

"بے شک......! تم سے اچھا دوست میں نے نہیں دیکھا۔"

"مجھ سے برا دشمن بھی نہیں دیکھا ہوگا۔"

چوہدری نے بے حد سچائی سے کہا۔ دل ہی دل میں وہ ہنس رہا تھا۔

"بس......! اب غصہ تھوک دو۔"

شیرازی نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"آخری بار معاف کر دو مجھے......! آئندہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

"آخری بار معاف کر رہا ہوں۔ اس کے بعد کبھی نہیں کروں گا۔"

"شکریہ دوست......!"

"بس......! اب تم جاؤ......!"

"ہفتے کی بات پکی ہے ناں......؟"

"چوہدری عبدالستار وہ وعدہ کبھی نہیں کرتا، جسے پورا نہ کر سکے۔ بس......! اب تم جاؤ......!"

شیرازی نے جام اُٹھایا اور ایک سانس میں خالی کر دیا۔ پھر وہ اُٹھا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔ تصویر والی لڑکی کا نشہ شراب سے زیادہ گہرا تھا۔

چوہدری نے اُٹھ کر دروازہ اندر سے بند کیا، اور مسکرایا۔ مچھلی نے چارہ نگل لیا تھا۔

اگلے روز اس نے اپنے خاص مصاحب تارے سے اس سلسلے میں بات کی۔

"اس لڑکی کے معاملے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہئے......؟"

"نہیں ہوگی چوہدری صاحب......!"



"اسے بے ہوش کر کے اُٹھانا ہے، اور آخر تک بے ہوش ہی رکھنا ہے۔"



"جی چوہدری جی......!"

"اور تم میں سے کسی کی صورت نہ دیکھنے پائے وہ۔"

"ایسا ہی ہوگا چوہدری جی......!"

"اور اسے کہاں رکھنا ہے......؟ کیسے اور کہاں پہنچانا ہے......؟ پھر مجھے اطلاع دینی ہے۔"

"مجھے سب یاد ہے چوہدری صاحب......!"

چوہدری مطمئن ہوگیا۔ اس نے بڑی احتیاط سے بساط پر مہرے سجائے تھے۔ وہ لڑکی ایک مل کی مزدور یونین کے صدر کی بیٹی تھی۔ اس نے شیرازی کو پیدلی مات دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ایسا ہی شاطر تھا۔

اس کی توقع کے عین مطابق ہفتے کی صبح گیارہ بجے شیرازی نے اسے فون کیا۔

"کیا حال ہے چوہدری صاحب......؟"

اس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں پتا ہے کہ میں خیریت سے ہوں۔ مجھے میرا وعدہ یاد دلانا تھا تمہیں......؟"

"یہ بات نہیں چوہدری صاحب......!"

"اب میری خیریت پوچھنے کے لئے مجھے رات دس بجے فون کرنا۔ سمجھ رہے ہو ناں......؟ پر بھول نہ جانا۔"

"یہ بھی کوئی بھولنے والی بات ہے دوست......؟"

"اور ہاں......! آج اپنے ہاں محفل نہ سجانا۔ زندگی میں پہلی بار جان بوجھ کر کسی کا جھوٹا کھانے والا ہوں میں۔ اور تمہارے علاوہ کسی اور کا جھوٹا کھانا مجھے گوارہ نہیں۔ ویسے بھی خلوت کا مزہ اور ہے۔ بہتر ہے کہ آج بھیڑ بھاڑ سے بچو۔"

"فکر نہ کرو چوہدری صاحب......! ایسا ہی ہوگا۔ ہفتے کو تو سارے دفتر بند ہو جاتے ہیں، پوری بلڈنگ سنسان ہوتی ہے۔"

"بس تو پھر رات دس بجے مجھ سے خوش خبری سن لینا۔"

چوہدری نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اس کے کارندوں نے لڑکی کو اُٹھانے کے لئے بہت مناسب جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اور

ان کا طریق کار بھی بہت سادہ تھا۔ ان کے پاس ایک سوزوکی تھی، جس پر مال لدا تھا۔ سوزوکی اس سنسان مقام پر لڑکی کے قریب رُکی۔ لڑکی کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی انہوں نے اسے بے ہوش کیا اور ایک بہت بڑے کارٹن میں اسے ٹھونس کر سوزوکی میں ڈال دیا۔

پھر سوزوکی اس بلڈنگ کے سامنے رُکی، جہاں پہلی منزل پر شیرازی کے دفاتر تھے۔ وہاں نچلی منزل پر گودام تھے۔ مال کے ساتھ لڑکی والا کارٹن بھی گودام میں پہنچ گیا۔ اس گودام کا اندر والا دروازہ بلڈنگ کے احاطے میں کھلتا تھا۔

بے ہوش لڑکی کو گودام میں صاف ستھری ہوادار جگہ پر لٹانے کا بندوبست پہلے ہی کر لیا گیا تھا۔

آگے جو کچھ ہوا، وہ بھی پوری طرح چوہدری کے اندازے کے مطابق تھا۔ لڑکی اپنے وقت پر گھر نہیں پہنچی تو گھر والے پریشان ہوئے۔ پھر بھی وہ انتظار کرتے رہے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہوگیا تو انہوں نے لڑکی کے باپ کو فون کیا، جو مزدور یونین کا صدر تھا۔ وہ ہڑبڑا کر گھر پہنچا۔ اس کی بیوی نے اسے بتایا کہ وہ کالج میں معلوم کر چکی ہے۔ بیٹی کالج سے چھٹی کی بعد نکل گئی تھی۔

لڑکی کا باپ اپنے ساتھ یونین کے مزدوروں کو لے کر پولیس اسٹیشن پہنچا، جہاں اس نے لڑکی کی گمشدگی کی اطلاع دی۔ ہیڈ محرر کے طلب کرنے پر اس نے لڑکی کی تصویر دی، جو وہ گھر سے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔

لڑکی کے باپ نے ایف آئی آر کٹوانے پر اصرار کیا، جبکہ ہیڈ محرر ہچکچا رہا تھا۔ لڑکی کا باپ ایس ایچ او کے پاس گیا۔ اس نے کہا کہ پہلے یہ چیک کرنا ہوگا کہ لڑکی اپنی کسی سہیلی کے ساتھ تو نہیں گئی، یا پھر لڑکی کا باپ کسی پر شک کا اظہار کرے۔

لڑکی کے باپ پر تو اس وقت قیامت گزر رہی تھی۔ اور اسے لگ رہا تھا کہ تھانے والے کچھ کر ہی نہیں رہے ہیں۔ چوہدری کی توقع کے عین مطابق اس نے شیرازی سے رابطہ کیا، جس سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔

شیرازی نے ایس ایچ او کو فون کیا۔ اس ایس ایچ او کو وہ پہلے بھی کئی بار ذلیل کر چکا تھا۔ ایس ایچ او نے اس سے اُکھڑی اُکھڑی بات کی اور کہا کہ کوئی سراغ ہی نہیں ہے، جہاں سے تلاش کا آغاز کیا جائے۔ اس نے ایف آئی آر درج کرنے کے معاملے میں بھی ٹال مٹول سے کام لیا۔

شیرازی کے لئے وہ مزدوروں میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کا بہترین موقع تھا۔ اس



نے فوراً اپنے شناسا ایک صوبائی وزیر کو فون کیا۔ وزیر نے براہِ راست ایس ایچ او کو فون کر کے جھاڑ پلائی اور فوراً ایف آئی آر درج کرنے کو کہا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اسے آج ہی اس لڑکی کو بازیاب کرانا ہے۔

یوں شیرازی نے خود اپنے ہی خلاف ایف آئی آر درج کرا دی۔

ایف آئی آر تو درج ہوگئی۔ لڑکی کا باپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تھانے پر دھرنا دیئے بیٹھا تھا۔ ایس ایچ او کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے......؟ کوئی سرا ہی نہیں مل رہا تھا، تفتیش کے لئے۔ اور وزیر کا حکم تھا کہ لڑکی کو بازیاب کرانا ہے۔ اس کے اصرار پر لڑکی کی دو تین سہیلیوں سے لڑکی کی بیوی کے ذریعے پوچھ گچھ کرائی گئی۔ لیکن کچھ پتا نہیں چلا۔

نو بجے شیرازی نے تھانے فون کر کے لڑکی کے باپ سے بات کی، اسے تسلی دی اور بتایا کہ اب وہ دفتر سے نکل کر کسی کام سے جا رہا ہے، اس لئے رابطہ ممکن نہیں ہوگا۔ لیکن وہ فکر نہ کرے۔ اب ایس ایچ او اور منسٹر کو جواب دہ ہے۔

لڑکی کے باپ کو تسلی تو نہیں ہوئی، لیکن اب بات اس کی سمجھ میں بھی آ گئی تھی کہ ایس ایچ او کے سامنے کوئی سراغ ہے ہی نہیں تو وہ اس کی بیٹی کو کیسے تلاش کرے گا......؟ وہ دُعا کے سوا کیا کر سکتا تھا......؟

چوہدری کے لئے اب ٹائمنگ کی بہت اہمیت تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ لڑکی کو کوئی نقصان پہنچے۔ اس لئے وقت کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لینا تھا۔ پونے دس بجے اس نے تارے کو ہدایت کی کہ لڑکی کو ٹھیک دس بجے شیرازی کے خاص کمرے میں پہنچا دے۔

چوہدری کو معلوم تھا کہ اب بلڈنگ میں، اور خاص طور پر پہلی منزل پر شیرازی کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔ اور شیرازی دس بجے باہر نہ نکلے، اس کا اس نے شیرازی کو دس بجے فون کرنے کا کہہ کر بندوبست کر لیا تھا۔ دس بجنے میں پانچ منٹ پر اس نے ریسیور اُٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ اس شیرازی اسے فون کرے گا، تو اسے انگیج ٹون سنائی دے گی۔ وہ سمجھے گا کہ وہ فون پر کسی سے بات کر رہا ہے۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح بار بار اس کا نمبر ملاتا رہے گا اور اس دوران اس کے آدمی اپنا کام کر گزریں گے۔

تارے اور اس کے ساتھیوں کو اپنا کام نمٹانے میں پانچ منٹ بھی نہیں لگے۔ لڑکی کو اُٹھا کر گودام کے عقبی دروازے سے وہ احاطے میں نکلے۔ زینہ چڑھ کر پہلی منزل پر پہنچے اور شیرازی کے آرام کے کمرے میں لڑکی کو بیڈ پر لٹا دیا۔ لڑکی کچھ کسمسا رہی تھی۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس

منٹ میں وہ ہوش میں آجاتی۔ پہلی بار تو انہوں نے اسے ہلکا سا کلوروفارم سنگھا کر بے ہوش کیا تھا۔ گودام میں آنے کے بعد جب اس کا اثر ختم ہونے لگا تو انہوں نے اسے بے ہوشی کا انجکشن دیا تھا۔ سب کچھ حساب کتاب سے ہوا تھا۔

لڑکی کو کمرے میں چھوڑ کر وہ باہر نکل آئے۔

اپنے دفتری کمرے میں شیرازی خواہش اور طلب کے ہاتھوں بے حال، بار بار چوہدری کا نمبر ملا رہا تھا۔ وہ بری طرح جھنجلا رہا تھا۔ انتظار کا وقت اس نے شغلِ مئے میں گزارا تھا، اس لئے کسی حد تک نشے میں بھی تھا۔

تارے نے چوہدری کو اطلاع دی تو چوہدری نے دوسرے فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی فون کی گھنٹی بجی۔ چوہدری نے ریسیور اُٹھایا۔

''ہیلو......!''

دوسری طرف شیرازی ہی تھا۔

''معاف کرنا دوست......! تمہیں انتظار کرنا پڑا۔''

چوہدری نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''تمہارے کام کے سلسلے میں ہی فون پر بات کر رہا تھا۔''

''کام ہوگیا......؟''

شیرازی نے بھڑکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اس کے لہجے میں اندیشے تھے۔ وہ ہوس سے ایسا لبالب بھرا ہوا تھا کہ اب ناکامی اور مایوسی تو دُور کی بات، مزید انتظار بھی اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں تو ہر حال میں پورا کرتا ہوں۔''

چوہدری نے کہا۔

''تو کتنی دیر میں بھجوا رہے ہو اسے......؟''

''وہ اس وقت تمہارے کمرے میں موجود ہے۔''

''تم کمال کے آدمی ہو چوہدری......! بہت شکریہ......!''

شیرازی نے بمشکل کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

چوہدری مسکرایا۔ وہ تصور میں شیرازی کو اپنے خاص کمرے کی طرف دوڑتا دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ریسیور اُٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔





''اب اپنے آدمی سے کہو کہ وہ فون کر دے۔''

اس نے بلا تمہید کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

چوہدری بہت مطمئن اور خوش تھا۔ اس نے مکمل اور بے داغ پلاننگ کی تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ کچھ عوامل ایسے ہیں، جن پر اس کا اختیار نہیں ہے۔ ایک تو شیرازی ہوس میں اندھا اور بے صبرا ہو رہا تھا، دوسرے لڑکی کا باپ اور اس کے ساتھی بہرحال شیرازی سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی بے یقینی اور ہچکچاہٹ فطری تھی، تیسرے ایس ایچ او شیرازی کا ستایا ہوا دُشمن تھا۔ لیکن انفارمیشن جھوٹی ہونے کی صورت میں وہ بہت بڑی مصیبت میں پھنس جاتا۔ چنانچہ اس نے بھی محتاط روّیہ اختیار کیا۔

یہی وجہ تھی کہ سب کچھ چوہدری کی خواہش اور منصوبے کے مطابق نہیں ہوا۔ بلکہ اس سے بہت بڑھ کر ہوا۔ وہ تو شیرازی کو صرف پھنسا کر ذلیل و رُسوا کرنا چاہتا تھا، مگر شیرازی کا تو کام ہی ہوگیا۔

ایس ایچ او نے وہ کال ریسیو کی تو اس کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔ لیکن اس نے ہوش سے کام لیتے ہوئے ریسیور لڑکی کے باپ کو دے دیا۔ لڑکی کے باپ نے وہ اطلاع بڑی حیرت اور بے یقینی سے سنی۔ اطلاع دینے والا کہہ رہا تھا کہ ابھی چند منٹ پہلے اس نے کچھ لوگوں کو ایک بے ہوش لڑکی کو جو کہ کسی کالج کا یونیفارم پہنے ہوئے تھی، بھگوان داس بلڈنگ میں لے جاتے دیکھا۔ اور وہ یقین سے کہہ سکتا ہے کہ لڑکی کو پہلی منزل پر ہفت روزہ سویرا کے دفتر کے ایک کمرے میں لے جایا گیا ہے۔ پھر رابطہ منقطع ہوگیا۔

لڑکی کے باپ نے ایس ایچ او کو کڑی نظروں سے دیکھا۔

''نوکری بچانے کے لئے کوئی کھیل کھیل رہے ہو تم......؟ شیرازی صاحب کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔''

''مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ اس لئے تم سے بھی بات کرا دی۔ یہ اس کیس میں پہلا سراغ ملا ہے ہمیں۔''

لڑکی کا باپ اُلجھن میں پڑ گیا۔

''تو تم ریڈ کیوں نہیں کرتے......؟''

''اوپر بات کئے بغیر کیسے کر سکتا ہوں......؟ بڑا معاملہ ہے یہ...... اور ایسی جلدی کیا ہے......؟''

"یہ میری بیٹی کی عزت کا سوال ہے۔"

"جلدی ہے تو تم خود جا کر دیکھ لو۔ میں ریڈ ضرور کروں گا۔ لیکن اوپر سے اجازت لینے کے بعد......!"

لڑکی کے باپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ سب گومگوں کے عالم میں تھے۔ لیکن وہ سمجھ گئے کہ انہیں ہی پہل کرنی ہوگی۔ وہ اُٹھے اور تھانے سے نکل گئے۔

ایس ایچ او نے بھی سب کچھ سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ گمنام کال سچی تھی۔ اوپر والوں سے رابطے کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں تھی۔ لیکن وہ ان لوگوں کو آگے بھیجنا چاہتا تھا، تاکہ کال سچی ہونے کی صورت میں وہ شیرازی کی تواضع کر سکیں۔ اور کال جھوٹی ثابت ہو تو اس پر مصیبت نہ آئے۔

ان کے جانے کے پندرہ منٹ بعد وہ اپنے ساتھ چار سپاہی لے کر ریڈ کے لئے نکل گیا۔ چاروں سپاہی مسلح تھے۔

ایس ایچ او کی اس محتاط روی نے معاملے کو کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔ شیرازی کے عشرت کدے کا منظر بہت خوف ناک تھا۔ لہولہان شیرازی فرش پر پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل آئی تھیں۔ وہ مر چکا تھا۔ ایک نظر دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا تھا کہ گلا گھونٹ کر ختم کرنے سے پہلے پر بے پناہ تشدد کیا گیا تھا۔

لڑکی پوری طرح ہوش وحواس میں نہیں تھی۔ اس کا باپ بیڈ پر پڑی چادر سے اس کی برہنگی ڈھانپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایس ایچ او کو دیکھ کر اس کے ساتھیوں میں سے ہر ایک نے کہا۔

"اسے میں نے گلا گھونٹ کر مارا ہے۔"

اور لڑکی کا باپ گم سم تھا۔ ایس ایچ او ان کے ساتھ ہمدردی ہی کر سکتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد چوہدری کو پوری معلومات حاصل ہوگئیں۔ لڑکی کی بے آبروئی پر اسے بہت دُکھ ہوا۔ اس رات اپنی خواب گاہ میں صرف شیرازی کو پھنسانے کے لئے اس نے ڈرامہ رچایا تھا۔ ورنہ اس نے کبھی اپنی رعیت کی آبرو پر بری نظر نہیں ڈالی تھی۔ بلکہ اس کا کوئی کارندہ بھی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے تو اس کے مزارعے اس پر جان دیتے تھے۔ اپنے شوق پورے کرنے کے لئے کسی کی بھی عزت خراب کرنے کا وہ قائل نہیں تھا۔ وہ کہتا تھا۔

"سیاست دان اپنے حلقے کے عوام کو کچھ بھی نہ دے، بس ان کی عزت آبرو





حفاظت کرے تو بہت کافی ہے۔"

عجیب رنگ تھے اس کے۔ شیرازی کی موت پر اسے کوئی دُکھ نہیں ہوا۔ اگرچہ وہ اس کے منصوبے میں نہیں تھا۔ لیکن بہرحال وہ اس کی دشمنوں کی فہرست میں آگیا تھا۔ اور اپنے دشمنوں کو معاف کرنے کا وہ قائل نہیں تھا۔ لیکن سزا کے طور پر انہیں مروانا بھی اس کا شیوہ نہیں تھا۔ وہ ذہانت سے انہیں سزا دیتا تھا، ان کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر۔ اور کمزوری سے پاک تو کوئی بشر ہوتا ہی نہیں۔

اس کے دشمنوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ لیکن حق نگر کا عبدالحق اس کا دشمن نمبر ایک تھا۔

❀❀❀

نوریز اور آبیہ کی شادی کی بات عجیب انداز میں چلی، اور نورالحق اس کا روحِ رواں تھا۔

وہ رشیدہ اور آبیہ سے بہت محبت کرتا تھا، اور وہ محبت فطری تھی۔ وہ اس کی پیدائش سے ہی اس کے ساتھ تھیں۔ یہ اسے امی اور دادی نے بتایا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اس نے انہیں اپنی ہر ضرورت کا خیال رکھتے دیکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہیں۔

کبھی ہفتہ دس دن کو وہ اپنے گاؤں جاتیں تو اسے گھر میں ان کی کمی محسوس ہونے لگتی۔

اس روز اس نے رشیدہ سے بات کی تو چھوٹا ہونے کے باوجود اس کی سمجھ میں آگیا کہ اس کی محبت میں وہ دونوں کتنی بڑی قربانی دے رہی ہیں۔ رشیدہ اپنے بچوں کو چھوڑ کر یہاں بیٹھی تھی۔ انہیں یاد کر کے وہ رونے لگی تھی۔

جب رشیدہ نے یہ کہا کہ آبی کی شادی ہو جائے گی تو وہ دُور چلی جائے گی، اور اسے یاد کر کے رویا کرے گی، تو وہ فکر مند ہوگیا۔ ایسا ہوگیا تو وہ بھی تو اسے یاد کیا کرے گا، اور کیا پتا، اسے یاد کر کے رونا بھی آئے اسے......؟

"تو کوئی ایسی ترکیب ہو کہ آبی کی شادی بھی ہو جائے اور وہ دُور بھی نہ جائے۔"

اچانک اسے ماموں کا خیال آگیا۔ امی کہتی تھیں کہ نوریز میرے لئے سگے بھائی سے بڑھ کر ہے۔ انہوں نے رشیدہ کے ساتھ مل کر ان کی زندگی اس وقت بچائی، جب ان کا اللہ کے سوا

کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ امی نے ہی اس سے کہا تھا کہ وہ نوریز کو ماموں کہا کرے۔
اس نے سوچا۔ آپی کی شادی ماموں سے ہو جائے تو وہ دُور نہیں جائیں گی۔ اس کے
پاس ہی رہیں گی۔
اس نے یہ بات امّا سے کہی تو ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس وقت اسے ساجد بھائی
نے بلا لیا۔ وہ اور بات نہ کر سکا۔
چند روز بعد اس نے نوریز سے اچانک کہا۔
''آپ کو آپی کیسی لگتی ہیں ماموں......؟''
نوریز بری طرح گڑبڑا گیا۔
''آپ آبیہ کی بات کر رہے ہیں چھوٹے صاحب......؟''
''جی......!''
اب نوریز اسے کیا بتاتا کہ آبیہ اسے بہت اچھی لگتی ہے۔
''میں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا چھوٹے صاحب......!''
اس نے بے نیازی سے کہا۔ نورالحق کو مایوسی ہوئی۔ اب کیا کرے......؟
''مجھے تو وہ بہت اچھی لگتی ہے۔''
''پر آپ نے مجھ سے کیوں پوچھی یہ بات......؟''
''میں چاہتا ہوں کہ آپ کی اور آپی کی شادی ہو جائے......!''
نورالحق نے معصومیت سے کہا۔ نوریز کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
''کیوں چھوٹے صاحب......؟''
''اس طرح وہ کہیں دُور نہیں جائیں گی۔ ہمارے پاس ہی رہیں گی۔''
نوریز پچھلے دو سال سے اس بارے میں سوچتا تھا۔ لیکن ہمت نہیں ہوتی تھی کچھ کہنے
کی۔ اور یہ بھی سوچتا تھا کہ بات کس سے کرے......؟
''یہ بات تو ہے چھوٹے صاحب......!''
''تو پھر کر لیں ناں آپی سے شادی......؟''
''آپ کی خاطر کر بھی لوں، پر میں خود سے یہ بات کیوں کہوں......؟ اور کس
کہوں......؟''
نورالحق چند لمحوں کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔



''میں نے امّا سے بھی کہی تھی یہ بات......!''
اب تو نوریز خوش ہو گیا۔ اس کی دلچسپی اور بڑھ گئی۔
''انہوں نے کیا کہا......؟''
''کچھ بھی نہیں......! بس وہ خوش لگ رہی تھیں اس بات سے۔''
نوریز کی خوشی اور بڑھ گئی۔
''وہی کر سکتی ہیں یہ بات......! آپ انہی سے بات کریں چھوٹے صاحب......! میں
تو آپ کی خاطر کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''
نورالحق نے دوبارہ رشیدہ سے یہ بات کی۔ وہ تو پچھلی بار والی بات سے ہی اس
پر سوچ رہی تھی، اور خوش تھی۔ نوریز بہت اچھا تھا، اور آبیہ کے ساتھ اس کا جوڑ بھی اچھا بنتا تھا۔ لیکن
وہ بیٹی کی ماں ہو کر خود سے تو بات نہیں کر سکتی تھی۔
''آپ اپنی امی سے بات کریں، میرے راج کمار......!''
اس نے بڑے دلار سے کہا۔
''وہ چاہیں گی تو یہ کام ہو جائے گا۔''
اب یہ تو نورالحق کے لئے بہت ہی آسان تھا۔ اس نے اسی روز اسکول کا کام مکمل
کرنے کے بعد ارجمند سے کہا۔
''امی......! آپ آپی اور ماموں کی شادی کرا دیجئے......!''
بات اتنی اچانک اور خلافِ توقع تھی کہ پہلے تو ارجمند کی سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا۔
''کون آپی......؟ کون ماموں......؟''
اس نے بوکھلا کر کہا۔ لیکن کہتے کہتے اس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے......؟
''یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں نورالحق......؟ آپ کو ایسی بات نہیں کرنی
چاہئے......!''
اس نے سخت لہجے میں کہا۔
''کیوں امی......؟''
''اس لئے کہ آپ بچے ہیں، اور یہ باتیں بڑوں کے کرنے کی ہیں۔''
''اسی لئے تو آپ سے کہہ رہا ہوں، امی......! آپ تو بڑی ہیں ناں......!''
بچے کی منطق بڑی سادی تھی۔ مگر ارجمند کی تشویش یہ تھی کہ یہ بات اس کے دماغ

میں کیسے آئی......؟ خود سے تو وہ یہ بات نہیں کر سکتا۔ کسی نے اس سے کہی ہوگی۔

''مگر کس نے......؟''

یہ الگ بات کہ بات اس کے دل کو لگی۔ لیکن اس معاملے میں اس کا کچھ اختیار نہیں تھا۔

''تم سے کس نے کہی یہ بات......؟''

اس نے لہجہ نرم کر لیا۔

''کسی نے نہیں کہی......! یہ میں نے خود سوچی ہے۔''

ارجمند چکرا گئی۔ نورالحق جھوٹ تو نہیں بولتا تھا۔

''تو کیا اب جھوٹ بولنا شروع کر رہا ہے وہ......؟''

ارجمند نے حیرت سے سوچا۔

''اتنی بڑی بات کیسے سوچی تم نے......؟''

''انا کہہ رہی تھیں کہ آپی کی شادی ہوگی تو وہ دُور چلی جائیں گی۔''

نورالحق نے کہا۔

''یہ تو مجھے اچھا نہیں لگے گا امی......! پھر میں نے سوچا، ماموں سے ان کی شادی ہو جائے تو آپی تو کہیں نہیں جائیں گی۔ ہمارے پاس ہی رہیں گی۔''

ارجمند کو ہنسی آ گئی۔

''یہ تم نے کیسے سوچا کہ صرف تمہاری خوشی کے لئے کسی کی بھی شادی ہو سکتی ہے کسی سے......؟ اور بھئی......! میں کیسے کرا سکتی ہوں یہ شادی......؟ آپی کی امی تو تمہاری انا ہیں ناں......! تمہیں ان سے کہنا چاہئے تھا۔''

''میں نے ان سے ہی کہا تھا امی......! انہوں نے کہا، یہ کام آپ ہی کرا سکتی ہیں۔''

ارجمند کی سمجھ میں یہی آیا کہ اس میں رشیدہ کی مرضی ہے۔ لیکن لڑکی کی ماں ہو کر وہ خود تو بات نہیں کر سکتی۔

''اچھا......! اب تم ایسی کوئی بات کسی سے بھی نہ کرنا۔''

اس نے نورالحق کو سمجھایا۔

''اور سنو......! میں بھی اتنی بڑی نہیں ہوں کہ یہ کام کرا سکوں۔ بڑی تو تمہاری دادی ہیں۔ ان سے بات کروں گی میں۔''





''ٹھیک ہے امی......!''

اس رات پاؤں دباتے ہوئے ارجمند نے حمیدہ سے کہا۔

''آپ کا پوتا تو ابھی سے شادیوں کے فیصلے کرنے لگا ہے۔''

پھر اس نے اسے پوری بات بتائی۔

''بہت عقل مند ہے۔''

حمیدہ نے فخر سے کہا۔

''تیری اور عبدالحق کی عقل دُگنی ہو کر ملی ہے اسے......!''

''مجھے لگتا ہے دادی اماں......! کہ رشیدہ کی مرضی ہے اس میں۔ اب بتائیں......! کیا کرنا ہے......؟''

''تو نوریز سے بات کر لی......! میں رشیدہ سے پوچھتی ہوں۔''

اگلے روز سب واضح ہو گیا۔ رشیدہ نے کہا کہ اسے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن وہ لڑکی کی ماں ہے۔ اپنے منہ سے کیسے کہہ سکتی ہے......؟ اور نوریز نے کہا کہ وہ خود تو کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اماں اور ابا سے بات کرنا ہوگی۔ اور صاحب کو وہ انکار نہیں کر سکتے۔

اس سے ارجمند کو اندازہ ہو گیا کہ نوریز بھی اس میں خوش ہے۔

اس نے رات کو عبدالحق کو سب بتا دیا۔ اس کی توقع کے برعکس عبدالحق یہ سن کر بہت خوش ہوا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے......!''

اس نے کہا۔

''ان لوگوں کے بڑے احسان ہیں ہم پر......! یوں ہم بھی ان کے لئے کچھ کر سکیں گے۔''

''مگر کیسے کریں گے......؟''

''میں کل ہی شمریز سے بات کروں گا۔ پھر اس کے ابا سے جا کر ملوں گا۔''

''اور وہ نہ مانے تو......؟''

''اللہ مالک ہے......! ویسے مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ وہ انکار نہیں کریں گے۔''

ارجمند بچوں کی طرح ایکسائیٹڈ ہو گئی۔

''ایک بات کہوں آغا جی......! مانیں گے......؟''

"کہو......!"

"اگر بات بن جائے تو ان لوگوں کو ایبٹ آباد، اپنے گھر بلا لیں۔ برأت ہمارے گھر سے رشیدہ کے گھر جائے تو اچھا رہے گا۔"

"ہاں......! ہونا تو یہی چاہئے......!"

عبدالحق نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

"خیال بہت اچھا ہے......! مگر تمہیں کیسے آیا......؟"

"نورالحق نے ایبٹ آباد کبھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ اس کی پیدائش وہیں کی ہے۔"

عبدالحق کا مندمل زخم جیسے ہرا ہوگیا۔ اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے ارجمند کو دیکھا۔

"تمہیں بھی وہ گھر یاد تو آتا ہوگا......؟"

"جی......! قدرتی بات ہے۔"

ارجمند نے سادگی سے کہا۔ عبدالحق نے دل میں سوچا۔

"اتنے برسوں میں مجھے کبھی نوربانو کی قبر پر جانے کا خیال بھی نہیں آیا......؟"

اُداسی دھیرے دھیرے اس کے دل میں سرایت کرنے لگی۔ اتنے عرصے کے بعد اسے نوربانو کی یاد آئی تھی۔

"آدمی کیسا ہوتا ہے......؟ اپنی عزیز ترین چیز کو بھی کتنی آسانی سے بھول جاتا ہے......؟"

اس نے سوچا اور خود کو ملامت کرنے لگا۔ پھر اس نے اچانک جھرجھری لی۔

"یہ سوچ تو غلط ہے۔ یہ تو اللہ کا، اس کی رحمت پر مبنی نظام ہے۔ دُنیا میں جو نعمت اللہ نے عطا فرمائی، وہ تو اس کی امانت ہے۔ جب چاہے، واپس لے لے۔ جتنے عرصے وہ نعمت اس نے بندے کو عطا فرمائی، وہ اس کی کریمی۔ پھر یہ بھی اس کی رحمت کہ وہ محرومی کا احساس دُور کر کے، زخم کو مندمل کر دیتا ہے۔ ورنہ لوگ اپنے محبوب لوگوں کی جدائی میں زندگی اور موت کو برابر کر بیٹھتے، مرجاتے۔"

اس نے سوچا۔

"اللہ کے سوا کائنات کی ہر چیز فانی ہے۔ دُنیا سمیت ہر شخص اور ہر چیز کے لئے اس نے ایک مہلت مقرر کی ہے۔ ہر ایک کو اپنے مقررہ وقت پر فنا کے گھاٹ اُترنا ہے۔ جب خود اپنا بھروسہ نہیں، تو انسان کیوں ہر محرومی پر غم کرتا ہے......؟ وہ کیوں نہیں دیکھتا کہ کسی کے آنے جانے سے



دُنیا میں کوئی فرق نہیں پڑتا......؟ دُنیا کا کام نظام اور زندگی جاری و ساری رہتی ہے۔ یہاں کی محبتیں بھی عارضی ہیں، اور ایک دن تو سب کچھ ختم ہو جانا ہے، اور سب کے اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

اور وہ دن بہت سخت ہوگا۔ جو چھوٹے چھوٹے کام ہم یہاں بے سوچ سمجھے کرتے ہیں، انہیں غیر اہم سمجھتے ہیں، جواب دہی کے موقع پر پتا چلے گا ان کی اہمیت کا۔ بڑے بڑے اعمال کی تو بات ہی کیا، چھوٹے اعمال اعمال، جنہیں غیر اہم سمجھ کرتے رہے، جمع ہو کر بہت بڑا بوجھ بن جائیں گے، جو اُٹھایا نہیں جائے گا اور اللہ نے رحمت نہ فرمائی تو ٹھکانہ صرف جہنم ہوگا۔

آدمی چھوٹے چھوٹے اور لازمی غم سے تو ہلکان ہو جاتا ہے۔ لیکن اس بہت بڑے غم کو بھول جاتا ہے، جو ایک مقررہ دن ہر ایک کو لاحق ہونا ہے اور اس وقت کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اس دن تمام محبتیں دُنیا کی فنا ہو جائیں گی۔ ہر کسی کو اپنی پڑی ہوگی۔ اس دن آدمی جہنم سے نجات پانے کے لئے اپنی ہر محبوب چیز اور ہستی کو اپنے اعمال کے بدلے رہن رکھنے کے لئے تیار ہوگا۔ لیکن وہاں کچھ نہیں ہوگا، اپنے اعمال کے سوا۔

دُنیا میں جو کچھ اس کے تصرف میں تھا، وہاں نہیں ہوگا۔ نہ مال، نہ محلات، نہ جائیداد، نہ رشتے ناطے اور نہ محبتیں۔ بس اس دن اللہ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں ہوگا، جسے اس نے دُنیا کی غیر اہم اور فانی محبتوں کی خاطر بھلائے رکھا تھا۔ غم اور افسوس تو اس دن ہوگا آدمی کو۔ مگر آدمی اس کی فکر کرنے کے بجائے دُنیا کی چھوٹی چھوٹی محرومیوں میں اُلجھا رہتا ہے۔"

اسی لمحے ایک خیال نے عبدالحق کو شرمندہ کر دیا۔ وہ شرم سے پانی پانی ہوگیا۔

اس پر تو اللہ کی بڑی رحمت تھی۔ اسے تو اللہ نے قرآن کی رغبت اور محبت عطا فرمائی تھی اور جس حد تک بھی سہی، فہم بھی عطا فرمائی تھی۔ اس کو اپنی ذات کا، اپنے احکام کا، اور زندگی، دُنیا اور آخرت کا شعور اور آگہی عطا فرمائی تھی۔ اسے اپنی نشانیوں کو دیکھنے اور سمجھنے کی نعمت عطا فرمائی تھی۔ اللہ نے فضل فرمایا تھا کہ اس پر دُنیا، اس کی رونق، اس کی نعمتوں اور محبتوں کی حقیقت روشن فرما دی تھی کہ وہ فانی اور محض آزمائش کے لئے ہیں، یہ دیکھنے کے لئے کہ کون ان میں اُلجھنے اور کھو جانے کے بجائے اپنے ربّ کے سامنے پیشی کے دن کو یاد رکھتا ہے......؟ اور اس کی فکر کرتے ہوئے، اس سے ڈرتے ہوئے اللہ کو خوش کرنے والے نیک اعمال کرتا ہے......؟ جس کے بدلے میں اللہ کے پاس اس کے لئے اس دُنیا کی نعمتوں سے کروڑوں اربوں درجے بہتر اور غیر فانی اور دائمی نعمتیں ہیں۔

مگر وہ اللہ کی عطا کی ہوئی ہدایت اور روشنی کے باوجود دُنیا کے معمولی سے نقصان
تڑپ جاتا ہے، اور اسے آخرت کا بڑا نقصان یاد نہیں رہتا۔ وہ دُنیا میں معمولی سی تکلیف پر بے خی
ہو جاتا ہے، اور اسے خیال نہیں آتا کہ جہنم کا عذاب کیسا ہوگا......؟ یہاں ایک پھانس چبھ جا
اس کی تکلیف پر تڑپنے والے کو خیال نہیں آتا کہ جہنم کا عذاب اس سے کتنا زیادہ ہے......؟ جبکہ ا
سے چھٹکارا بھی نہیں، اور وہ دائمی ہوگا۔

اسے ایک آیت مبارکہ یاد آئی۔ جو اللہ نے گرمی کا عذر پیش کر کے جہاد میں شریک
ہونے والوں کے بارے میں نازل فرمائی۔ جس میں اللہ نے فرمایا کہ جہنم کی گرمی اس دُنیا کی گ
سے کہیں بڑھ کر ہے۔

وہ خوف اور شرم سے نڈھال ہوگیا۔

''یہ کیسا ایمان ہے کہ قیامت پر ایمان رکھنے کے باوجود مجھے قیامت یاد نہ
رہتی......؟''

اس نے شرمندگی سے سوچا۔

''نہ چھوٹی اور انفرادی قیامت اور نہ بڑی اور اجتماعی قیامت۔ چھوٹی اور انفرا
قیامت...... یعنی موت۔ جو چیز ہر لمحہ یاد رکھنی چاہئے، اور جس کی فکر کرنی چاہئے، وہ مجھے مہینو
میں، بلکہ برسوں میں بھی یاد نہیں آتی۔ وہ مجھے اتنی دُور، اتنی بعید کیوں لگتی ہے......؟ حالانکہ اللہ
قیامت کی طرح ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں آگاہ نہی
کیا۔ یہ بھی اس کی رحمت ہے، تاکہ اپنی مہلت کی مدت سے بے خبر انسان اس سے ڈرتا رہے، ا
کی فکر کرتا رہے اور اس کے لئے نجات کا سامان اکٹھا کرتا رہے۔ لیکن اس پر ایمان رکھنے ک
باوجود میں اس کی طرف سے غافل رہتا ہوں۔ کیا یہ ایمان ہے......؟''

اس پر اسے سورۂ حجرات کی ایک آیت یاد آئی۔ اللہ نے فرمایا۔

''کہتے ہیں یہ بدوی لوگ کہ ایمان لے آئے ہم۔ ان
سے کہیے، نہیں ایمان لائے تم، بلکہ یوں کہو کہ مسلمان ہوگئے ہیں ہم۔
اور ہرگز داخل نہیں ہوا ہے ایمان تمہارے دلوں میں۔''

عبدالحق اندر سے لرز کر رہ گیا۔

''ہم کتنا آسان سمجھتے ہیں مومن ہونا کہ بس زبان سے اقرار کیا اور اہل ایما
ہوگئے......؟ جبکہ اللہ بتا رہا ہے کہ مومن اور مسلمان میں کتنا فرق ہے۔ ایمان کے لئے تو زبان



گزر کر دل میں داخل ہونے کی شرط ہے۔''

اور آگے اللہ نے اسی سورۂ کی پندرہویں آیت میں مومن کی تعریف بیان فرمائی کہ

''حقیقت میں مومن تو وہ لوگ ہیں، جو ایمان لائے
اللہ پر اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، پھر کوئی شک نہ کیا
انہوں نے، اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور جانوں سے اللہ کی راہ
میں۔ یہی لوگ ہیں سچے۔''

اور اسی سورۂ کی ۱۷ویں آیت میں اللہ نے اپنے اسلام قبول کرنے پر اترانے والوں
کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

''احسان جتاتے ہیں یہ لوگ تم پر کہ انہوں نے اسلام
قبول کر لیا۔ کہیے، نہ احسان جتاؤ تم مجھ پر اپنے اسلام کا۔ بلکہ اللہ
احسان رکھتا ہے تم پر کہ اس نے ہدایت دی تمہیں ایمان کی، اگر ہو تم
اپنے وعدے میں سچے۔''

اس آیت کا آخری حصہ......

''اگر ہو تم اپنے وعدے میں سچے......!''

یہ بتاتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ اس بارے میں اللہ کے
سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اس لئے بھی ایمان تو اللہ ہی عطا فرماتا ہے ہدایت کے ذریعے، اور بندہ
اسے مجھ ہی نہیں سکتا کہ دعویٰ کر سکے۔ ہاں اسے عمل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش ضرور کر سکتا ہے،
اور وہ کرتے رہنا چاہئے۔ اور اگر وہ دعویٰ کرے اور بالغرض سچا بھی ہو تو بھی اسے دعویٰ کرنے کا
حق نہیں۔ اسے تو اعلان کرنے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ یہ اس پر اللہ کا احسانِ عظیم
ہے۔ جبکہ دعویٰ تو خود پر اترانے کی دلیل ہے۔ آدمی کے پاس ایسا تو کچھ بھی نہیں، جو اچھا ہو اور
اس کا اپنا ہو۔ وہ سب تو اللہ کی عطا سے ہے۔ آدمی کے پاس اپنا تو صرف وہی کچھ ہے، جس پر وہ
شرمسار ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

''اللہ اکبر......!''

اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ آخرت تقاضہ کرتی ہے کہ آدمی لمحہ بہ لمحہ اپنا احتساب
کرے۔ اور زندگی کبھی پریشانیوں میں اور کبھی اپنی نیرنگیوں اور جلوؤں میں اُلجھا کر اسے اتنی مہلت
ہی نہیں دیتی۔ سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ کچھ کھونے کا خوف، کچھ پانے کی خوشی، کوئی عارضی

خوشی، جو بہت جلد پھیکی پڑ جاتی ہے، حاصل کرنے کی جدوجہد، کچھ کھو دینے کا صدمہ اور غم۔ وقت اسی دُھوپ چھاؤں میں گزرتا ہے۔ یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ آخرت کے لئے کچھ اچھا بھی کیا یا نہیں......؟ یا برے اعمال کا انبار لگاتے رہے......؟ بے شک انسان بڑے خسارے میں ہے۔

اس پر اسے سورۂ عصر کا خیال آ گیا۔ اللہ فرماتا ہے۔

"زمانے کی قسم! انسان بہت بڑے خسارے میں ہے۔"

اسے یاد تھا، برسوں پہلے سورۂ عصر پڑھتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ اللہ کیسا قدرت والا ہے۔ اس نے اپنے بندوں کے لئے پورے قرآن پاک کو صرف تین مختصر سی آیات میں بیان کر دیا ہے۔ بلاغت کی انتہاء ہے۔ لیکن یہ انسان کی بلاغت نہیں۔ انسان بلاغت سے کام لیتا ہے تو اس کی بات میں ابہام پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کی بلاغت میں ہر بات صاف، صریح اور واضح ہے۔ کیسی رحمت ہے اللہ کی۔ آدمی صرف سورۂ عصر پڑھ لے اور اس پر عمل کر لے تو بیڑہ پار۔ خسارہ ختم۔ لیکن بلاغت کا حسن تو یہی ہوتا ہے۔

آج اسے آیت کے مفہوم کے پیچھے چھپے نکتے جلوہ دکھا رہے تھے۔ احساس ہو رہا تھا کہ نکتے کے پیچھے نکتہ، اور اس کے پیچھے...... اور اس کے آگے...... جیسے خوب صورتی سے تہیں کھلتی جا رہی ہوں۔ اور ہر تہہ آخری لگتی ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد ایک اور تہہ۔ اور اللہ قیامت تک کی مہلت دے تو بھی آدمی کھوج نہ پائے۔ ہر واضح ہوتے نکتے کی اوٹ سے دوسرا نکتہ دکھائی دے۔ ہر کھلنے والی تہہ کے پیچھے ایک اور حیران کر دینے والی پرت جلوہ دکھائے۔

وہ بے تاب ہو گیا۔ آج تو سورۂ عصر کی کائنات کی سیر کی۔

"کہاں کھو گئے آپ......؟"

ارجمند نے اسے چونکا دیا۔

"ویسے ہی......! کچھ خیال آ گیا تھا۔"

اس نے دھیرے سے کہا۔ پھر بولا۔

"تم فکر نہ کرو......! اللہ کو منظور ہوا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

عبدالحق نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتی تھی کہ اسے اسُ سے بھی زیادہ جلدی ہے۔ وہ تو حق نگر جانے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ یہ معاملہ ایک رکاوٹ تھا، جو اتنی رکاوٹیں دُور ہونے کے بعد عین وقت پر اچانک اس کی راہ میں آ گیا



۔ اگر یہ معاملہ اس کے نزدیک اہم نہ ہوتا تو وہ اسے نظر انداز کر کے حق نگر چلا جاتا۔

لیکن اس وقت تو اسے سورۂ عصر کے سوا کچھ یاد نہیں تھا۔

❀❀❀

وہ وضو کر کے اپنی اسٹڈی میں چلا آیا۔ دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد وہ قرآن پاک [illegible]کر میز پر آ بیٹھا۔

برسوں...... بہت برس پہلے سورۂ نور کی تلاوت کرتے ہوئے وہ آیتِ نور پر ٹھٹک گیا

"اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"

اس نے سوچا۔

"کیسی خوب صورت، کیسی حسین ہے یہ آیت مبارکہ۔ دل میں اللہ کے لئے محبت پیدا [illegible]رنے والی۔"

"ہدایت دیتا ہے اللہ اپنے نور سے جسے چاہے۔"

آیت کا یہ حصہ پڑھتے ہوئے اس کے دل میں ایک خیال آیا کہ آدمی اسی آیت [illegible]رکہ کے حوالے سے اللہ سے اپنے لئے نورِ ہدایت مانگے۔ خاص طور پر قرآن پڑھتے ہوئے۔ [illegible]ھنے کے لئے پڑھتے ہوئے۔ یہ ایسا ہی ہے، جیسے آپ کسی بے حد دقیق موضوع پر لکھی ہوئی کتاب خود صاحبِ کتاب سے پڑھ رہے ہوں۔ اس سے بہتر کون بتا سکے گا اس کتاب کے بارے [illegible]......؟ مگر کتاب اللہ کے سوا ایسا ہوتا کب ہے کہ صاحبِ کتاب آپ کو روبرو مل جائے......؟ وہ تو [illegible]اللہ ہے، جو ہر جگہ موجود ہے، ہماری شہ رگ سے بھی نزدیک۔

بس اس لمحے سے اس نے یہ معمول بنا لیا۔ قرآن پڑھنے سے پہلے وہ آیتِ نور [illegible]تا۔

اس نے آیت نور پڑھ کر اللہ سے دُعا کی۔

"اے اللہ......! مجھے اپنے نورِ ہدایت سے نوازیئے......! مجھے شیطان کے شر، فتنے اور [illegible]کی چال بازیوں سے بچاتے ہوئے میرے سینے کو قرآن پاک، اس کے مفہوم اور اس کے علوم [illegible]لئے کھول دیجئے......! اور مجھے اس پر عمل کرنا نصیب فرمایئے......!"

پھر اس نے قرآن پاک کھول کر بے حد خشوع و خضوع اور خوش الحانی سے سورۂ عصر

کی قرأت کی۔

قرآن پڑھنے والوں میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوگا، جسے یہ چھوٹی سی سورۃ زبانی
ہو۔ اور وہ تو اس کے مفہوم سے بھی آگاہ تھا۔ اس لحاظ سے قرآن کھول کر یہ سورۃ پڑھنے کی
کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن عبدالحق نے بہت پہلے یہ بات سمجھ لی تھی۔ دہلی میں اس کے ایک
نے اس سے کہا تھا۔

''جو کتاب کی عزت نہیں کرتا، کتاب کا علم اس پر کبھی مہربان نہیں ہوتا۔ وہ
کتاب یاد کر لے، تب بھی بے علم ہی رہتا ہے۔ اس کی مثال اس غوطہ خور کی سی ہوتی ہے، جو
میں غوطہ لگا کر اُبھرے، تب بھی اس کا جسم خشک ہو۔''

اور عبدالحق نے اُستاد کی یہ بات گرہ میں باندھ لی تھی۔ وہ ہر چیز سے بڑھ کر کتاب
عزت کرتا تھا۔ اور یہ تو اُمّ الکتاب تھی۔ اللہ کا کلام۔ اس سے بڑھ کر بھلا کس کا احترام
ہے......؟

وہ کوئی ایسی سورۃ پڑھنے بیٹھتا، جو اسے حفظ ہوتی، تب بھی وہ پہلے وضو کرتا، قر
پاک سامنے رکھتا تاکہ کہیں پڑھتے ہوئے اشتباہ ہو تو قرآن کھول کر دیکھ لے۔ اس سے ایک
یہ بھی تھا کہ وضو کا اجر بھی مل جاتا تھا، اور پاکی بھی، جو اللہ کو پسند ہے۔

سورۃ عصر کی تلاوت کر کے اس نے قرآن پاک بند کر کے سامنے رکھ لیا۔ پھر
نے کاغذ سامنے رکھا اور قلم کھول لیا۔ وہ اس سورۃ کو حتی الوسیع اور حسب توفیق سمجھنے کی کوشش کرتا
تھا۔

اس نے پہلی آیت ذہن میں دُہرائی اور کاغذ پر لکھ لیا۔

''اللہ کی قسمیں......؟''

''وقت اور زمانہ......!''

پھر اس نے دوسری آیت کی تلاوت کی اور کاغذ پر لکھا۔

''خسارہ......!''

تیسری آیت ذہن میں آتے ہی اس نے لکھا۔

''استثنا......!''

پھر اس نے قوسین میں ترتیب سے لکھا۔

''ایمان، صالح اعمال، حق کی تلقین اور صبر کی وصیت......!''



اس نے آنکھیں بند کیں اور ذہن کو خالی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اللہ سے
راہنمائی کے لئے دُعا کی۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور کاغذ پر نظریں جما دیں۔

''وَالْعَصْرِ......!''

''وقت کی، زمانے کی قسم......!''

''اللہ کی قسمیں......!''

اللہ نے قرآن میں جس چیز کی بھی قسم کھائی، اس کی عزت، مرتبہ اور اہمیت مسلم۔ اس
سے بڑی سند تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ ایسی چیزیں یا تو انسانوں کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہیں یا باعثِ
عبرت۔

''شَمْس......!''

''سورج......!''

سورج کتنی عظیم نعمت ہے۔ روشنی فراہم کرتا ہے اور زندگی کی حرارت۔ اس کے بغیر
زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ پانی، جو زندگی کے لئے بے حد ضروری ہے، اس کی ترسیل کے قدرتی
نظام کا بھی یہ حصہ ہے۔ پھر دوسرے زاویے سے دیکھیں تو اس کے ذریعے اللہ نے وقت کو تقسیم کر
کے انسانوں کی زندگی کو ایک نظم فراہم کیا۔ دن اور رات کی تقسیم اسی کے ذریعے ہوئی۔ وقت کی
یکسانیت اسی کے ذریعے تنوع میں تبدیل ہوئی۔ دن زندگی کے لوازمات، معیشت اور کاموں کے
لئے۔ رات آرام کے لئے اور پردہ پوش۔ کتنی بڑی آسانی ملی انسانوں کو۔ دن میں کام کے لئے
ضروری روشنی، اور رات کو آرام کے لئے اندھیرا۔ اس سے زندگی کو تنظیم و ترتیب ملی۔ یہ تنظیم و
ترتیب نہ ہوتی تو آدمی وقت کی یکسانیت ایک ہفتہ بھی برداشت نہ کرتا اور موت کی آرزو کرنے لگتا۔
کیونکہ اس کے پاس عمل کے لئے تنوع نہ ہوتا۔

پھر اللہ نے سورج کے لئے دو مشرق اور دو مغرب بنائے۔ سورج اپنے ایک مشرق کی
انتہاء سے دوسرے مشرق کی طرف بڑھتا ہے تو دن اور رات چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ سردی میں
جسموں کی توانائی کم ہوتی ہے۔ آدمی کو آرام کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے تو ربّ کریم نے سردی کی
راتوں کو اس کے لئے بڑا بنایا اور زیادہ مشقت سے بچانے کے لئے دن کو چھوٹا کر دیا۔ تاکہ اس
کے جسم پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے۔ اور طویل رات کے آرام سے اس کی توانائی
بحال ہو جائے۔

ہر دن پچھلے دن سے یا تو چھوٹا ہوتا ہے یا بڑا۔

"تنوع در تنوع......!"

اور سورج کے ایک مشرق سے دوسرے مشرق تک سفر کے نتیجے میں موسم جنم لیتے ہیں۔ سردی، گرمی، بہار، خزاں۔ ایک اور نعمت......! ایک ہی موسم رہے تو آدمی اُکتا جائے، بے زار ہو جائے۔ اور اللہ نے موسموں کی مناسبت سے انسان کو پھلوں کی نعمت عطا فرمائیں، جو موسموں کی وجہ سے اس کے جسم کی بدلتی ضرورتوں کو، اور جسم میں رونما ہونے والی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ سردی میں خشک میواجات اور گرمی میں پانی کی کمی کو دُور کرنے والے رسیلے پھل۔ اور یہی نہیں، سرد علاقوں اور گرم علاقوں کے پھل ان کی اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق۔

اور پھر موسموں کی تبدیلی میں انسانوں کے لئے ایک بے بہا باطن مسرت، کیونکہ کوئی انسان کتنا ہی یکسانیت پسند ہو، بالآخر تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے، اور یکسانیت اسے بے زار کر دیتی ہے۔

"تنوع در تنوع......!"

وہ سوچتا، سمجھتا اور لکھتا رہا۔

اللہ کی ہر نعمت میں ہزاروں، لاکھوں نعمتیں چھپی ہوتی ہیں۔

موسموں کے فوائد......!

انسانوں کی زندگی کو بے سمتی سے بچانے اور اسے مقصدیت اور نصب العین عطا کرنے کے لئے ربّ کریم نے پانی کی طرح روزِ قیامت کی ڈھلان کی طرف بہنے والی اپنی بہت بڑی نشانی وقت کو سورج کے ذریعے تقسیم کیا تو دن اور رات بنے۔ پھر سورج کے مقامِ طلوع و غروب کی تبدیلی کے نتیجے میں موسم وجود میں آئے۔ ایک طرف اس سے اللہ نے انسانوں کو یکسانیت سے بچا کر تغیر و تبدل کی نعمت سے نوازا اور اُکتاہٹ سے بچایا تو دوسری طرف انہیں احساس دلایا کہ وقت بہت قیمتی چیز ہے، جسے ضائع کرنا ٹھیک نہیں۔ شاید اس لئے کہ انسان فطری طور پر زیاں کار ہے۔ اس کا ثبوت ہر خطۂ ارض سے بلا تخصیص بولا جانے والا یہ جملہ ہے۔

"کاش! میں نے اس وقت یہ کام کر لیا ہوتا......؟"

شاید دُنیا کا ہر شخص کسی نہ کسی موقع پر یہ جملہ بولتا ہے۔

پھر وقت کو اللہ نے ہمہ گیری عطا فرمائی۔ یہ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ اور اجتماعی حیثیت میں بھی اس کی ہمہ گیری قائم ہے۔ اب ایک گروہ کے لئے بھی ہے، ایک شہر کے لئے بھی ہے، ایک قوم کے لئے بھی ہے اور پوری انسانیت کے لئے بھی ہے۔





دن اور رات کی تقسیم تو سب کے لئے ہے۔ پھر اللہ نے اسے مزید تقسیم فرمایا تو یہ زمانہ بن گیا، جسے ہم عہد اور دور بھی کہتے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی یہ بھی ہے۔ ایک فرد، ایک گروہ، ایک قوم اور تمام انسان وقت کے جس حصے میں زمین پر جی رہے ہیں، وہ ایک دور ہے، زمانہ ہے۔ جو گزر گیا، وہ اور زمانہ تھا اور آنے والا زمانہ اور ہے۔ جاری وقت میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ لیکن لوگ اسے اپنے اپنے نکتہ نظر کے مطابق سمجھتے اور بیان کرتے ہیں۔ کبھی اسے شخصی حوالوں سے بیان کیا جاتا ہے، کبھی اہم واقعات کے حوالے سے اور کبھی اہم تبدیلیوں کے حوالے سے۔ تبھی تو اس طرح کے جملے ہر وقت بولے جاتے ہیں۔ وہ زمانہ جاہلیت تھا۔ وہ پتھر کا دور تھا۔ زمین پر سب سے اچھا زمانہ وہ تھا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اس زمانے میں محبت اور خلوص تو اُٹھ ہی گیا ہے۔ یہ بڑا نفسا نفسی کا دور ہے۔

عبدالحق کو سوچتے سوچتے اچانک احساس ہوا کہ وہ دوسری سمت میں آگے بڑھ گیا ہے۔ وہ تو اپنی ترتیب کے مطابق موسموں کے فوائد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہی تو اللہ کے کلام کی وسعت ہے کہ بندہ اسے سمجھنے کی کوشش میں بے بس اور عاجز ہوتا ہے۔ بلکہ بندہ تو اسے سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اللہ ہی سمجھا دیتا ہے۔

اس نے قلم روکا، اللہ کو راہنمائی کے لئے پکارا۔ اور سوچنے لگا۔

مگر کچھ دیر تک اس کا ذہن خالی رہا۔ پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔

"موسم وقت کی تبدیلی کے مظہر ہیں......!"

"کیا یہ اُلجھی ہوئی ڈور کا ایک سرا ہے، جو اللہ نے میری طرف بڑھایا ہے......؟"

اس نے سوچا۔

"یقیناً......!"

دل نے جواب دیا۔

"کیونکہ تم نے قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرنے سے پہلے اللہ سے شیطان کے شر اور فساد سے اپنے لئے پناہ اور امان مانگی تھی۔ یہ یقیناً اللہ کی طرف سے راہنمائی ہے۔"

اس نے خیال کی ڈور کے اس سرے کو تھام لیا۔

"میرے ربّ......! مجھے آگے بڑھایئے......!"

اس نے بڑی عاجزی سے اللہ کو پکارا۔

"میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہے۔ مجھے اپنے نورِ ہدایت سے نوازیئے......!"

اور اس کا ذہن روشن ہوگیا۔ مگر وہاں خیالوں کی شکل میں اتنا کچھ تھا کہ نگاہ چوندھیا رہی تھی اور ذہن اُلجھ رہا تھا۔ وہ تمام متعلقہ خیالات تھے۔ اسے چھان پھٹک کے ذریعے انہیں ترتیب سے رکھنا اور پھر انہیں سمجھنا تھا۔ بے بسی کے احساس نے اسے نڈھال کر دیا۔

''موسم وقت کی تبدیلی کے مظہر ہیں......!''

یعنی وقت رُکتا نہیں۔ لیکن وہ تبدیلی سے عبارت ہے۔ اب یہ آدمی کی فطرت ہے کہ اچھی تبدیلی کو وہ قبول کر لیتا ہے اور اسے محسوس نہیں کرتا، اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن ناخوش گوار تبدیلی اسے پریشان کر دیتی ہے، اور وہ گلہ شکوہ کرنے لگتا ہے۔

تبدیلیاں تو ہر لمحہ رونما ہوتی رہتی ہیں۔ انفرادی طور پر افراد اور اجتماعی طور پر قومیں ان سے دوچار ہوتی ہیں۔ جو ان تبدیلیوں سے متاثر ہوتے ہیں، وہی اسے سمجھتے ہیں۔ دوسرے ان سے بے خبر رہتے ہیں، حتیٰ کہ وہ ان پر بھی اثر انداز ہونے لگیں۔

''اور وہ تبدیلیاں کیا ہیں......؟''

''شاید ان کا شمار بھی ممکن نہیں......!''

عروج اور زوال، عزت اور ذِلت، سکون اور پریشانی، صحت اور بیماری، فتح اور شکست، خوش حالی اور تنگ دستی، فائدہ اور نقصان، خوشی اور غم۔

''وقت ایک سا نہیں رہتا......!''

اس تغیر وتبدل کے بارے میں قرآن حکیم میں بہت سی آیات ہیں۔ سورۂ حٰم سجدہ کی اُنچاسویں آیت میں اللہ فرماتا ہے۔

''انسان بھلائی کی دُعا مانگتے نہیں تھکتا۔ لیکن کوئی مصیبت، کوئی پریشانی اسے چھو بھی لے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ دل شکستہ ہو جاتا ہے۔''

اور اسی سورۂ کی اکیاونویں آیت میں اللہ فرماتا ہے۔

''اور جب نعمت دیتے ہیں ہم انسان کو تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اکڑ جاتا ہے۔ اور جب پہنچتی ہے اسے کوئی تکلیف تو لمبی چوڑی دُعائیں مانگنے لگتا ہے۔''

اور سورۂ زمر کی آٹھویں آیت میں اللہ کا فرمان ہے۔

''اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف، کوئی مصیبت



تو پکارتا ہے اپنے ربّ کو، رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف۔ پھر جب وہ نوازتا ہے اس کو کسی نعمت سے، جو اس کی طرف سے ہوتی ہے تو یہ بھول جاتا ہے اس مصیبت کو، دُعا کر رہا تھا، جس سے نجات کے لئے پہلے، اور ٹھہرانے لگتا ہے اللہ کا ہم سر دوسروں کو، تاکہ بھٹکا دیں وہ اس کو اللہ کی راہ سے۔ ان سے کہئے، مزے لوٹ لو اپنے کفر سے تھوڑے دن۔ یقیناً تم جہنمی ہو۔''

اور سورۂ زمر ہی کی اکیاونویں آیت میں اللہ نے یوں فرمایا ہے۔

''پھر جب چھو بھی جاتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے۔ اور جب ہم بخشتے ہیں اسے کوئی نعمت اپنی طرف سے تو وہ کہتا ہے کہ دراصل دی گئی ہے یہ مجھے میرے علم کی بناء پر۔''

پھر آگے اللہ ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے فرماتا ہے۔

''نہیں، بلکہ یہ آزمائش ہے۔ لیکن بہت سے لوگ نہیں سمجھتے۔''

عبدالحق نے سوچا۔

''یہ سب انسانوں کے عمومی روّیے ہیں اللہ کے اور اس کی قدرت اور کرم کے بارے ۔ لیکن اس وقت ان پر غور کرنے سے ترتیب میں فرق پڑ جائے گا۔ اس پر بعد میں سوچنا ہوگا۔''

اس کے لئے اس نے اللہ سے دُعا کرتے ہوئے ذہن میں الارام لگا دیا۔

مگر اسی لمحے اللہ نے اس کی راہنمائی فرمائی۔ کچھ اور آیات اس کے ذہن میں ں۔ اس نے سوچا۔

''بے شک......! ان آیات پر غور کئے بغیر تو تصویر واضح ہو ہی نہیں سکتی۔''

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر دو سو چودہ میں اللہ نے فرمایا۔

''پھر کیا سمجھ رکھا ہے تم نے (اے مسلمانو!) کہ داخل ہو جاؤ گے تم جنت میں؟ جبکہ ابھی نہیں پیش آئے تم کو احوال ان لوگوں کے سے، جو ہو گزرے ہیں تم سے پہلے۔ پہنچی ان کو تنگ دستی اور مصیبت اور الم، اور وہ ڈول گئے، حتیٰ کہ پکار اُٹھا رسول، اور وہ لوگ

جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ، کب آئے گی مدد اللہ کی۔ (جواب آیا) سن لو! مدد اللہ کی آیا ہی چاہتی ہے۔"

اور سورۂ بقرہ ہی کی ایک سو چھپن اور ایک سو چھپن ویں آیت میں اللہ نے مطلع

"اور پرور آزمائیں گے ہم تم کو کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مبتلا کر کے نقصان میں جان و مال کے اور آمدنیوں کے۔ اور خوش خبری دو صبر کرنے والوں کو، وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں، اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن"

اور آگے ایک سو ستاون ویں آیت میں اللہ نے ان خوش نصیب لوگوں کے

میں فیصلہ فرمایا۔

"یہی وہ لوگ ہیں کہ ان پر عنایتیں ہیں ان کے رب کی، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"

اب عبدالحق نے وقت پر غور کرنے، اسے سمجھنے کی کوشش کی۔ کچھ دیر کی شدید
کے بعد اچانک اسے یہ خوش آئند احساس ہوا کہ اس وقت اللہ کی رحمت جوش میں ہے، اور
پوری طرح سایہ فگن ہے۔

وقت کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کے تصور میں سمندر آگیا۔ دُنیا کے
سمندروں کو یکجا کر دیا جائے تو اس سے بھی بڑا سمندر، ایک ایسا نادیدہ سمندر جس نے پور
ارض کا احاطہ کر رکھا ہے۔

ویسے تو وقت کہاں نہیں ہے......؟ وہ تو ہر جگہ ہے اور جاری و ساری ہے۔ وہ
پیمانہ حساب ہے لیکن ہر جگہ اس کی رفتار مختلف ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ آسمان کا ایک دن ز
ہزار سال کے برابر ہے اور عرش کا ایک دن زمین کے پچاس ہزار برس کے برابر ہے۔

عبدالحق کو ریاضی سے بہت دلچسپی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے حساب کتاب
کچھ نتائج بھی نکالے تھے، جو بہت دلچسپ تھے۔ لیکن اس وقت وہ ارتکاز قائم کرنے کی بھر پو
کر رہا تھا۔ اس لئے اس نے اپنا دھیان اُدھر جانے نہیں دیا۔

"وقت سمندر......!"





اب وہ سراپا فکر تھا۔ وہ ذہن اور جسم کی تمام توانائیوں کے ساتھ غور کر رہا تھا۔

وقت ہر سطح پر موجود ہے۔ وہ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ قومی بھی ہے اور بین الاقوامی بھی۔ اور وہ ارضی بھی ہے۔ ہر انسان وقت کے اس سمندر میں موجود ہے، اپنے مقدر میں لکھی وقت کی اپنے حصے کی ایک لہر پر سوار۔ اور لہر کبھی یکساں اور ہموار نہیں ہوتی۔ کم از کم ہمیشہ نہیں۔ کبھی کچھ دیر کے لئے وہ ضرور سمندر کے سینے پر ہموار انداز میں بڑھتی ہے۔ مگر بالآخر اس میں مدّ و جزر ہوتا ہے۔ ہمواری میں زندگی کا سکون ہے، ٹھہراؤ ہے۔ اور مدّ و جزر میں تبدیلی۔ وہ اونچا اُٹھتی ہے اپنے سوار کو ساتھ لے کر تو یہ اس کے سوار کے لئے عروج بھی ہو سکتا ہے۔ مگر طوفانی کیفیت میں یہ اس کے لئے سختی ہے۔ اور جب وہ نیچے آتی ہے تو یہ اس کے لئے زوال ہے، آزمائش ہے۔

"ہر عروجے را زوال......!"

"وقت کی یہ اونچ نیچ، سختی نرمی زندگی کا تنوع ہے۔"

"اور ضرور آزمائیں گے ہم تم کو کسی قدر خوف اور بھوک سے، اور مبتلا کر کے نقصان میں جان و مال کے اور آمدنیوں کے۔"

"آزمائش کیا ہے......؟"

"ایمان......!"

"اور ایمان کا اظہار......؟"

"شکر......!"

"شکر......؟"

"اللہ کو یاد رکھنا، اس سے رابطے میں رہنا......!"

کون ہے جو اپنے عروج، خوش حالی اور اپنی خوشیوں میں اللہ کو بھول جاتا ہے......؟ جو اپنی کامیابی، اپنے ہر مال کو، متاعِ حیات کو اپنی صلاحیتوں اور اپنی محنت اور قابلیت کا نتیجہ قرار دے کر لوگوں کو اپنے بارے میں قصیدے سناتا اور مثالیں دیتا ہے......؟ اپنے آپ میں پھول جاتا ہے اور متکبر بن جاتا ہے......؟

اللہ زوال کی طرف لے جانے والی لہر کے ذریعے اس پر رحمت فرماتا ہے۔ اسے اپنے نظریات درست کرنے اور رجوع کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

''اگر تو اتنا ہی باصلاحیت ہے، اور تیری محنت اتنی ہی بارآور ہے اور تیری تدبیر اتنی ہی توانا ہے تو اس زوال کی طرف جاتی ہوئی لہر کو اوپر اُٹھا کر دکھا......؟ نہیں......! یہ تو ممکن نہیں۔ چل اسے یہیں روک کر دکھا دے......؟''

اب بندے نے یہ بات سمجھ لی، اللہ سے رکوع کر لیا تو ممکن ہے، اللہ اپنی رحمت سے سخت وقت کو اس کے لئے آسان اور مختصر کر دے۔ اور بندے نے اس پر شکر بھی ادا کیا تو خوش ہو کر سمجھا دے۔

''ہر حال میں میرا شکر ادا کر میرے بندے......! کہ
اپنی جن صلاحیتوں کے بارے میں تو گمان کرتا ہے کہ وہ تیرے عروج
کا سبب ہیں، وہ بھی میری دی ہوئی ہیں۔ اور اپنے جن اعضاء کے
زور پر تو وہ محنت کرتا ہے، جو تیرے خیال میں تیری خوش حالی کا
باعث ہیں، وہ بھی میری عطا کی ہوئی ہیں۔ تیرے پاس اپنا ہے کیا
میرے بندے......؟''

اللہ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا۔

''کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ''

''کیسے انکار کرتے ہو تم اللہ کا جبکہ تم مردہ تھے (عدم)
پھر اللہ نے تم کو پیدا کیا۔''

''واقعی......!''

عبدالحق نے سوچا۔

''بنیادی نعمت تو زندگی ہے، جس کے دم سے ہر نعمت ہے، اور اس کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ اللہ نے مجھے زندگی نہ دی ہوتی تو دُنیا کو کیا فرق پڑتا......؟ اور میں مر جاؤں گا تو بھی کیا فرق پڑے گا......؟ دُنیا کا ہر کام چلتا رہے گا۔ صرف میرے چند محبت کرنے والے کچھ دن میرا غم کریں گے، کچھ دن صبر کریں گے اور بالآخر مجھے بھول جائیں گے۔ پھر اپنی کسی بھلائی یا برائی کے حوالے سے میں کبھی انہیں یاد آجایا کروں گا۔''

تو اللہ وقت کے ذریعے رحمت فرماتا ہے اپنے بندے پر، اسے آزماتا ہے، یاد دلاتا ہے۔

اللہ دیکھتا ہے، کون ہے جو پھر بھی نہیں مانتا......؟



کون ہے، جو اپنی کامیابی اور خوش حالی کو خود سے منسوب کرتا تھا......؟ اور اب بدحالی اور تنگ دستی میں یہ دیکھنے کے بجائے کہ وہ اپنی کن غلطیوں اور حماقتوں کی وجہ سے یہاں آ پہنچا......؟ دوسروں کو اپنی ابتلا پر موردِ الزام ٹھہراتا ہے۔ فلاں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا......؟ فلاں نے بے ایمانی کی......؟ فلاں مجھ سے جلتا تھا......؟ فلاں نے مجھے خبردار نہیں کیا......؟ اور اس کی وجہ سے میں غفلت میں مارا گیا......؟ بلکہ کبھی کبھی تو وہ اللہ کو ہی اپنی مصیبت کا ذمہ دار ٹھہرانے لگتا ہے۔

اب ایسے میں اللہ اس سے منہ پھیر لے تو وہ کہیں کا نہیں رہا۔

''اور اللہ آزماتا اور دیکھتا ہے، حالانکہ وہ سب جانتا ہے۔''

کون ہے، جو خوش حالی میں شکر ادا کرتا ہے......؟ اور کہتا ہے کہ یہ تو مجھ پر میرے ربّ کی عنایت ہے......؟

کون ہے، جو اپنے مال، اپنی ازواج، اپنی اولاد اور نعمتوں کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ سب میرے ربّ کی عطا اور اس کی امانت ہے میرے پاس، میری زندگی کی طرح......؟ اور بے شک......! وہ جب چاہے، واپس لے لے۔ اور جب اللہ اس سے کچھ واپس لے لے تو بھی وہ اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرتا ہے کہ اللہ نے اتنے عرصے اسے وہ عطا فرمائی، جبکہ وہ اس کا سزاوار بھی نہیں تھا۔

کون ہے، جو اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اس کی امانت سمجھتا ہے......؟ اور اس میں سے اپنی، اپنے بیوی بچوں اور اپنے گھر کی ضرورتیں پوری کرتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے......؟ پھر اس مال میں سے خالص اللہ کو خوش کرنے کے لئے کشادہ دلی کے ساتھ خرچ کرتا ہے......؟ اپنے تنگ دست رشتہ داروں، دوستوں اور پڑوسیوں کی مدد کرتا ہے......؟ بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے......؟ قرض داروں کی گردن چھڑاتا ہے......؟ یتیموں پر شفقت کرتا ہے......؟ مسکینوں اور سفید پوش، ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے......؟ جو عزت کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کر سکتے۔ اور کوئی اس سے کہے کہ یہ جو تم اس طرح مال اُڑا رہے ہو تو تمہیں ڈر نہیں لگتا کہ قلاش ہو جاؤ گے......؟

تو وہ کہتا ہے کہ یہ سب اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے بہتر اس کا مصرف اور کیا ہو سکتا ہے......؟ رہی تنگ دستی اور فراخی تو بے شک، وہ میرے ربّ کی طرف سے ہے، جسے جو چاہے دے۔ اور وہی تو تنگ دستی میں کام آتا ہے۔

اور کون ہے، جو زوال میں بھی اپنے عروج کو یاد کر کے اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے......؟ اور تنگ دستی پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اس سختی میں بھی اسے آسانی اور عزت

کے ساتھ زندگی گزارنا نصیب فرمایا......؟ اسے غیراللہ کی محتاجی سے، اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچاتے ہوئے اپنی جناب سے اس کی ضرورتیں کشادگی اور فراخی کے ساتھ پوری فرمائیں......؟

کون ہے، جو تنگ دستی میں اللہ سے مانگتا ہے......؟ اس یقین کے ساتھ کہ اس کے سوا کوئی دینے والا، مدد کرنے والا نہیں۔

کون ہے، جو تنگ دستی میں اللہ سے شاکی ہو جاتا ہے......؟ اور دُعائیں کرنے لگتا ہے، جبکہ خوش حالی میں وہ دُعا کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔

کون ہے، جو تنگ دستی میں مایوس ہو جاتا ہے......؟ اور حوصلہ چھوڑ کر ڈھیر ہو جاتا ہے......؟

کون ہے، جو تنگ دستی میں اللہ کو چھوڑ کر بندوں سے مانگنے والا بن جاتا ہے......؟

''اللہ آزماتا ہے اور دیکھتا ہے۔''

کون ہے، جو نعمت کی موجودگی میں اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے......؟

کون ہے، جسے نعمت کی موجودگی میں اس کے نعمت ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا......؟ اور جب وہ چھن جاتی ہے تو اس کی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ تو نعمت تھی۔

کون ہے، جو نعمت سے محروم ہونے کے بعد اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے......؟ اور اپنی غفلت شعاری اور ناشکرے پن پر ندامت کا اظہار کرتا ہے......؟

کون ہے، جو نعمت سے محروم ہونے پر بھی اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا......؟ بلکہ اس محرومی پر اللہ سے یوں گلہ کرتا ہے، جیسے اسے اللہ نے اس کے کسی حق سے محروم کر دیا ہو۔

اور کون ہے، جو اس کے بعد اللہ سے منہ موڑ لیتا ہے......؟

اور کون ہے، جسے نعمت کا شعور اور ادراک ہی نہیں ہوتا......؟ اور محروم کو وقت سے منسوب کر کے وہ وقت کو برا بھلا کہنے لگتا ہے......؟ جبکہ اللہ نے وقت کی، زمانے کی قسم کھائی ہے۔

اور جس چیز کی اللہ نے قسم کھائی، تم اسے کیسے برا کہہ سکتے ہو......؟

اور اللہ نے جس چیز، جس ہستی کی قسم کھائی، وہ چیز اور ہستی کی عزت اور تقدس کی سند اور ثبوت ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے یہ یاد کرنا ہی کافی ہے کہ اللہ نے کسی جان کی قسم نہیں کھائی، سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں معزز ترین ہیں۔



سو شکر کے بھی بے شمار درجے ہیں اور ناشکری یعنی کفر کے بھی۔ اور شکر وہ آسان ترین عبادت ہے، جس کے صلے میں اتنا کچھ ملتا ہے، جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

''اور وقت......؟''

''وقت سمندر، وقت موج مہیب اور وقت لہر......!''

انجام کار وقت کی لہر اللہ کے مقرر کئے ہوئے وقت پر اپنے دوش پر سوار شخص کی موت کے ساحل پر پہنچ کر، وہاں جھاگ چھوڑ کر، سرنگوں پانی بن کر دوبارہ سمندر میں جا ملتی ہے۔

''زندگی تمام شد......!''

زندگی سمندر کا تلاطم ہے اور موت ساحل کا سکوت، آپ چاہیں تو اسے سکون کہہ لیں۔

''وَالعَصر......!''

اللہ نے فرمایا۔

''وقت کی، زمانے کی قسم......!''

اللہ نے ایک رفتار، ایک ردھم سے چلنے والے وقت کو ایسے تقسیم فرمایا کہ وقت کی ہیئت میں فرق بھی نہ پڑے، اور اس میں تنوع بھی پیدا ہو جائے۔ اور زندگی کو رنگارنگی بھی مل جائے اور مقصدیت بھی، کیونکہ اللہ نے بے مقصد، کھیل تماشے کے طور پر کچھ بھی پیدا نہیں فرمایا۔

سو دن اور رات بنے۔ چاند کی منزلیں اللہ نے مقرر فرمائیں۔ نیا چاند طلوع ہوا تو ایک اور ماہ کا آغاز ہوا۔ اور مہینوں سے سال بنا۔ وقت کا حساب مقرر ہو گیا۔

مشرقین اور مغربین کے نتیجے میں موسم ظہور میں آئے۔ زندگی کے رنگ بڑھے اور پھیلے۔

اللہ نے قرآن میں جگہ جگہ فرمایا۔

''زمین میں چلو پھرو، دیکھو، غور کرو، یہ بہت بڑی دعوت ہے۔''

عبدالحق غور کرتا تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ دُنیا میں کوئی بھی چیز صرف ایک مقصد کے لئے پیدا نہیں کی گئی۔ ہر چیز کی تخلیق میں اللہ کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ مظاہرِ فطرت کو دیکھ کر آدمی خود کو سمجھ سکتا ہے، پہچان سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کے وجود میں تمام مظاہر کے رنگ رکھ دیئے ہیں۔

اس نے درخت کی ایک شاخ پر لگے پھلوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان کے پکنے کی رفتار مختلف تھی۔

اور زرینہ کے پانچ بچے تھے۔ سب سے بڑی بیٹی کے بڑھنے کی رفتار بہت کم تھی۔
اس کی دادی اس کے ڈاکٹر چچا سے پریشان ہو کر کہتی تھیں۔

"اے ہے......! اس کو دوا دے، کہیں بونی نہ رہ جائے......!"

اور اصغر ہنس کر کہتا۔

"کچھ نہیں اماں......! یہ نارمل ہے، بعض بچے دیر سے بڑھتے ہیں، اور ایک دم بڑھتے ہیں۔"

اور ایسا ہی ہوا تھا۔

لیکن زرینہ کی تیسرے نمبر کی بیٹی اس کی بڑی بیٹی سے لمبی نکلی تھی۔ اس کی اُٹھان بہت اچھی تھی۔

اور اس درخت کی شاخ کے چند پھل کچے ہی ٹوٹ کر گر گئے تھے۔ ان کے پکنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ جیسے انسانوں کے بعض بچے کم عمری میں ہی مرجاتے ہیں۔

اور ایک ہی شاخ پر لگنے والے پھل رنگوں میں بھی مختلف تھے، اور ذائقے میں بھی۔ ایک دانہ پکنے پر بھی قدرے ہرا تھا۔ لیکن کھا کر دیکھا تو نہایت شیریں۔ کچھ کھٹے تھے، کچھ میٹھے اور کچھ کھٹ میٹھے۔ دو دانے ایسے بھی تھے، جن میں کیڑے بھی تھے۔ کچھ چھوٹے تھے، کچھ بڑے اور کچھ درمیانے۔ سب ایک ہی درخت کے پھل تھے۔

اور ایسے ہی ایک باپ کی اولاد بھی مختلف ہوتی ہے۔ خاندانی اوصاف بھی مشترک ہوتی ہیں اور شباہتیں بھی۔ لیکن اپنی فطرت اور مزاج میں ہر بچہ مختلف اور منفرد ہوتا ہے۔ کوئی نرم خو، کوئی غصہ ور، کوئی چالاک، کوئی سادہ مزاج، کوئی پھرتیلا، کوئی سست اور کوئی ایسا کہ لوگ کہیں۔

"ولی کے گھر شیطان پیدا ہو گیا ہے۔"

اور وہ صورتوں اور قد کاٹھ میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔

"دیکھا کرو اور غور کیا کرو......!"

ایک شخص دُنیاوی پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے۔ ہر طرف سے مایوس ہو چکا ہے۔ جدھر دیکھتا ہے، اسے اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ لگتا ہے، کہیں اس کے لئے بہتری کا کوئی موہوم سا امکان بھی نہیں۔

خزاں کی ایک رات وہ سو کر اُٹھتا ہے۔ باہر دیکھتا ہے تو ہر چیز دُھلی دُھلی سی نظر آتی ہے۔



"ارے......! شاید بارش ہوئی ہے۔"

اس کے دل میں بہت کمزور سی، غیر محسوس سی اُمید جاگتی ہے، جیسے گھُپ اندھیرے میں ایک ننھی سی کرن۔

پانی کو، مردہ زمین کو زندہ کر دینے والی بارش کو اللہ نے انسان کے دل کے لئے عجیب تاثیر عطا فرمائی ہے۔ بعد میں چاہے وہ باعثِ زحمت بن جائے، لیکن بارش ہوتی ہے تو وہ جشن مناتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی بارش میں نہانے کے لئے قمیص اُتار کر گھر سے نکل آتے ہیں اور نعرے لگاتے ہیں۔

"اللہ میاں......! پانی دو۔ سو برس کی نانی دو۔"

اور جیسے وہ خوشی سے ناچتے ہیں، اس سے زیادہ ان کے دل ناچ رہے ہوتے ہیں۔

تو وہ شخص باہر آتا ہے اور صحن میں کھڑے ٹنڈ منڈ درخت کو دیکھتا ہے۔

"ارے......! یہ کیا......؟"

اور اس کے دل میں اُمید اور خوشی کی پھوار رِم جھم رِم جھم برسنے لگتی ہے۔

مٹی کے رنگ کے درخت پر اسے نمو نظر آتی ہے۔ اس کے خاکی بدن پر ننھے ننھے، ہرے ہرے قطرے سے جم گئے ہیں۔ ننھی سبز کونپلوں نے تنے سے سر باہر نکالا ہے۔ سوکھی، بے جان شاخوں پر کلیوں کی سپیدی رونما ہو رہی ہے۔

"کیا بہار آ رہی ہے......؟"

"ارے......! رات کو میں اس درخت کو دیکھ رہا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ یہ درخت اب ہمیشہ یوں ہی رہے گا، میرے حالات کی طرح۔ اب یہ کبھی زندہ نہیں ہوگا، میری معیشت کی طرح۔ لیکن ایک ہی بارش میں یہ جی اُٹھا ہے، سانس لے رہا ہے۔ تو کیا میں بھی......؟"

اور وہ تیار ہو کر گھر سے نکلتا ہے۔ دل میں ایک نیا عزم ہے، گو کہ اُمید کم ہے۔ لیکن مایوسی بالکل نہیں رہی ہے۔ اور وہ اس جگہ جاتا ہے، جہاں سے اس عرصۂ ابتلا میں بارہا دھتکارا گیا ہے، مایوس لوٹایا گیا ہے۔

اور آج وہاں اسے وہیں سے اس کی اُمید سے بہت بڑھ کر ملا ہے۔ اور یہی نہیں، ایک مستقل تعلق بھی قائم ہو گیا ہے۔

ایک پل میں سب کچھ بدل گیا۔ اللہ چاہے تو ایک پل میں سب کچھ بدل جاتا ہے۔ خشک ہوا چلتی ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے درخت پتوں سے اور زندگی کے رنگ سے محروم ہو جاتے ہیں۔

خزاں آجاتی ہے اور منظر یوں مر جاتے ہیں، جیسے اب کبھی زندہ نہیں ہوں گے۔ لیکن بارانِ رحمت کی ایک جھڑی مقررہ وقت پر سب کچھ زندہ کر دیتی ہے۔ منظر سانس لینے لگتے ہیں۔

"دیکھو گے، غور کرو گے تو سمجھو گے......!"

لیکن نادان انسان خزاں کو آتے اور چھاتے دیکھ کر یہ کبھی نہیں سوچتا کہ ہر عروج کے بعد زوال بھی ہے۔ وہ اپنی خوش حالی میں اس یقین کے ساتھ مگن رہتا ہے کہ یہ سب یوں ہی رہے گا۔ جبکہ ہر پل وہ دیکھتا ہے، نہیں دیکھتے ہوئے بھی دیکھتا ہے کہ وقت کو ثبات و قرار نہیں۔ وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا۔

"وقت کا گلہ نہ کرو......! وقت کو برا نہ کہو......! کیونکہ اللہ نے وقت کی قسم کھائی ہے۔"

"لیکن وقت بہر حال......"

اس نے بروقت اپنی سوچ کو روک لیا۔ ورنہ وہ الفاظ "برا" اور "بھلا" استعمال کرنے والا تھا۔

بہر حال وقت سخت اور آسان بھی ہوتا ہے اور مہرباں اور نامہرباں بھی۔

مگر ایسا تو انسانوں کے معاملے میں بھی ہوتا ہے۔ عبدالحق کا مشاہدہ تھا۔ وہ لوگوں کو بہت غور سے دیکھتا تھا۔ ہر شخص کی اپنی ایک فطرت، اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ کوئی شخص بہت سخت مزاج اور تندخو ہوتا ہے اور کوئی بہت مہربان اور نرم خو۔ لیکن عبدالحق نے دیکھا تھا کہ اللہ جس کے لئے چاہے، کسی سخت آدمی کو موم بنا دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہے، کسی نرم آدمی کو سخت بنا دیتا ہے۔ رعایت بالکل نہ کرنے والے کسی شخص سے کسی کو ایسی رعایت مل جاتی ہے، جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور بڑی سے بڑی بات پر درگزر کرنے والا مہربان آدمی کس معمولی سی بات پر کسی شخص کے لئے ایسا سخت ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ نرمی پر کسی بھی طرح آمادہ نہیں ہوتا۔

بہر حال وقت سمندر تو لہر در لہر ہے۔ ایک لہر کسی کے لئے مہرباں تو کسی کے لئے نامہرباں۔

"وقت کیا ہے......؟"

"اللہ کا پیمانہ......!"

ہر انسان کو اس کے لئے مقدر کی گئی عمر کے مطابق ایک پیمانے میں وقت دیا گیا، اور گویا پیمانے میں نیچے ایک سوراخ ہے، جس سے قطرہ قطرہ، لمحہ لمحہ وقت گرتا رہتا ہے، پیمانے میں سے کم ہوتا رہتا ہے، اور جب پیمانہ خالی ہو جاتا ہے تو موت آجاتی ہے۔



اور وقت اپنے ہر روپ اور ہر مشکل میں اللہ کا آلۂ آزمائش ہے۔

مہربان وقت میں کس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کون اللہ کو بھلا بیٹھا......؟ کس نے اللہ کے بندوں پر مہربانی کی اور اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں اور عنایات میں اللہ کے محروم بندوں کو شریک کیا......؟ کس نے اللہ کی عطا کو اپنے پاس اس کی امانت سمجھا اور اس کی جواب دہی کی فکر کی......؟

اور نامہرباں وقت میں کس نے اچھے وقت کو یاد کر کے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا......؟ کون اس پر شرمندہ ہوا کہ اس نے مہربان وقت میں اللہ کا شکر نہیں ادا کیا تھا......؟ کس نے نامہرباں وقت میں یہ سوچا کہ یہ تو میرے اعمال کی وجہ سے ہے......؟ کس نے استغفار کیا اور اللہ کے سامنے جھولی پھیلائی کہ اس کی مشکل آسان کر دی جائے......؟ کس نے صبر کیا اور اللہ کی رحمت سے لو لگاتے ہوئے انتظار کیا......؟ اور کون تھا، جس نے نامہرباں وقت میں اللہ سے گلہ شکوہ کیا......؟ کون تھا، جو پریشانی میں مدد کے لئے بندوں کے در پر گیا، جو خود محتاج ہیں......؟ کون تھا، جس نے ضرورت کے موقع پر امداد ملنے پر بندے کا احسان مانا اور اللہ کو بھول گیا، جس کی طرف سے اسے امداد پہنچی تھی......؟

تو جو شخص مہربان وقت میں اللہ کو یاد رکھتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے، اور جب نامہرباں وقت اس کی آزمائش کرتا ہے تو وہ کہتا ہے۔

"بے شک......! ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

اللہ اس کے نامہرباں وقت کو آسان اور تیز رفتار کر دیتا ہے اپنی رحمت سے، اور اس وقت کو تیز ہوا میں گزرنے والے ابر کی طرح بنا دیتا ہے، جو یوں آیا اور یوں گیا۔ انہی لوگوں کے بارے میں تو اللہ نے فرمایا۔

"یہی وہ لوگ ہیں کہ ان پر عنایتیں ہیں، ان کے ربّ کی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"

بنیادی طور پر انسان کی فطرت میں تن آسانی ہے۔ خوش حالی میں یہ پھول جاتا ہے، اترانے لگتا ہے، خود پر گھمنڈ کرتا ہے، اپنی خوش حالی اور کامیابیوں کو اپنی محنت، اپنی صلاحیتوں اور اپنے علم سے منسوب کرتا ہے، اور ایسے میں انسان تو کجا، یہ اللہ سے بھی منہ پھیر لیتا ہے۔ بلکہ اس معاملے میں تو اس کی جلد بازی کا یہ عالم ہے کہ مصیبت میں اللہ سے رو رو کر مدد مانگتا ہے، اور جب اللہ کی مدد سے اس کی مصیبت دُور ہوتی ہے تو اگلے ہی لمحے اللہ سے منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے، فلاں نے میری مدد کی، فلاں نے مجھے بچا لیا۔

ایک اور بات......!

خوش حالی سے انسان کبھی نہیں اُکتاتا۔ اسے دائمی سمجھتا ہے، اور اس کی ہوس مز
ہو جاتا ہے۔ اور خوش حالی ملے، اور نعمتیں ملیں، اس کا ہر لمحہ اسی تگ ودو میں گزرتا ہے۔ اور جتنا
ملے، وہ ذرا دیر بعد ہی اسے کم لگنے لگتا ہے۔ وہ ہر لمحہ یہی سوچتا ہے اور یہی فکر کرتا ہے کہ ا
جائے، اور مل جائے۔ اسے یہ یاد نہیں رہتا کہ جب موت آئے گی تو وہ کچھ بھی نہیں لے کر جا
گا۔ اور جب قیامت کے دن وہ اللہ کو حساب دے گا تو اس کے پاس اپنی بداعمالیوں سے
چھڑانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا۔

لیکن بدحالی، مصیبت اور پریشانی کا ایک ایک لمحہ اسے برس لگتا ہے۔ اس سے
نہیں ہوتا۔ وہ چاہتا ہے کہ بس اسی لمحے وقت بدل جائے، اسی لمحے مصیبت ٹل جائے، پریشانی
ہو جائے۔

تو وقت اللہ کا پیمانہ ہے۔ وہ دیکھے گا کہ اپنی مقررہ مدت میں کس نے کتنے نیک
کئے اور کتنے گناہ کئے......؟ پھر اسے اپنے کئے کا صلہ ملے گا۔ اور اللہ کسی کے ساتھ بے انصافی
کرتا۔ وہ عادل ہے۔

وقت تغیر وتبدل سے عبارت ہے۔ وقت ایک سا نہیں رہتا۔

ایک بنیاد پر کوئی انسان شکایت کرسکتا ہے کہ میں تو اس دور میں پیدا ہوا، جس
برائیاں عام تھیں اور نیکی مشکل......!

لیکن نہیں......! اللہ نے سب کچھ عدل اور میزان کے ساتھ بنایا اور قائم فرمایا
نے پیغمبر واضح ہدایات کے ساتھ بھیجے اور ہر دور میں اپنے بندوں پر حجت تمام کر دی۔ جس نے
کیا، اس کے پاس کوئی دفاع نہیں۔

''بے شک......! وقت ایک سا نہیں ہوتا اور ایک سا نہیں رہتا۔''

زمین والوں پر بہت اچھا وقت وہ تھا، جب حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے شر
وجود ہی نہیں تھا۔ پھر شرک کا آغاز ہوا اور اللہ نے بندوں کی ہدایت کے لئے حضرت نوح علیہ ال
کو بھیجا۔ اور انکار پر طوفان کا عذاب آیا، جس نے تمام انکار کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اور
ایمان والے بچے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے دُعا کی کہ ان انکار کرنے والوں میں سے
زندہ نہ چھوڑیں، کیونکہ ان کی نسل میں صرف فاسق و فاجر ہی پیدا ہوں گے۔ صرف اہل شر





یں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دُعا قبول فرمائی۔

''اگر اللہ نے ان سب کو ہلاک نہ کر دیا ہوتا تو اس وقت زمین کا کیا حال ہوتا......؟''

عبدالحق جب بھی یہ سوچتا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔

''بے شک......! اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ وہ علیم وخبیر بھی ہے اور حکیم بھی۔''

مگر شرک ایک بار شروع ہوئی تو کبھی ختم نہیں ہوئی۔ یہ وہ روحانی بیماری ہے، جو ایک
ر انسانوں کو لاحق ہوئی تو ان کی جڑوں میں نہایت گہرائی میں بیٹھ گئی اور نسل در نسل منتقل ہوتی
ہی۔ اسی لئے اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر پیغمبر آتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ
سلم کی بعثت ہوئی، قرآن نازل ہوا اور قیامت تک کے لئے حجت تمام کر دی گئی۔

زمین والوں کے لئے سب سے اچھا وقت وہ تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
تشریف آوری ہوئی۔

کوئی انسان یہ شکایت کرسکتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں پیدا
نہیں ہوا، اور یہ اس کے ساتھ زیادتی ہے......؟

''ہرگز نہیں......!''

ہر دور میں لوگ خوش نصیب بھی ہوتے ہیں اور بدبخت بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی زندگی میں ہی اللہ کی رضا اور جنت کی نوید نصیب ہوئی تو
انکار کرنے والے، ایذارساں بدبختوں کے لئے ہاتھ کے ہاتھ جہنم کے بدترین عذاب کا فیصلہ بھی تو
و گیا۔

''اگر میں اس دور میں پیدا ہوتا اور خدانخواستہ انکار کرنے والا ہوتا تو......؟''

عبدالحق نے سوچا اور اس کے دل تک پر ایسا لرزہ چڑھا کہ لگا، وہ ختم ہو جائے گا۔
خوف اور دہشت کا وہ عجیب عالم تھا۔

''الحمدللہ......! میں جہاں ہوں، اللہ کی رحمت میں ہوں اور وہیں اچھا ہوں۔ اللہ مجھے
ختی سے بچائے......!''

اس نے سوچا۔

وقت تو بس وقت ہے، وہ اچھا برا نہیں ہوتا۔ انسان اپنے عمل سے اسے اپنے لئے
چھا اور برا بناتا ہے۔ ایمان والوں کے لئے وقت کبھی برا ہوتا ہے نہ سخت۔ مومن کے لئے تو اس کی
شانی اور مصیبت میں بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ اس کی ہر تکلیف کے بدلے اس کی برائیاں اور

گناہ مٹاتا ہے، اور نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ اور کافر اور مشرک کے لئے اس کی خوش حالی اور زند
ہر پل کی مہلت اس کے آخرت کے عذاب کو بڑھانے کے لئے ہے۔

"وقت ایک سا نہیں ہوتا۔ وقت ایک سا نہیں رہتا......!"

ایک روایت ہے کہ دُنیا سات دن کے لئے ہے، جس میں سے چھ دن گزر چکے
اور ساتواں دن کتنا گزر چکا ہے......؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دور کے فتنوں اور اہل ایمان کی آزمائشوں
بارے میں نہایت تفصیل سے آگاہ فرمایا۔ ہر فتنے اور آفت سے خبردار فرما دیا اور اس سے بچنے
طریقے بھی بتا دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دور میں اپنی اُمت پر بارش کی طرح
والے فتنوں کو اپنی پاک اور مبارک آنکھوں سے دیکھا اور بیان فرما دیا، جس پر آپ صلی اللہ علیہ
کے ہر لفظ پر ایمان رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی متعجب ہوئے۔

"الامان......! الامان والحفیظ......!"

اللہ نے سب کچھ عدل اور میزان کے ساتھ بنایا اور قائم فرمایا۔

"زیادتی کسی کے ساتھ نہیں ہوگی۔"

ایک روایت کے مطابق آخری دور میں جس نے مامورات کے دس فیصد کا بھی
کیا، اس کا انجام صدیقین کے ساتھ ہوگا۔

"اللہ......! اللہ......! اللہ اکبر......!"

سو فیصد اور دس فیصد والے اللہ کی بارگاہ میں ایک ساتھ کھڑے ہوں گے۔

"ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

ایک روایت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مبارک ہو اس شخص کو، جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر
ایمان لے آیا۔ اور مبارک ہو، مبارک ہو، پھر مبارک ہو، اس شخص کو
جو مجھ پر ایمان لایا، لیکن مجھے دیکھا نہیں۔"

بغیر دیکھے ایمان لانے والے کو تین بار مبارک ہو، کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

"بے شک......! ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

اللہ باریک بین، سب کچھ جاننے والا، انصاف کرنے والا اور فضل عظیم کا مالک
وقت کی شکایت نہ کرنا کہ وقت کی وجہ سے تمہیں بہت رعایتیں اور آسانیاں



ہیں۔

"اللہ نے وقت کی، زمانے کی قسم کھائی ہے......!"

وقت اللہ کی نوازش اور عنایت کا اور اس کے غیض و غضب کا مظہر ہے۔ اللہ قادرِ
مطلق ہے۔ جس کے لئے چاہے، نامہرباں وقت کو مہرباں کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے،
مہرباں وقت کو نامہرباں کر دے۔ جس کے لئے چاہے، وقت کی رفتار کم کر دے اور جس کے لئے
چاہے، بڑھا دے۔

اللہ نے کتنا کچھ مسخر کر دیا ہے اپنے ایمان لانے والے بندوں کے لئے۔ ان میں
وقت بھی ہے۔ اب ہر ایک کو اس کے درجۂ ایمان کے مطابق ملتا ہے، اِلّا یہ کہ اللہ جس پر چاہے،
خصوصی فضل فرمائے۔

ہم انسانوں کے لئے فاصلوں کی بڑی اہمیت ہے۔ دو مقامات کے درمیان فاصلہ
مکان کا فاصلہ ہے۔ ہم کہتے ہیں، فلاں مقام فلاں مقام سے سو میل کے فاصلے پر ہے۔ اور وقت
کے درمیان فاصلہ زمان کا فاصلہ ہے۔ بعض اوقات ہم مقامات کے درمیانی فاصلے کو بھی وقت کے
حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ فلاں جگہ فلاں جگہ سے دو گھنٹے کی مسافت پر ہے اور جہاں مکانی
فاصلے ہماری سمجھ سے باہر ہو جاتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ سورج زمین سے اتنے ہزار نوری سال کی
مسافت پر ہے۔

اللہ نے ایمان والوں کے لئے وقت کو بھی مسخر کر دیا ہے۔

لیکن نہیں......! صرف ایمان کافی نہیں، ایمان کے ساتھ نیک اعمال بھی تو ضروری
ہیں۔

اور ایمان کے بھی تو درجے ہیں۔ بن دیکھے ایمان لے آئے اللہ پر، اس کے
پیغمبروں، اس کی کتابوں، اس کے فرشتوں، آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اور
آخرت کی پیشی پر۔

ایمان کا تعلق زبان اور قلب سے ہے۔ اللہ سینوں میں چھپے بھیدوں سے بھی آگاہ
ہے۔

لیکن ایمان کا عملی پہلو زیادہ اہم ہے۔ اسی سے تو ایمان کا درجہ متعین ہوتا ہے۔
اللہ کی اطاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع۔ یہاں سے تو نیک عمل کا آغاز ہوتا
ہے۔

"جو اللہ نے حکم دیا، اسے احسن طریقے سے بجا لاؤ۔
جس سے منع کیا، اس سے رُک جاؤ۔ جو کرنے کو کہا، وہ کرو۔"

کیا کیا کرتا ہے......؟ اور کیا کچھ نہیں کرتا ہے......؟ اس کی تفصیل قرآنِ حکیم میں موجود ہے۔ سو قرآن پڑھو، اسے سمجھنے کی کوشش کرو، وہی تو تمہیں احکامات کے بارے میں بتائے گا۔

اور اللہ نے فرمایا۔

"جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) عطا کرے، وہ لے لو،
اور وہ جس سے منع کرے، اس سے رُک جاؤ۔"

یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنے حکم سے تم پر لازم کر دی۔ اس کا مطلب تو سمجھ سکتے ہو تم......! جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا، وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو کچھ بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، وہ اللہ کا حکم ہے۔

تو سب آسان ہو گیا ناں......! کوئی پے چیدگی نہیں رہی۔

اور اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق قیامت تک کے لئے قرآن کو محفوظ فرما دیا۔

پچھلی کتابیں اُمتوں کے لئے تھیں، اور پیغمبر اپنی اپنی قوم کے لئے۔ لیکن پیغمبرِ آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے...... بلکہ تمام عالموں کے لئے ہیں۔ اور قرآن حکیم تمام انسانوں اور جنوں کے لئے ہے۔

پھر ایک اور رحمت ہو گئی۔

اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ایک ایک لمحے کو رہتی دُنیا تک کے لئے محفوظ کرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات، ہر عمل، ہر لمحہ ریکارڈ پر موجود ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ احقاف کی آخری آیت میں فرمایا۔

"بلغ......!"

"بات پہنچا دی گئی۔"

"کیا یہ پڑھ کر، یہ سن کر تمہارے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے......؟ تم خوف کی شدت سے شل نہیں ہوتے......؟ تم اللہ کی طرف نہیں بڑھتے......؟"



اور "بات پہنچا دی گئی" کے بعد اللہ نے حتمی اعلان بھی فرما دیا۔

"سو نہیں ہلاک ہوں گے مگر وہ لوگ جو نافرمان اور بدکار ہیں۔"

قرآنِ مبین میں سب کچھ صاف بتا دیا گیا ہے۔ ہر حکم واضح، ہر اچھے اور برے عمل کی وضاحت اور صراحت...... اور ہر طرح سے اعلان کر دیا گیا کہ اللہ کی طرف سے قیامت تک کے لئے ضابطہ حیات مکمل کر دیا گیا، جس میں اب کوئی تبدیلی نہیں ہونی ہے۔ اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ اب کوئی صحیفہ نہیں اُترے گا۔ حجت تمام کر دی گئی۔ شریعت مکمل کر دی گئی۔ قرآن اور سیرت و سنت کو دُنیا کے ہر گوشے میں پہنچا دیا گیا۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں تھا۔

اور ختم نبوت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اب قیامت بہت قریب ہے۔

اللہ نے اہل ایمان کے لئے سب کچھ مسخر کر دیا ہے۔

"سب کچھ......! کائنات کی ہر چیز......!"

اللہ نے اہل ایمان کے لئے وقت کو بھی مسخر کر دیا۔ زمان و مکاں کے فاصلے ان کے لئے مسخر کر دیئے۔

واقعہ معراج کو دیکھ لو۔ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک اس وقت ایک ماہ کی مسافت تھی۔ ایک ماہ جانے کے لئے اور ایک ماہ آنے کے لئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد اور فجر سے پہلے کے قلیل وقت میں وہاں گئے بھی اور واپس بھی آئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے جھٹلانے پر، راستے میں جو قافلہ دیکھا تھا، اس کا احوال بتایا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نشانیاں تھیں، جو بعد میں تمام کی تمام درست ثابت ہوئیں۔

اس رات کے اس قلیل وقت میں زمان و مکاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسخر کر دیئے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جائے گا۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ اصرار اس تفصیل کو کفار مکہ کے سامنے تک بیان فرمایا۔ اور توقع کے مطابق جھٹلائے جانے کے طوفان کا سامنا کیا۔

اور کفار تو کفار، وہاں تو بعض ایمان لانے والے بھی اس کی وجہ سے مرتد ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا......؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول، ہر فعل اللہ کے حکم کے مطابق تھا۔

اس میں اللہ کی کیا مصلحت تھی......؟

اللہ نے کئی جگہ خبردار کیا کہ وہ ایمان کی آزمائش ضرور کرتا ہے، تاکہ کھرے
کھوٹے کو دلیل اور سند کے ساتھ الگ کرلیا جائے۔

اَن ہونی تو وسائل میں محدود، بے بس اور مجبور مخلوق کے لئے ہوتی ہے۔
کائنات اور اس کی ہر چیز کا خالق ہے، عزت، علم، طاقت اور وسائل، سب کچھ صرف اور صرف
ہے۔ وہ تو زمین اور آسمان جیسی تخلیقات کے لئے صرف ''کُن'' فرماتا ہے، اور وہ وجود میں آ
ہیں۔ اس کا تو صرف ارادہ ہی کافی ہے کسی امر کے رونما ہونے کے لئے۔

اللہ کے لئے تو کچھ بھی ممکن ہے۔ یہ تو ایمان کی بات ہے۔ ہمارے لئے اپنی
کی وجہ سے جو اَن ہونی ہے، وہ اللہ کے لئے تو صرف ارادہ کرنے کی بات ہے۔ ہم اس کا
کریں تو کفر کی طرف بڑھیں گے ناں......! اور اللہ کا محبوب پیغمبر، جو مبعوث ہونے سے پہلے
سے صادق اور امین تھا، یہ فرمائے کہ یہ امر رونما ہو چکا ہے، اور کوئی عقل کی کسوٹی پر اسے پرکھ
اسے اَن ہونی قرار دے کر جھٹلائے تو وہ نہ صرف پیغمبر پر جھوٹ کی تہمت لگا رہا ہے، بلکہ قادر
ربّ کی قدرت کا بھی انکار کر رہا ہے۔ تو ایسے آدمی کو دُنیا اور آخرت میں دونوں جگہ تباہ ہی
ہے۔

تو جن کے ایمان میں کمی تھی، وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر کے
ہوگئے۔ ایسے ہی تو ایمان کی آزمائش ہوتی ہے۔ ہمارا ایمان تو بہت بڑا دعویٰ ہے اور وہ بھی بغیر
دلیل کے۔ جبکہ ایمان تو محض اللہ کی رحمت ہے...... اللہ کی عطا...... اور وہی اس میں ترقی عطا
ہے۔

''کرامت کیا ہے......؟''

''اللہ کی عطا......!''

اور اس میں بھی آزمائش ہے۔

''اللہ نے سب کچھ مسخر کر دیا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو مرتبہ ہی اور ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے
بادشاہت سے نوازا، زبور کا علم عطا فرمایا۔ لوہا ان کے لئے نرم کر دیا۔ پہاڑوں اور پرندوں کو
کے لئے مسخر کر دیا کہ وہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتے۔ اور اللہ نے
حکمت اور مؤثر کلام سے سرفراز فرمایا۔

پھر اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہواؤں کو مسخر کر دیا۔ شیاطین



کے تابع فرمان بنا دیا جو آپ علیہ السلام کی خواہش کے مطابق آپ علیہ السلام کے لئے پختہ عمارتیں، حوضوں جیسے بڑے بڑے لگن اور بھاری دیگیں بناتے، جو چولہوں پر جمی رہتیں۔ اللہ نے آپ علیہ السلام کو پرندوں کی بولیاں سکھائیں۔ شیطانوں، انسانوں اور جنوں کے لشکر آپ علیہ السلام کے مطیع کر دیئے۔

یہ تو پیغمبر تھے۔ سورۂ نمل میں جہاں تذکرہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں کہا کہ کوئی ہے، جو ملکہ بلقیس کے تخت کو یہاں لے آئے تو ایک قوی الجثہ جن نے عرض کی کہ وہ دربار کے برخواست ہونے سے پہلے اس تخت کو لا سکتا ہے۔ وہاں کتاب کا علم جاننے والے ایک شخص نے کہا کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو یہاں لا سکتا ہے۔

اور اللہ کے حکم اور اس کی رحمت سے ایسا ہی ہوا۔

وہاں فاصلہ بیت المقدس سے یمن کا تھا۔ اور روایت ہے کہ ہیرے جواہرات سے جڑا وہ تخت اتنا بڑا اور بھاری تھا کہ اس کے نو دروازے تھے۔ اسے پلک جھپکتے یمن سے بیت المقدس، حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پیش کرنا، اللہ کی طرف سے کتاب کا علم رکھنے والے کے لئے نصرت اور انعام تھا۔

اور جس نے یہ کام کیا، وہ پیغمبر نہیں تھا، کتاب کا علم رکھنے والا تھا۔

اللہ نے وقت کو مسخر کر دیا، زمان و مکان کے فاصلوں کو مسخر کر دیا۔ جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے، صرف اس کی خوش نودی کے لئے زندگی گزارے، اللہ اس کے لئے جو چاہے، مسخر کر دے۔

''کتابُ اللہ کا علم......!''

دُنیاوی طور پر دیکھیں تو علم پہلے ہے، اور اس کے بعد عمل کی درستی۔ بچہ جب تک یہ نہیں جان لیتا کہ آگ جلاتی ہے، اس وقت تک وہ آگ سے نہیں ڈرتا۔ ہمیں علم ہے کہ بجلی کا ننگا تار پکڑیں گے تو ایسا کرنٹ لگے گا، جو مہلک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ تو ہم اس سے محتاط رہتے ہیں۔ معاشیات کا علم ہمیں بتاتا ہے کہ جب بازار میں کسی چیز کی افراط ہو تو اس کی قیمت گر جاتی ہے، اور اس کی قلت ہو جائے تو قیمت چڑھ جاتی ہے۔ ہم اس کے تحت ارزانی سے بچانے کے لئے اپنے مال کی رسد مناسب وقت تک کے لئے روک دیتے ہیں۔

مگر سوچیں تو یہ علم نہیں۔ یہ تو مشاہدات اور تجربات سے اخذ کی ہوئی معلومات کی بنیاد پر ہماری آگہی ہے، جو کبھی بھی غلط ثابت ہو سکتی ہے۔ علم تو بہت بڑی چیز ہے۔ وہ تو اٹل اور حتمی

ہوتا ہے۔ ہم اپنی جہالت کی بناء پر علم اور معلومات کو غلط ملط کر دیتے ہیں۔

علم تو سارے کا سارا اللہ کا ہے۔ وہ اس میں جتنا، جیسے چاہے، دے دے۔ اور فرمایا کہ علم مومن کی میراث ہے۔

علم کا سرچشمہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتابیں اور اس کے پیغمبر ہیں۔

زندگی دین کے بغیر گمراہی ہے، اور دین ایمان کے بغیر نہیں۔ تو ایمان بنیادی چیز ہوا۔ اور ایمان بہت مشکل ہے۔ ایمان سے پہلے تو اسلام ہے۔ اسلام نکتۂ آغاز ہے۔ اور اس میں علم کا کوئی دخل نہیں۔ اس میں دماغ اور عقل کا بھی کوئی کام نہیں۔ بس جو کتاب نے بتایا اور جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پڑھو، سنو اور مان لو۔ یہ صرف اطاعت کا معاملہ ہے۔ دل سے یقین کرو اور زبان سے اقرار۔ پھر عمل سے اسے ثابت کرو۔ تب داخلِ اسلام ہوگے، مومن نہیں، مسلم بنو گے، یعنی فرمانبردار، اطاعت کرنے والے۔ ایمان ابھی دُور ہے۔ اور علم تو بہت ہی دُور ہے۔

اطاعت کے ساتھ عمل نکتہ آغاز ہے۔ نماز، ذِکر، زکوۃ، صدقہ اور خیرات۔ جس عمل کا بھی حکم دیا گیا، اس عمل کو اللہ کی خوش نودی کے لئے اخلاص کے ساتھ بڑھ چڑھ کر کرو، اور کرتے رہو۔ کمی نہ ہونے پائے اس میں، تو اللہ خوش ہوگا۔ پھر وہ چاہے گا تو شکوک وشبہات دُور کر کے، شیطانی وسوسوں سے نجات عطا فرما کے تمہارے یقین کو استحکام عطا فرمائے گا۔ اور تم رُکے بغیر بڑھتے رہو تو وہ تمہارے یقین کو ایمان کی سرحد پر پہنچا دے گا۔

اور یاد رکھو۔ ایمان کی سلطنت بہت وسیع ہے۔ اس کی وسعت کے لئے زندگی بہت مختصر ہے۔

ہاں......! اللہ تم سے خوش ہو اور اس کی مرضی ہو تو تمہیں اس سرزمین میں آگے، بہت آگے لے جائے۔ لیکن سب کچھ کرنے کے باوجود یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔

تو دین کی دُنیا میں علم عمل کی راہنمائی نہیں کرتا۔ یہاں عمل تو صرف حکم پر ہوتا ہے۔ یہ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ حکم کیوں دیا گیا......؟ بس سنو، اور مان لو اور عمل پیرا ہو جاؤ۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ پہلے تسلیم پھر تفہیم۔ اور تفہیم تو آپ ہی ہو جائے گی۔ وہ تو تسلیم کرنے کا انعام ہے ناں......!

اطاعت، خلوص اور اگر خوش نصیب ہو تو محبت کے ساتھ حکم کی تعمیل کرو گے تو تمہارا ربّ تم سے خوش ہو کر تمہارے لئے علم کا ایک چھوٹا سا روزن کھول دے گا۔ تم اطاعت اور عمل میں آگے بڑھو گے تو وہ کھڑکی ہو جائے گی، پھر دریچہ، پھر دروازہ۔ یہ ربّ علیم کا کرم ہوگا تم پر۔ اس کا



بہت بڑا فضل۔

یاد رکھو، اقلیم علم بہت بڑی ہے۔ بہت بڑی سلطنت ہے یہ۔ وہ ظرف نہ دے تو تم سے ایک ذرّہ بھی نہ سنبھالا جائے۔

تو سورۂ نمل کی آیت نے بتایا کہ کتاب کا علم رکھنے والے کے لئے زمان و مکاں کے سب فاصلے سمٹ گئے۔ ایسی طاقت بھی ملی کہ بڑے سے بڑا بوجھ بھی ہلکا ہوگیا۔ یعنی جو کچھ اس نے انسانوں کے لئے مسخر فرمایا ہے، وہ سب اسے مل گیا۔ اور کیا کیا کچھ ملا......؟ یہ تو ہم نہ سمجھ سکتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں۔

اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ کتاب کا علم جسے ملا ہوگا، وہ اپنے ربّ کا کیسا مطیع ہوگا۔ اطاعت اور فرمانبرداری کے کس درجے پر فائز ہوگا۔ اور وہ یقیناً کتاب اللہ پر عامل ہوگا۔

یہ اللہ کی طرف سے دعوت ہے، بہت بڑی دعوت۔ جس وقت کی یہ بات ہے، اس وقت آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اللہ کی آخری کتاب، قرآن کا نزول نہیں ہوا تھا۔

مگر اب تو پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہو چکیں۔ قیامت تک کے لئے آخری کتاب نازل فرما دی گئی اور محفوظ فرما دی گئی۔ اس کتاب پر خلوص اور محبت کے ساتھ عمل کرنے کا کیا صلہ ہوگا......؟ کیا درجہ، کیا مقام، کیا مرتبہ ہوگا......؟

تو علم سے عمل نہیں، عمل سے علم ہے، اور علم سے اللہ کی ہمارے لئے مسخر کی گئی تمام چیزوں پر بالادستی۔

مومن کے لئے، اس کی اطاعت اور اعمال پر انعام کے طور پر اللہ نے وقت کو بھی مسخر کر دیا۔ لیکن عام بندوں کی سوچو۔ وقت ان کے لئے کیسا سخت، کیسا بھاری ہے......؟ ایک لمحے میں فراغت اور عیش و عشرت سے اُٹھا کر سختی، تنگی اور عسرت میں پٹخ دیتا ہے۔ اس کے سامنے بادشاہ بھی بے بس ہیں۔ اس پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ یہ اللہ کا امر ہے، حکم ہے۔ بس اللہ سے رجوع کرنا ہی اس کی سختی اور دست برد سے آدمی کو بچا سکتا ہے۔

اللہ کو خوش کرنے کی کوشش کرو، اور کرتے رہو، وہ چاہے گا تو نامہرباں وقت کو تمہارے لئے مہربان بنا دے گا۔ چاہے گا تو اس کی سختی کو ہلکا کر دے گا۔ چاہے گا تو مہینوں کو ہوا کے جھونکے کی طرح ہلکا اور تیز رفتار بنا دے گا۔ ورنہ وقت کی گرفت سے امان نہیں۔

وقت اللہ کا پیمانہ ہے۔ وقت اللہ کا آلۂ آزمائش ہے۔ وقت سے مفر نہیں۔ وقت کو

قرار نہیں۔ وہ تغیر و تبدل سے عبارت ہے۔ اس پر تمہیں اختیار نہیں دیا گیا۔ تم اس کی گرفت میں ہو۔ جب وہ نرم رَو ندی کی طرح بہتا ہے تو تم اللہ سے اور اس سے بے نیاز رہتے ہو۔ اور جب وہ تمہیں شکنجے میں کستا ہے تو تم اس کی دُہائی دیتے ہو، اسے برا بھلا کہتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے اعمال کے تسلسل سے وابستہ ہے۔ اس کے حساب سے چلتا ہے۔

''اور اللہ نے وقت کی، زمانے کی قسم کھائی ہے۔''

تو اس کی اہمیت تو مسلم ہوئی ناں......!

''اور آگے تو بڑھو۔ اللہ نے اس کی قسم کھا کر کیا فرمایا......؟''

اللہ نے فرمایا۔

''بے شک......! انسان بہت بڑے خسارے میں ہے۔''

''خسارہ......؟''

''نقصان......!''

یہ تو ان چیزوں میں سے ہے، جسے ہم خوب سمجھتے ہیں۔ جس کی ہم بہت فکر کرتے ہیں۔ ہر چیز سے بڑھ کر اس کی فکر کرتے ہیں۔

ہماری عام زندگی کی کامیابی اور ناکامی کی ناپ تول نفع اور نقصان ہی سے تو ہوتی ہے۔ نفع ہمیں خوش کر دیتا ہے، اور نقصان ہمیں کبھی پریشان، کبھی متوحش اور کبھی مشتعل کر دیتا ہے۔ کبھی ہمیں شکوے شکایت کی طرف لے جاتا ہے تو کبھی فریاد کی طرف۔ اور ہمیں نہیں معلوم ہوتا کہ اس طرح ہم اپنے خسارے میں اور اضافہ کر رہے ہیں۔

''بے شک......! انسان بہت بڑے خسارے میں ہے۔''

سوال یہ ہے کہ ہم خسارہ کسے سمجھتے ہیں......؟ ہمارے نزدیک خسارہ ہے کیا......؟

مگر اس سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ نفع کی کتنی اہمیت ہے ہمارے لئے۔ نفع وہ فائدہ ہے، جس سے ہم پوری طرح مطمئن کبھی نہیں ہوتے۔ جس کی ہم اتنا بڑھا چڑھا کر اُمید کرتے ہیں کہ وہ جب سامنے آتا ہے تو ہماری اُمید سے کم ہی ہوتا ہے۔

اور خسارہ اس کا اُلٹ ہے......!

خسارے کی کم از کم دو قسمیں ہیں۔ ایک تو ہم متوقع نفع میں کمی کو خسارہ کہتے ہیں، اور دوسرا سراسر خسارہ ہوتا ہے۔

اور ایک خسارہ وہ ہوتا ہے، جس کے ازالے اور تلافی کا کوئی امکان، کوئی صورت



موجود ہوتی ہے۔

اور ایک حتمی خسارہ ہوتا ہے، جس کا کوئی ازالہ کسی صورت ممکن نہیں ہوتا۔ وہ بدترین خسارہ ہوتا ہے۔

اور خسارے پر انسان کا ردِعمل......!

وہ ہمیشہ حسرت، تاسف اور پچھتاوے پر منتج ہوتا ہے۔ یا پھر گلے شکوے پر۔ اور گلہ شکوہ کسی سے بھی، درحقیقت اس کا رُخ اللہ کی طرف ہوتا ہے۔

اس میں ہم کچھ اس طرح کے جملے بولتے ہیں۔

''میں اگر اپنے گودام میں موجود چاول ایک ماہ اور روک لیتا تو اچھا ہوتا۔ اب چاول کی قیمت چڑھ گئی ہے۔ لاکھوں کا خسارہ ہوگیا مجھے۔ کاش میں نے جلد بازی نہ کی ہوتی۔ کچھ صبر کر لیا ہوتا۔ آہ......! لاکھوں کا منافع ہاتھ سے نکل گیا۔''

(یہ وہ خسارہ ہے جو درحقیقت خسارہ نہیں۔ کیونکہ کہنے والے نے اب بھی لاکھوں کا منافع کمایا ہے۔ ذخیرہ اندوزی کے نتیجے میں جو اسی چاول سے وہ مزید کئی لاکھ کماتا، اسے خسارے میں شمار کر رہا ہے۔ وہ منافع پر خوش ہونا بھول گیا اور مزید منافع کی حسرت میں مبتلا ہوگیا۔ اس پر افسوس کر رہا ہے، پچھتا رہا ہے)

''ہم نے مل کر چاول کی سپلائی روک دی تھی۔ سوچا تھا، مصنوعی قلت پیدا کریں گے اور قیمت بڑھائیں گے چاول کی۔ لیکن رات ایسی طوفانی بارش ہوئی اور اوپر سے ندی چڑھ آئی۔ گودام میں پانی بھر گیا۔ سب چاول خراب ہوگیا۔ ایک دانہ بھی نہ بچا۔ میں تو تباہ و برباد ہوگیا۔ کروڑوں کا چاول تھا بھائی......! اُف......! یہ منحوس بارش۔''

(یہ سراسر خسارہ ہے۔ کہنے والا یہ نہیں سوچ رہا ہے کہ اس نے لالچ کی۔ ذخیرہ اندوزی جیسے جرم کا ارتکاب کیا۔ وہ تو اپنے خسارے پر تڑپ رہا ہے، غم و غصے سے ایسا پاگل ہو رہا ہے کہ بارش کو، جو اللہ کی رحمت ہے، برا بھلا کہہ رہا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ یہ بارش ہی تھی کہ جس کی وجہ سے چاول کی اتنی اچھی فصل ہوئی تھی۔ نہیں سوچتا کہ اس کا خسارہ اس کے اپنے برے عمل کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بھی نہیں سوچتا کہ درحقیقت وہ تباہ و برباد نہیں ہوا۔ اس کے بینک اکاؤنٹ میں تو اب بھی کروڑوں روپے ہیں۔ ہاں......! خسارہ تو ان غریب اور عام لوگوں کو ہوا ہے، جو اس کے لالچ کی وجہ سے چاول کی قلت اور قلت کی وجہ سے محرومی سے دوچار ہوگئے ہیں۔ اور اس خسارے پر پچھتانے والے کو یاد دلایا جائے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اپنے کرتوت پر غور کرنے کے

بجائے اللہ پر اُلٹ ہوتا ہے۔ کہتا ہے۔ ''یہ تو اللہ نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی''۔

اور خسارے کے ردِعمل پر عام سے جملے یہ ہیں۔

''کاش......! ایسا نہ ہوا ہوتا۔ اگر میں نے یوں کر لیا ہوتا تو یہ نقصان نہ ہوتا۔ اگر میں نے یوں نہ کیا ہوتا تو میں اس خسارے میں نہ پڑتا۔ کاش......! اب بھی مجھے موقع مل جائے۔ کاش......! وقت واپس پلٹ جائے۔''

اور یہ ان خساروں کی بات ہے، جو لوگ اپنے لالچ اور برے عمل سے اپنے لئے کماتے ہیں۔ لوگوں کو دُنیا میں نقصان ان کے لالچ اور برے اعمال کے بغیر بھی تو ہوتا ہے۔ اللہ نے بتا تو دیا۔

''اور ضرور آزمائیں گے ہم تم کو کسی قدر خوف، بھوک
سے اور مبتلا کر کے نقصان میں جان، مال کے اور آمدنیوں کے۔''

تو یہ تو سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ نے فرمایا۔

''ہم ضرور آزمائیں گے۔''

اور آگے فرمایا۔

''اور خوش خبری دو صبر کرنے والوں کو۔ وہ لوگ، جب
پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں، بے شک ہم اللہ ہی کے
ہیں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن''

صبر یہ ہے۔ اور صبر یہ ہے کہ مصیبت زدہ کہتا ہے کہ یہ اللہ ہی کا عطا کیا ہوا تھا۔ اس کا شکر کہ اس نے مجھے نوازا تھا۔ اس کی مرضی کہ اس نے اپنی چیز واپس لے لی، اور مجھے یقین ہے کہ اس میں انشاء اللہ میری بہتری ہے۔ اور اللہ ہی میری پریشانی دُور کرنے والا اور میرا نقصان پورا کرنے والا ہے۔

پھر ان کے لئے اللہ فرماتا ہے۔

''یہی وہ لوگ ہیں کہ ان پر عنایتیں ہیں ان کے ربّ
کی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

اور جو صبر نہیں کرنے والے ہیں، ان کا تو بس یہی جی چاہتا ہے کہ وہ وقت میں پیچھے چلے جائیں اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کر کے اپنے نقصان سے نہ صرف بچ جائیں، بلکہ اس کو منافع میں تبدیل کر لیں۔ لیکن قانونِ قدرت کے تحت یہ ممکن نہیں۔ سو وہ حسرت کرتے ہیں، بے بسی محسوس کر کے ہاتھ ملتے ہیں، پچھتاتے ہیں اور ان کا پچھتاوا کبھی ختم نہیں ہوتا۔

لیکن اللہ سے رجوع کرنے والے بڑے سے بڑے نقصان کو بھول جاتے ہیں۔ اللہ ان کا دُکھ مٹا دیتا ہے۔ اور پھر بعد میں چاہے تو نہ صرف ان کا نقصان پورا کر دیتا ہے، بلکہ انہیں مزید نوازتا ہے۔

تو دُنیا میں نفع نقصان چلتا رہتا ہے۔ یہ زندگی کا حصہ، بلکہ لازمہ ہے۔ اس کی کوئی بڑی اہمیت نہیں۔ کیونکہ دُنیا میں ہر چیز فانی ہے۔ کسی چیز کو دوام نہیں۔ سب عارضی ہے۔ ہر شئے آنی جانی ہے...... موسموں کی طرح۔

اور یہاں جب بھی آدمی کسی نقصان پر غمزدہ ہوتا ہے تو اس کی شکایت یا پچھتاوے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ، ہر حال میں وقت ضرور شامل ہوتا ہے۔

کاش......! اس وقت میں نے تمہاری بات مان لی ہوتی۔

کاش......! میں اس وقت بائیں جانب مڑنے کے بجائے دائیں جانب مُڑ گیا ہوتا۔

کاش......! وہ وقت لوٹ آئے۔ اب میں غلطی نہیں کروں گا۔

کاش......! کاش......!

ہر ''کاش'' کا تعلق وقت سے ضرور ہوتا ہے۔

مگر یہ بہت بڑی حقیقت ہے کہ ہم خسارے کو سمجھتے ہی نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ خسارہ ہے کیا......؟ اور یہی سب سے بڑا خسارہ ہے۔

ایمان نہ لانے سے بڑا کوئی خسارہ نہیں۔ اس کے بعد اللہ سے منہ پھیرنے سے بڑا خسارہ کوئی نہیں۔ اور اس کے بعد گستاخی اور سرکشی کے ساتھ، خوب سوچ سمجھ کر اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔ اور سوچتے چلے جائیں تو یہ سلسلہ رُکے گا ہی نہیں۔

اب سوچیں تو یہ دُنیا اور اس دُنیا کی زندگی بہت بڑی نعمت ہے۔ وقت کا ایک ایک لمحہ، جسے مہلت کہیں یا زندگی، بہت بڑی نعمت ہے۔ یعنی خود وقت بہت بڑی نعمت ہے۔

''کیوں......؟''

اس لئے کہ اللہ کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس نے اپنے رحمت سے پوری کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے اور اس کی بخشش اور عطا بے حد ہے۔ اور اس کی مغفرت کا دامن بہت وسیع ہے، اتنا وسیع کہ روزِ اوّل سے آج تک زمین پر سانس لینے والوں نے جتنے گناہ کئے، وہ اس کی مغفرت

کے دامن کے ایک گوشے میں چھپ جائیں۔ اور اللہ اپنی اس رحمت اور مغفرت کے ساتھ ہر لمحہ ہم میں سے ہر ایک کو پکارتا ہے۔

''آؤ، اب بھی مجھ سے رجوع کر لو۔ توبہ کے دروازے کھلے ہیں۔ جو بڑے بڑے خسارے تم نے اب تک کمائے ہیں، میں ان سب کو مٹا دوں گا۔ اور رجوع کرنے کے بعد میری اطاعت کرو گے تو تمہیں انعام میں دائمی نفع عطا کروں گا۔ آؤ، اس سے پہلے کہ تمہاری مہلت ختم ہو جائے۔ آجاؤ، میرے پاس تمہارے لئے امان بھی ہے اور دائمی انعام بھی ہے۔ مہلت ختم ہوگئی تو پھر صرف حساب ہوگا اور ایسا حساب کہ اس کی باریکی تمہیں ششدر کر دے گی۔ تمہارا ایک ایک پل، ایک ایک بات اور چھوٹے سے چھوٹا عمل، اچھا ہو یا برا، ہمارے پاس محفوظ ہے، جس سے تم انکار نہیں کر سکو گے۔''

لیکن آدمی غفلت شعار ہے۔ اس کے پاس دُور تک دیکھنے والی نظر ہی نہیں۔ وہ تو اپنے آج میں مگن ہے۔ وہ تو دُنیا کے نفع کے لئے سرگرداں اور دُنیا کے خسارے سے بچنے کے لئے مصروف ہے۔ وہ تو بتانے پر بھی نہیں سمجھتا کہ یہ دُنیا کا نفع نقصان تو آزمائش ہے۔ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں۔ آرام اور تکلیف، خوش حالی اور تنگ دستی، خوشی اور غم، کامیابی اور ناکامی، پانا اور کھونا، ہارنا اور جیتنا، عزت او ذِلت، صحت اور بیماری...... یہ تو اس دُنیا کی زندگی میں اسی کا حصہ ہے، جسے وہ تبدیل نہیں کر سکتا، چاہے کتنا ہی زور لگا لے۔ وہ مگر اسی میں وقت ضائع کرتا ہے۔ بے سود......!

اللہ نے بہت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اس تک پیغام پہنچا دیا کہ تم سے ایک مقرر دن کا وعدہ ہے، ملاقات کا وعدہ۔ اور وہ بہت خوف ناک دن ہوگا تمہارے لئے۔ اس میں حساب ہوگا۔ رائی برابر نیک عمل کی جزا ملے گی اور رائی برابر برے عمل کی سزا۔ اور تمہارے ساتھ پورا پورا ناپ تول اور حساب کیا جائے گا۔ اور تمہارے ساتھ ناانصافی اور ظلم ہرگز نہیں ہوگا۔ نزع کے وقت سے پہلے پہلے دُنیا میں تمہارے لئے رجوع کی مہلت ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ سچائی کے ساتھ رجوع کرو گے، نیک ارادے کے ساتھ تو زمین بھر گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے۔ لیکن نزع کا وقت آگیا تو مہلت ختم۔

اس دن کا وعدہ ہے سب سے۔ اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔

اللہ نے وقت کی، زمانے کی قسم کھا کر مطلع فرمایا۔

''بے شک......! انسان بہت بڑے خسارے میں ہے۔''

''خسارہ......؟''



''بہت بڑا خسارہ......!''

''یہ کیسا خسارہ ہے......؟ کون سا خسارہ ہے......؟''

انسان تو ساری زندگی زیادہ سے زیادہ نفع کمانے اور خسارے سے بچنے کی کوشش میں گزار دیتا ہے۔ پھر بھی اللہ وقت کی قسم کھا کر اسے بتاتا ہے کہ وہ بہت بڑے خسارے میں ہے۔

''یہی تو اصل خسارہ ہے......!''

دُنیا کے نفع نقصان کا تو بتا دیا گیا کہ کہیں وہ گردشِ زمانہ سے ہے اور کہیں آزمائش۔ یعنی دُنیا کا نفع نفع نہیں اور نقصان نقصان نہیں۔

سورۂ کہف کے آخری رکوع کی ایک آیت میں اللہ نے ان لوگوں کے بارے میں بتایا۔

''جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نامراد ہیں۔
وہ لوگ جن کی زندگی دُنیا کے حصول کی کوششوں میں صرف ہوگئی اور
وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔''

''یہی تو اصل خسارہ ہے۔''

اللہ نے زندگی عطا فرمائی تو متاعِ حیات فراہم کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ تو زندگی سے پہلے متاعِ حیات، آدمی کا رزق جاری فرما دیتا ہے۔

مگر آدمی دُنیا کے حصول کے لئے بڑھ چڑھ کر محنت کرتا ہے۔ دن رات ایک کرتا ہے۔ جو کچھ ملتا ہے، اسے اپنی محنت سے منسوب کرتا ہے۔ وہ گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔ پھر نرمی اور شفقت سے سمجھانے والا ربّ اس پر رحمت فرماتا ہے۔ سختی کے ذریعے اسے ہدایت سے نوازتا ہے کہ شاید اب اس کی سمجھ میں آجائے۔ وہ کسی سرزمین کو بارش سے محروم کر کے قحط میں مبتلا کر دیتا ہے۔ محنت پر ناز کرنے والوں کو محنت ہی جڑ سے کٹ جاتی ہے۔ محنت کرنے کے لئے نہ کوئی میدان رہتا ہے اور نہ ہی جان رہتی ہے۔ ہڈی چمڑا ایک ہو جاتا ہے۔ وہ ناتوانی کے عالم میں بھوک سے نڈھال بیٹھا امداد کا انتظار کرتا ہے، روٹی کے ایک ٹکڑے کا، لقمہ بھر چاول کا اور گھونٹ بھر پانی کا۔

اور وہ پیغام صرف قحط زدہ لوگوں کے لئے نہیں، ساری دُنیا، تمام انسانوں کے لئے ہوتا ہے۔ سب کے لئے عبرت، عبرت میں ہدایت۔

اور پیغام بالکل واضح ہے۔ رزق دینے والا اللہ ہے۔ سامانِ زیست وہی فراہم کرتا ہے۔ اس کے لئے اس نے وسائل پیدا فرمائے، ایک نظام بنایا اور اہتمام فرمایا، زمین کو ہموار کیا،

بارش برسائی، صاف ستھرے میٹھے پانی کے لئے جھیلیں بنائیں۔ ندیاں، دریا اور چشمے جاری فرما
اس کے ذریعے سے پھل اور سبزیاں عطا فرمائیں۔ غذائی اجناس کے حصول کے لئے فصل کا
فراہم کیا۔ تبھی تو تم نے فصل اُگائی۔ پھر فصل بھی اسی نے عطا فرمائی۔ ورنہ کھڑے کھیت بھی
ہو جاتے ہیں۔

مگر انسان محنت پر اکڑتا رہا۔

پھر قحط دکھا کر اللہ نے اسے سمجھایا کہ متاعِ زیست محض انسان کے وسائل سے
حاصل ہوتی۔

اور اصل رزق، متاعِ حیات تو یہی ہے۔ گندم، چاول، پھل اور سبزیاں اور گوشت
زمین پر اور سمندر میں شکار سے حاصل ہوتا ہے۔ باقی سب کچھ تو دنیاوی زیست ہے، تعیشات
جو ایسے ضروری نہیں۔

مگر یہ بات تو صرف قحط کا شکار ہونے پر سمجھ میں آتی ہے۔ مگر پھر بھی کہاں سمجھ
آتی ہے......؟

سورۂ کہف کے آخری رکوع کی آیت واضح کر دیتی ہے۔

''زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ سامانِ عیش وعشرت کا
حصول اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنا ہرگز نہیں۔ جس نے ساری
زندگی اس میں گزار دی، وہ سب سے بڑھ کر نامراد ہے۔''

''تو پھر زندگی کا مقصد کیا ہے......؟ اللہ نے ایک خاص اور مقررہ مدت کے لئے
کیوں ہمیں عطا فرمائی......؟''

اس کا جواب بھی واضح ہے۔

اللہ پر ایمان لاکر، اس کی اطاعت کے ساتھ، اس کو خوش کرنے کے لئے اس
احکامات پر پوری طرح اور بڑھ چڑھ کر عمل کرنے کے لئے۔ یومِ حساب کی تیاری کے لئے۔
دن کے لئے، جب وہ خالی ہاتھ، اپنے گلے میں اپنا اعمال نامہ لٹکائے۔ سب کچھ جاننے والے
ربّ کی بارگاہ میں جواب دہی کے لئے کھڑا ہوگا۔

اور وہ بہت سخت دن ہوگا اور اس کے بارے میں اللہ ہی جانتا ہے کہ وہی تو ہے
ازل تا ابد ایک ایک لمحے کا حال معلوم ہے۔ اور اس نے ہمیں اپنی آخری کتاب میں ہمیں
جھلک دکھا دی ہے۔



حٰم سجدہ کی اُنیسویں اور بیسویں آیت میں اللہ فرماتا ہے۔

''اور جس دن گھیر کر ہانکے جائیں گے دُشمن اللہ کے
آگ کی طرف۔ پھر ان کی درجہ بندی کی جائے گی۔ یہاں تک کہ
جب وہ سب وہاں آجائیں گے تو گواہی دیں گے اُن پر اُن کے کان
اور اُن کی آنکھیں اور اُن کے جسم کی کھالیں بہ سبب ان اعمال کے، جو
وہ کرتے رہے۔''

ایسے میں کون انکار کرسکتا ہے، جب گناہوں میں استعمال ہونے والے اعضاء اور
انسان کا جسم خود ان پر گواہی دے رہا ہو......؟

پھر سورۂ المومن کی آیات ایک سو چھ اور ایک سو سات میں اللہ فرماتا ہے۔

''وہ دن، جب سب لوگ بے پردہ ہوں گے۔ نہ
چھپی ہوگی ان پر اللہ کی کوئی بات۔ پوچھا جائے گا، کس کی بادشاہی
ہے آج؟ (سارا عالم پکار اُٹھے گا) اللہ واحدِ قہار کی۔ آج بدلہ دیا
جائے گا ہر متنفس کو اس کی کمائی کا۔ نہ ظلم ہوگا کسی پر آج۔ بلاشبہ اللہ
بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔''

''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه ...... وَمَنْ يَّعْمَلْ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه''

اور سورۂ المومن کی ایک سو آٹھویں آیت میں اللہ نے فرمایا۔

''اور ڈراؤ تم ان لوگوں کو اس دن سے، جو قریب آگیا
ہے جب کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے۔ اور لوگ چپ چاپ غم کے
گھونٹ پی رہے ہوں گے۔ نہیں ہوگا ظالموں کے لئے کوئی مشفق
دوست اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا، جس کی بات مانی جائے۔''

اللہ نے قرآنِ پاک میں بارہا جہنم کا ہولناک نقشہ بیان فرمایا۔ اسے دیکھنے کے بعد
گناہ گاروں کا جو ردِعمل ہوگا، اسے بھی کئی آیات میں بیان فرمایا۔

سورۃ الشوریٰ کی ایک آیت بتاتی ہے۔

''اور دیکھو گے تم ظالموں کو، جب دیکھیں گے وہ
عذاب تو کہیں گے، کیا دُنیا میں پلٹنے کا کوئی راستہ ہے؟''

اور سورۃ المومن کی ایک آیت میں اللہ نے فرمایا۔

''وہ (کفر کرنے والے) کہیں گے، اے ہمارے
رب! موت دی تو نے ہمیں دوبارہ اور زندہ بھی کیا تو نے ہمیں
دوبارہ۔ سو اعتراف کرتے ہیں ہم اپنے گناہوں کا۔ تو کیا اس
(عذاب) سے نکلنے کا ہے کوئی راستہ؟''

یہ بھی کئی جگہ بیان ہوا ہے کہ جہنمی لوگ اللہ سے التجا کریں گے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے اور دُنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔ وہ یقین دلاتے ہیں کہ اس بار وہ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے۔ لیکن اللہ کا فرمان ہے کہ یہ دن فیصلے کا ہے اور کسی طرح ٹلنے والا نہیں اور اس کے متعلق تمام انسانوں اور جنوں کو مسلسل آگاہ اور خبردار کیا جاتا رہا۔ ساتھ ہی اللہ، عالم الغیب بھی بتاتا ہے کہ اگر ان لوگوں کو دوبارہ موقع دیا جائے، تب بھی وہ یہیں کچھ کریں گے۔

''اور جہنم میں جانے کے بعد......؟''

سورۂ زخرف کی ایک آیت مبارکہ میں ہے۔

''اور وہ پکاریں گے (جہنم کے داروغہ کو) کیا اچھا ہو کہ
کام ہی تمام کر دے ہمارا تمہارا رب!''

یعنی وہ موت کی آرزو کریں گے، جبکہ یہ ابدی زندگی ہوگی، جس پر انہوں نے دُنیا میں عارضی زندگی کو فوقیت دی تھی۔

سورۃ النبا کی آخری آیت میں اللہ فرماتا ہے۔

''بے شک ہم نے آگاہ کر دیا ہے تم کو اس عذاب
سے، جو جلد ہی آنے والا ہے۔ اس دن دیکھ لے گا ہر شخص وہ کچھ، جو
کر کے آگے بھیجا ہے اس نے اپنے ہاتھوں۔ اور کہے گا کافر، کاش
ہوتا میں مٹی!''

وہی قوت کی آرزو، حالانکہ دُنیا میں زندگی سے اتنی محبت تھی کہ موت سخت ناپسند تھی۔

''اور خسارہ......!''

سورۂ الجاثیہ کی ستائیسویں آیت میں اللہ نے فرمایا۔

''اور جس دن آکھڑی ہوگی گھڑی قیامت کی، اس دن



خسارے میں پڑ جائیں گے باطل پرست لوگ۔''

اور سورۃ الزمر کی تریسٹھ ویں آیت میں اللہ نے واضح طور پر فرما دیا۔

''اور وہ لوگ جو انکار کرتے رہے، یہی لوگ ہیں
خسارے میں رہنے والے۔''

''خسارہ......!!''

سورۂ کہف کے آخری رکوع کی آیت نمبر ایک سو تین اور ایک سو چار میں اللہ نے فرمایا۔

''ان سے کہئے، کیا خبر دیں ہم تمہیں ان لوگوں کی جو
سب سے زیادہ ناکام اور نامراد ہیں اپنے اعمال کے لحاظ سے۔ وہ کہ
''ضائع'' ہوگئی جن کی جدوجہد دُنیاوی زندگی کے کاموں میں، اور وہ
''سمجھتے رہے'' کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔''

اس دُنیا کی زندگی میں ہم خسارہ کسے سمجھتے ہیں......؟ کسے کہتے ہیں خسارہ......؟

اپنی عزیز ترین چیزوں اور ہستیوں میں کسی بھی نوعیت کا نقصان اور کمی......!

مال کے نقصان پر تو ایسا تڑپتا ہے آدمی کہ زندگی بھر اس کا ملال نہیں جاتا۔ اقتدار کا بھی یہی معاملہ ہے۔ لیکن یہ بھی کہ لوگوں کی اپنی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں محبت کے معاملے میں۔ اپنے اپنے مزاج اور فطرت کے مطابق۔ البتہ بہت کچھ مشترک بھی ہوتا ہے۔

اولاد کی اور بیوی کی محبت بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کو سنگین خطرہ لاحق ہو تو آدمی تڑپ کر ڈاکٹر سے کہتا ہے۔

''کچھ بھی کرو، اسے بچالو......! خرچے کی پرواہ نہ کرنا۔ میری ساری دولت بھی چلی جائے تو غم نہیں۔''

اور کوئی احسان شناس ہوتا ہے۔ اپنے محسن کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے، جان بھی دے سکتا ہے۔

اور کسی کے نزدیک عزت بڑی چیز ہے۔ بیوی اور بیٹی کی عزت کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

ماں، باپ اور بھائی بہن کی محبتیں بھی بہت بڑی ہیں۔

ان میں ہر کمی دُنیا میں خسارہ ہے آدمی کے لئے۔ کاروبار میں نقصان، بیوی کی موت،

جوان اولاد کی معذوری، بیٹی کی بے آبروئی، محسن کی ایسی پریشانی، جس میں اس کی کسی بھی طرح
نہ کی جا سکے۔ یہ سب خسارے ہیں، اور بھی بے شمار ہیں، جنہیں آدمی عمر بھر روتا رہتا ہے۔

مگر وہ جانتا ہی نہیں کہ خسارہ کس بھیانک بلا کا نام ہے......؟ اس لئے کہ وہ قرآ
پڑھ کر نہیں سمجھتا اور سمجھ کر نہیں پڑھتا۔ اللہ نے تو ہر کسی کو صاف صاف بتا دیا ہے کہ خسارہ
ہے......؟ مگر اسے تو پتا ہی نہیں چلتا کہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی مہلت کم ہوتی جا رہی
اور بھیانک خسارے میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

وہ بے خبر ہے۔ اور یہ بے خبری سب سے بڑا خسارہ، اور اس کے ہر خسارے
بنیادی سبب ہے۔

اللہ نے تو ہر ہر طرح سے آدمی کو خبردار کر دیا۔

''اے انسان! بے شک، تو چلا جا رہا ہے اپنے ربّ کی
طرف کشاں کشاں۔ بالآخر اس کے حضور پیش ہونا ہے تجھے۔''

(سورۂ انشقاق: ۱

''پس میں نے خبردار کر دیا ہے تم کو بھڑکتی آگ سے۔
نہیں جھلسے گا اس میں، مگر وہ انتہائی بدبخت، جس نے جھٹلایا اور منہ
پھیرا۔''

(سورۃ اللیل: ۱۶۔

اللہ نے دُنیا کو عاجلہ فرمایا۔ جلدی حاصل ہو جانے والی۔ مگر آخرت، ابدی زندگی
آسانی سے نہیں سنورتی۔

فرمایا۔

''یقیناً یہ لوگ محبت رکھتے ہیں جلدی حاصل ہو جانے
والی (دُنیا) سے اور نظر انداز کئے دے رہے ہیں اپنے پیچھے ایک
بھاری دن کو۔''

(سورۃ الدھر:

''ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ محبت رکھتے ہو
عاجلہ (دُنیا) سے اور چھوڑ دیتے ہو آخرت کو۔

(سورۃ القیمۃ: ۲۱۔



''ہر شخص اپنے کمائے ہوئے اعمال کے بدلے میں
رہن ہے۔''

(المدثر: ۳۸)

سو خسارہ سرسری حساب پر نہیں ہوتا کہ کہہ دیا، میرا لاکھوں کا نقصان ہوگیا۔ خسارے کا
تو مکمل حساب کے بعد چلتا ہے۔ اور حساب کا، اللہ سے ملاقات کا دن مقرر ہے۔ جسے قیامت
کہتے ہیں۔ اس دن بہت باریکی سے حساب ہوگا۔ صلہ دیا جائے گا ذرّہ برابر نیکی کا بھی اور ذرّہ برابر
بدی کا بھی۔

اللہ نے صاف صاف بتا دیا، ہر ہر طرح سے خبردار کر دیا۔

سورۂ حدید کی بیسویں آیت میں فرمایا۔

''خوب جان لو کہ دُنیاوی زندگی کی حقیقت کھیل اور
تماشہ اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور ایک دوسرے پر فخر جتانا ہے، اور ایک
دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے مال اور اولادیں۔ اس کی
مثال ایسے ہے، جیسے بارش ہو اور خوش کر دے کاشت کاروں کو اس
سے پیدا ہونے والی نباتات پر۔ پک جائے وہ تو دیکھتے ہو تم کہ وہ
زرد ہوگئی ہے، اور بن کر رہ گئی ہے بھُس۔ اور آخرت میں ہے سخت
عذاب یا مغفرت اللہ کی طرف سے اور اس کی خوشنودی۔ اور نہیں ہے
دُنیاوی زندگی مگر سامان دھوکے کا۔''

اور سورۂ کہف کی ساتویں اور آٹھویں آیت میں اللہ فرماتا ہے۔

''واقعہ یہ ہے کہ بنایا ہے ہم نے ان (سب چیزوں)
کو جو زمین پر ہیں زینت اس کے لئے تاکہ آزمائیں ہم لوگوں کو کہ
کون ان میں بہتر ہے عمل کے لحاظ سے۔ اور یقیناً ہم بنا دیں گے اس
سب کو جو زمین پر ہے (بالآخر) ایک چٹیل میدان۔''

قیامت کا دن، خسارے کا دن......! خاص طور پر ان لوگوں کے لئے، جنہوں نے اس
پر یقین ہی نہیں کیا۔ اور ان لوگوں نے جنہوں نے یقین کیا، لیکن اسے بہت دُور دراز سمجھتے
رہے چنانچہ اس کی فکر ہی نہیں کی۔ اس دن کے لئے اللہ کو خوش کرنے والے اعمال ہی نہیں کئے کہ
وہ مہربان ہو کر ان کے حساب کو اپنی رحمت اور مغفرت سے آسان کر دے اس دن کہ اس دن بادشاہی

تو اسی کی ہوگی۔ وہ عذاب تو کسی کو ایک ذرّہ برابر بھی زیادہ نہیں دے گا۔ لیکن جسے چاہے گا، ہونے کے باوجود بخش دے گا۔

جسے آدمی دُنیا میں خسارہ قرار دے کر اس پر کڑھتا ہے، پچھتاتا ہے، اس کا موازنہ خسارے سے کیا جا سکتا ہے، جسے اللہ خسارہ قرار دیتا ہے......؟

''آخرت کا خسارہ......!''

''اور وہ خسارہ کیسا ہوگا......؟ اور کیا ہوگا......؟''

''پھر جب آئے گی بہرا کر دینے والی آواز۔ اس دن
بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں سے، اور اپنے باپ سے،
اور اپنی بیوی سے، اور اپنی اولاد سے۔ ہر شخص ان میں سے اس دن
ایسی حالت میں ہوگا کہ اسے اپنی پڑی ہوگی۔''

(سورہ عبس: ۳۳

دُنیا میں رشتے اور اہم ترین محبتیں، جن میں کمی، محرومی اور نقصان کو آدمی خسارہ ہے، قیامت کے دن وہ ان سب سے بے نیاز، بلکہ بے زار ہوگا، اور ان سے بھاگے گا۔ صرف اپنی فکر ہوگی۔

پھر اور آگے بڑھ کر فرمایا۔

''اور نہ پوچھے گا کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست
کو، حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔''

(نفسا نفسی)

''خواہش کرے گا مجرم، کاش وہ فدیے میں دے دے
اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے
بھائی کو اور اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دیا کرتا تھا۔ اور
ان کو جو زمین میں ہیں، سب کو۔ اور اس طرح نجات دلا دے یہ
اپنے آپ کو۔''

(المعارج

عبدالحق نے گھبرا کر قلم رکھ دیا۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ ہاتھ طرح کانپ رہا تھا کہ لکھنا ممکن ہی نہیں تھا۔



''یہ ہے اصل خسارہ......! زبردست خسارہ......!''

اب وہ سوچ رہا تھا۔

وہ کیسا عذاب ہوگا، جس سے بچنے کے لئے آدمی اپنی اولاد کو ہنسی خوشی بطور فدیہ دے دے......؟ وہ اولاد، جس کی ذرا سی تکلیف پر وہ تڑپ جاتا تھا۔ اس کے اختیار میں ہو تو وہ اپنی جگہ اسے جہنم رسید کرا دے۔ وہ بیٹا، جس کی معذوری کو اس نے دُنیا میں بہت بڑا خسارہ سمجھا، جسے معذوری سے بچانے کی کوشش میں اس نے پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا، اس دن وہ اتنا بے وقعت ہو جائے گا۔

محسن کی تو حیثیت ہی کیا ہے......؟ اگر اللہ اجازت دے تو وہ اپنی محبوب بیوی کو، اپنے چہیتے بھائی کو خود جہنم میں دھکیل دے، صرف خود کو جہنم کے عذاب سے بچانے کے لئے۔ وہ بیوی، جس کی محبت میں، جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دُنیا میں اس نے اللہ کے احکامات کو بھی پس پشت ڈال دیا تھا، کیا اتنی حقیر تھی......؟

اس دن پتا چلے گا کہ دُنیا کی ہر نعمت، ہر چیز ایسی ہی حقیر تھی۔ لیکن آدمی دُنیا میں یہ بات نہیں سمجھ سکا۔ اس دن پتا چلے گا کہ اہمیت تو بس اپنی ذات کی تھی۔ مگر اس میں سے نفس کو نفی کر کے۔

اس دن خسارے کا مطلب سمجھ میں آئے گا۔ حالانکہ مہربان رب نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا، بتا دیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس نے کتاب کھول کر ہی نہیں دیکھی۔ پڑھی تو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

کیسا زبردست خسارہ ہے......؟ اب تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ مہلت جو ملی تھی، گزر چکی۔ وقت ہاتھ سے نکل چکا۔ اور جو وقت گزر گیا، وہ کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ عمل کو مٹانے کا موقع نہیں دیتا۔

اللہ نے فرمایا۔

''وقت کی، زمانے کی قسم......! انسان بہت بڑے
خسارے میں ہے۔''

اور اللہ نے جو فرمایا، وہ حق ہے۔

سمجھ لو کہ آدمی کو دُنیا میں کیوں بھیجا گیا......؟

جب آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام نے شیطان کے بہکاوے میں آ کر اللہ کی

نافرمانی کی اور جنت سے نکالے گئے تو اللہ نے عنایت کی۔ آدم علیہ السلام کو توبہ کرنا سکھایا، توبہ کے لئے الفاظ عطا فرمائے۔ گویا ایک دفاعی ہتھیار انہیں دے دیا۔ بتا دیا کہ خطا تو تم کرو گے۔ جب بھی ایسا ہو تو توبہ کر لینا۔ میں بہت مہربان، بخشش والا اور توبہ کو قبول کرنے والا ہوں۔

اور ساتھ ہی ایک واضح اور راہنما، ابدی اور سب سے بڑی نصیت سے نوازا۔

"تو اب آتی رہے گی میری طرف سے ہدایت۔ سو جن لوگوں نے میری ہدایت کی پیروی کی، ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔"

"کتنی بڑی خوش خبری......!"

نہ کوئی خوف، نہ غم۔ یہ خوف اور غم تو خسارے کا فساد ہے۔

مگر ساتھ ہی تنبیہ بھی فرمائی۔

"اور جن لوگوں نے میری نشانیوں کا انکار کیا اور انہیں جھٹلایا، وہ اہل جہنم ہیں۔ اور وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔"

"یہ ہے عظیم ترین خسارہ......!"

میدانِ حشر میں سب لوگ کھڑے ہوں گے تو وہ خالی ہاتھ ہوں گے۔ مال و متاع، رشتے ناطے، محبتیں اور تعلقات، زمین، جائیداد اور اقتدار...... یہ سب کچھ تو موت کے ساتھ ہی منقطع ہو گیا تھا۔ صرف اعمال رہ گئے تھے۔ اور چھوٹا بڑا، اچھا برا عمل اس کے اعمال نامے میں موجود ہوگا۔

اب ایسے میں کوئی اللہ سے بخشش طلب کرے اور اللہ پوچھے کہ کچھ ہے تیرے پاس، جس کے بدلے میں تجھے معاف کر دوں۔ تو کچھ بھی نہیں ہوگا اس کے پاس۔ جو تھا، وہ تو اللہ نے ہی آزمائش کے لئے دیا تھا۔

وہ محبوب بیوی کی طرف دیکھے گا تو وہ منہ پھیر لے گی۔ اسے اپنے انجام کی فکر ہوگی۔ جانثار بیٹے کی طرف اُمید سے دیکھے گا تو وہ نظر جھکا لے گا۔ وہ اپنی پریشانی میں ہوگا۔

اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ اس دن کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ اپنا بوجھ آپ ہی اُٹھانا ہے۔

اور اللہ اعمال نامہ اس کو اسے دلوائے گا کہ اسے دیکھ لے۔ آج تو اپنا حساب خود بھی کر سکتا ہے۔



"یہ ہے عظیم ترین خسارہ......!"

"سمجھ لو کہ آدمی کو دُنیا میں کیوں بھیجا گیا......؟ زندگی کا مقصد کیا ہے......؟"

صرف ایک ہی جواب ہے۔

"اللہ کی اطاعت کے لئے۔ کیونکہ قیامت کے دن بادشاہی صرف اس کی ہوگی۔ وہ جس سے خوش ہو، اسے اعمال کی میزان ہلکی ہونے کے باوجود بخش دے گا۔ جہنم سے بچا لے گا۔ چاہے گا تو جنت عطا فرما دے گا۔"

زندگی کا مقصد ہے اللہ کی خوش نودی حاصل کرنا۔ اور اللہ کی محبت۔

سورۂ بقرہ میں اللہ نے فرمایا۔

"انسانوں میں بہت سے ایسے ہیں، جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے ویسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہئے۔ اور جو ایمان والے ہیں، وہ اللہ سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

ماں، باپ، اولاد، بیوی، بھائی، رشتہ دار اور دوست، کوئی اس دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ ہاں اگر اس نے ان سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کی تو اس روز فیصلہ کرنے والا وہی تو ہوگا۔ کیا وہ اپنے محبت کرنے والے کو نہیں بخشے گا......؟

اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا، جب تک تم دُنیا کی ہر چیز اور ہر رشتے اور ہر انسان سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرنے لگو۔

اور قیامت کے دن صرف اللہ کی رحمت اور مغفرت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہی تمہیں بچا سکتی ہے۔

مگر آدمی زندگی بھر دُنیا کی محبت میں اُلجھا رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دُنیا حاصل کرنے کی دُھن میں گم رہتا ہے۔

"یہی تو ہے عظیم ترین خسارہ......!"

اللہ نے فرمایا۔

"وقت کی، زمانے کی قسم......! انسان بہت بڑے خسارے میں ہے۔"

لیکن اللہ کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کی مغفرت کا دامن اتنا وسیع ہے کہ اس کا ایک گوشہ زمین بھر گناہوں، سمندروں کے جھاگ جتنے گناہوں کو ڈھانپ لے۔

سو اس تنبیہ کے بعد اس نے استثنا سے نوازا......!

''وقت کی، زمانے کی قسم......! انسان بہت بڑے
خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے۔''

تو ایمان پہلی چیز ہے۔ جو ایمان ہی نہیں لائے، ان کے تو بے حد و بے حساب نیک اعمال بھی غارت ہو گئے۔ غارت ہو گئے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کو صلہ یہ نہیں ملے گا۔ اللہ عادل ہے، منصف ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نیک عمل کا اجر عطا نہ فرمائے......؟ وہ کافروں کو بھی نیک اعمال کا اجر عطا فرماتا ہے، مگر صرف دُنیا کی زندگی میں۔ آخرت کی زندگی میں ان کے لئے کوئی اجر نہیں۔ اور یہ عین انصاف ہے۔ وہ صرف فانی دُنیا اور اس کی زندگی پر یقین رکھتے تھے، تو ان کا عمل بھی یہیں ختم ہو گیا۔ آخرت پر ان کا ایمان ہی نہیں تھا تو ان کا عمل وہاں تک کیسے پہنچتا......؟

نیک اعمال بھی سب سے بڑی مصیبت کے وقت کام نہیں آ سکیں گے۔

''کتنا بڑا خسارہ ہے یہ......!''

اور اللہ نے اپنی آخری کتاب میں ایمان والوں کو راہ دکھائی۔ سورۃ القمر کی ۱۷ویں آیت میں اللہ نے فرمایا۔

''اور بلاشبہ آسان بنا دیا ہے ہم نے قرآن کو نصیحت
کے لئے۔ تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔''

اور قرآن میں ایمان لانے والوں کو بھی خبردار کیا۔ سورۃ المنافقون کی نویں آیت میں اللہ فرماتا ہے۔

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ غافل کریں تمہیں
تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذِکر سے۔ اور جو کرے گا ایسا سو ایسے
ہی لوگ ہیں خسارے میں رہنے والے۔''

''خسارہ......!''

''ایمان لانے کے باوجود خسارہ......!!''

''ذِکر کیا ہے......؟ جس نے غافل ہونے میں خسارہ ہے......؟''

''اللہ کا ذِکر......!''

اللہ کی پاکی، اس کی عظمت بیان کرنا ذِکر ہے۔ اس کی حمد کرنا ذِکر ہے۔ بلکہ اس کے متعلق محبت اور احسان مندی سے گفتگو کرنا بھی ذِکر ہے۔ اور یہ سب جتنا بھی کرو، کم ہے، بہت کم



ہے۔

لیکن ذِکر کے معنی نصیحت کے بھی ہیں۔

''وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ''

''اور بلاشبہ آسان بنا دیا ہے ہم نے قرآن کو نصیحت
کے لئے۔''

قرآن ہے ہی اللہ کی نصیحت، برے اعمال کے نتائج سے ڈرانے والا، اور اچھے اعمال پر خوش خبری سنانے والا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل، وہ بھی یہی کچھ کرتا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر قرآن پر عامل تھے۔

تو یہ سب اللہ کا ذِکر ہے۔ اس سے غافل ہونے میں ایمان والوں کے لئے خسارہ ہے۔ اللہ نے خبردار کر دیا۔ مال اور اولاد کی محبت میں اس سے غافل نہ ہو جانا۔

''پھر وہی بات......!''

''تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب
تک تم اپنے مال، اولاد، ازواج، اپنی املاک، اپنی عزت، ہر چیز سے
بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت نہ کرو۔''

تو اللہ نے استثنا عطا فرمایا۔ خسارے سے استثنا......! سوائے ان لوگوں کے، جو ایمان لائے۔

اور ایمان اتنا آسان بھی نہیں۔ کلمہ پڑھا، اللہ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دی، تمام انبیاء علیہم السلام، تمام کتابوں، تمام فرشتوں پر اور آخرت پر ایمان لائے۔ لیکن ایمان تو نہیں شروع ہوا۔ یہ تو تسلیم کرنا اور داخلِ اسلام ہونا ہے۔ ابھی تو آپ مسلم ہوئے۔ ایمان کی منزل تو ابھی دُور ہے۔

ایمان تو آزمایا بھی جائے گا۔ آپ کو آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ یہ اللہ کا فرمان ہے۔

اور آگے بھی دیکھیں، استثنا کی دوسری شرط......!

''وقت کی، زمانے کی قسم......! انسان بہت بڑے
خسارے میں ہے، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک
عمل کیے۔''

''ایمان کے ساتھ نیک اعمال......!''

قرآن میں شاید ہی کوئی آیت ایسی ہوگی، جہاں ایمان کے ساتھ نیک اعمال کا ذکر نہ ہو۔ نیک اعمال ایمان کا عملی پہلو ہیں۔ جہاں نیک اعمال نہ ہوں، وہاں ایمان کیسے ہوگا......؟

''اور نیک اعمال کیا ہے......؟''

''مختصر سا جواب یہ ہے کہ اللہ کی مکمل عملی اطاعت......!''

اللہ پر ایمان لائے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اس کی کتاب مبین پر ایمان لائے۔ تو جس چیز کو، جس کام کو منع کیا گیا، اس سے رُکنا ہے۔ جس کو فرض کر دیا گیا، اسے کرنا ہے۔ جو حکم دیا، وہ بجا لانا ہے۔ یہ اطاعت ہے۔ یہ ایمان میں داخل ہونا ہے۔ جبکہ نافرمانی ایمان کی نفی ہے۔

اور جن کاموں کو اللہ نے پسند فرمایا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھائے، انہیں اللہ کی خوش نودی کے لئے بخوشی کرنا ایمان کو مستحکم کرنا ہے۔ حالانکہ وہ فرض نہیں کیے گئے۔

مگر سب سے پہلے فرائض کی ادائیگی ہے۔ نماز میں بھی اوّلیت فرض کی ہے، پھر سنت اور پھر نفل۔

''اور فرائض کیا ہیں......؟''

نمازؔ، زکوٰۃ، حج......! اور جو کچھ اللہ نے حرام قرار دیا، اس سے بچو۔

اور قرآن پڑھو تو اعمال کے بارے میں جانو۔ اللہ کو خوش کرنے والے اعمال کرو اور ناخوش کرنے والے اعمال سے دُور رہو۔

عبدالحق کے ذہن میں ایسی آیات گونجنے لگیں۔ اس نے پھر قلم اُٹھایا۔

نیک اعمال کا ذکر کہیں اہل جنت کے حوالے سے ہے اور کہیں اہل دوزخ کے حوالے سے۔

سورۃ اللیل کی چودھویں تا اکیسویں آیات میں اللہ فرماتا ہے۔

''پس میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے بھڑکتی آگ سے۔
نہیں جھلسے گا اس میں مگر وہ ''انتہائی'' بدبخت، جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور بچا لیا جائے گا اس سے وہ بڑا پرہیز گار جو دیتا ہے اپنا مال پاکیزگی کی خاطر۔ جبکہ نہ ہو اس پر کوئی ایسا احسان کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔ وہ دیتا ہے محض خوش نودی کی خاطر اپنے ربّ اعلیٰ کی۔ اور



عنقریب وہ خوش ہو جائے گا۔''

یعنی ایک بہت بڑا نیک عمل اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خالصتاً اللہ کو خوش کرنے کے لئے مال خرچ کرنا ہے۔ اور کہاں کہاں خرچ کرنا ہے......؟ اس سلسلے میں قرآن میں جابجا آیات موجود ہیں۔

اور ایسا کرنے والے کے لئے آیت مبارکہ کے آخر میں بہت بڑی خوش خبری ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔

''اور عنقریب وہ خوش ہو جائے گا۔ عنقریب یعنی قیامت کے دن، فیصلے کے بعد۔ اور اللہ کا وعدہ ہر حال میں پورا ہوتا ہے۔''

سورۃ البلد کی آیت گیارہ تا سولہ میں اللہ راہنمائی فرماتا ہے۔

''مگر نہ گزرا وہ دُشوار گزار گھاٹی پر سے۔ اور کیا جانو تم کہ کیا ہے وہ گھاٹی۔ چھڑانا ہے گردن کا۔ یا کھانا کھلانا کسی فاقے کے دن یتیم کو جو رشتہ دار ہو۔ یا مسکین کو جس کے ہاں خاک اُڑ رہی ہو۔''

گردن چھڑانا کسی غلام کو یا قیدی کو رہا کرنا ہے، اور جو شخص قرض میں جکڑا ہوا بے بس ہو، قرض واپس کرنے کی استطاعت نہ ہو اس کی اور اس کی وجہ سے ذلیل ہو رہا ہو، اس کا قرضہ ادا کر دیا جائے۔ اور یتیم کے لئے رشتہ دار ہونے کی پابندی نہیں۔ بلکہ رشتہ دار یتیم کو فوقیت حاصل ہے۔ لیکن ہر یتیم کے لئے نرمی کا حکم ہے۔

پھر سورۃ الفجر کی آیت ۱۷ویں تا بیسویں میں اللہ نے فرمایا۔

''ہرگز نہیں۔ بلکہ تم اچھا سلوک نہیں کرتے یتیم کے ساتھ۔ اور نہیں ترغیب دیتے تم ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی۔ اور کھا جاتے ہو تم میراث کا مال سارے کا سارا سمیٹ کر۔ اور پیار کرتے ہو تم مال سے جی بھر کر۔''

یہاں منفی حوالہ ہے۔ درحقیقت تاکید ہے نیک عمل کی کہ یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ مسکینوں کو نہ صرف خود کھانا کھلائیں، بلکہ ایک دوسرے کو اس کی ترغیب بھی دیں۔

ساتھ ہی خبردار کیا گیا کہ مال کی محبت میں مبتلا ہونا بہت بڑی برائی ہے۔ اور میراث کے معاملے میں بے انصافی اور ہوس بھی کہ ایسا کرو گے تو اس کا سبب بھی مال سے جی بھر کر محبت

کرنا ہی ہوگا۔

سورۃ الدھر کی آیت سات تا دس میں فرمایا۔

"جو پوری کیا کرتے تھے اپنی نذر اور ڈرتے تھے اس دن سے، جس کی مصیبت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔ اور کھلایا کرتے تھے کھانا اللہ کی محبت میں مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو (اور کہتے تھے) کہ بس کھلا رہے ہیں ہم تم کو اللہ کی خاطر، نہیں چاہتے ہم تم سے کوئی بدلہ اور نہ شکریہ۔ بلاشبہ ہمیں ڈر ہے اپنے رب سے اس دن کا جو سخت مصیبت کا اور انتہائی طویل ہوگا۔"

یہاں کھانا کھلانے کے علاوہ اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو نبھانے کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور یہ تلقین کی گئی ہے کہ آدمی کی شخصیت، اس کی سوچ اور اس کے عمل کی اساس اللہ کا خوف اور قیامت کے دن کے حساب کتاب اور جواب دہی پر ہونی چاہئے۔

سورۃ المدثر میں ۳۸ ویں آیت میں اللہ نے فرمایا۔

"ہر شخص اپنے کمائے ہوئے اعمال کے بدلے میں رہن ہے۔"

اور آگے آیت اُنتالیس تا سینتالیس میں اہل دوزخ کے حوالے سے اعمال کے بارے میں فرمایا۔

"سوائے دائیں بازو والوں کے جو جنتوں میں ہوں گے اور پوچھیں گے مجرموں سے، کیا چیز لے گئی تمہیں جہنم میں؟ وہ کہیں گے، نہ تھے ہم نماز پڑھنے والوں میں (یعنی فرض ادا نہ کیا) اور نہ کھلایا کرتے تھے کھانا مسکین کو، اور باتیں بنایا کرتے تھے ہم مل کر (حق کے خلاف) باتیں بنانے والوں کے ساتھ۔ اور جھٹلایا کرتے تھے ہم روزِ جزا کو، یہاں تک کہ آگئی ہمیں موت۔"

اور سورۃ المعارج کی آیت بائیس اور چونتیس کے درمیان قیامت کے دن برے انجام سے بچ جانے والوں کے اعمال کا ذکر فرمایا۔

"ان خرابیوں سے بچ جاتے ہیں وہ نماز پڑھنے والے جو ہیں اپنی نمازوں کی پابندی کرنے والے۔ اور وہ جن کے مالوں





میں ہے حصہ مقرر سائلوں اور مسکینوں کے لئے، اور وہ جو برحق مانتے ہیں روزِ جزا کو، اور وہ جو اپنے ربّ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شہادتوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔"

یہاں ابتداء ہی نماز کی اہمیت سے ہوئی اور اختتام بھی نماز پر ہوا۔

اور سورۃ الطور کی آیت اٹھائیس تا پینتیس میں ہے۔

"اور مخاطب ہوں گے اہل جنت ایک دوسرے سے حال احوال پوچھنے کے لئے۔ کہیں گے، ہم ایسے لوگ تھے جو اس سے پہلے رہتے تھے اپنے گھر والوں میں اللہ سے ڈرتے ہوئے۔ آخرکار اللہ نے احسان فرمایا ہم پر اور بچا لیا ہمیں جھلسائے دینے والی ہوا کے عذاب سے۔ یقیناً ہم پہلے (پچھلی زندگی میں) اس سے دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ واقعی وہ بڑا ہی محسن اور نہایت رحمت کرنے والا ہے۔"

یعنی اللہ سے آخرت کے لئے دُعا کرنا، بخشش طلب کرنا اور عذاب سے پناہ مانگنا لازم ہے، کیونکہ وہی تو رحم فرمانے والا، بخشش کرنے والا اور عذاب سے نجات دینے والا ہے۔

اور سورۂ بقرہ کی ۱۷۷ ویں آیت میں ہے۔

"بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے اللہ پر اور روزِ آخرت پر، اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور پیغمبروں پر۔ اور دے مال اس کی محبت میں رشتہ داروں کو، اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔ اور قائم کرے نماز اور دے زکوٰۃ۔ (اور نیک وہ ہیں) جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب وہ عہد کرلیں۔ اور ثابت قدم رہنے والے ہیں تنگ دستی میں اور جسمانی تکالیف میں اور جنگ کے وقت میں۔ یہی لوگ ہیں راست باز اور یہی ہیں متقی۔"

عبدالحق نے اس لمحے ارادہ کیا کہ انشاء اللہ وہ قرآن میں سے تمام نیک اعمال اور

برے اعمال ترتیب سے لکھے گا، تا کہ ہر لمحہ اپنے ہر عمل کو اس کی کسوٹی پر پرکھتا رہے۔

پھر اچانک اسے سورۃ الھمزہ کا خیال آ گیا۔ آخری پارے کی چھوٹی سی سورۃ، جس م
اللہ نے لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرنے والوں کو اور رُو دَر رُو طعن و تشنیع کرنے والوں
اور مال جمع کرنے کی ہوس میں مبتلا لوگوں کو نہایت سخت الفاظ میں برے انجام سے خبردار کیا
اور سورۃ الحجرات میں غیبت کرنے اور دوسروں کے معاملے میں تجسس کرنے کی مذمت کی
غیبت کرنا تو ایسا ہے، جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ اور فحاشی چاہے عمل کی ہو، زبان کی
نگاہ کی ہو یا خیال کی ہو، بہت بری ہے۔

''آہ......!''

سب کچھ تو قرآن میں موجود ہے۔ مکمل ضابطہ حیات......! لیکن بدقسمتی سے آ
اسے پڑھنے، اس پر غور کرنے اور سمجھنے کے لئے وقت ہی نہیں نکال پاتا۔

''وقت کی قسم......! زمانے کی قسم......!''

اور خسارے سے اللہ کا دیا ہوا استثنا مکمل کہاں ہوتا ہے......؟

اللہ نے فرمایا۔

''وقت کی، زمانے کی قسم......! انسان بہت بڑے
خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور جنہوں
نے نیک اعمال کئے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی
وصیت کرتے رہے۔''

''حق کی نصیحت اور صبر کی وصیت......!''

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر......!''

استثنا میں ترتیب کیسی ہے، حسن ترتیب۔ اور یہ ترتیب اوّلیت کے اعتبار سے
ہے۔ یعنی تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے۔ اور اہمیت کے اعتبار سے بھی ہے، اور آسانی کے اعتبار
بھی۔

یہ سمجھ لیں کہ ہم اوپر چڑھ رہے ہیں۔ ابتداء آسان ہوتی ہے۔ اور جیسے جیسے او
جاتے ہیں، دُشواری بڑھتی جاتی ہے۔ خوف بھی دامن گیر ہونے لگتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے۔

''سب سے پہلے ایمان......!''

یہ سب سے آسان ہے، کیونکہ فطری ہے۔ کیونکہ ہمارے اندر کتنی ہی گہرائی میں دب



گیا ہو، لیکن اللہ نے ہم سب سے اطاعت اور بندگی کا جو وعدہ لیا تھا، وہ ہمارے اندر موجود ہے۔
د کا انکار کرنے والے بھی ایک اَن دیکھی سب سے بڑی طاقت کی موجودگی کے احساس کو اپنے
شعور میں پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس سے غافل رہنے والا بھی جب سکراتِ موت سے ہم کنار
ہوتا ہے، اس کی آنکھوں سے پردہ ہٹتا ہے تو اسے اپنا وہ وعدہ پوری طرح یاد آ جاتا ہے۔

ایمان سب سے آسان ہے۔ کیونکہ اللہ کے وجود پر آدھا یقین تو یقین نہ رکھنے والے
کو بھی ہر پل رہتا ہے۔ یہ الگ بات کہ وہ اللہ کی ذات و صفات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے خود
اکڑتا رہتا ہے۔

اور یہ آسان چیز ہی اوّل بھی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر تو کچھ بھی نہیں۔ یہ نہ ہو تو اللہ
کی عطا کی ہوئی خوبیاں، اور ان خوبیوں کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اچھے اعمال بھی ضائع ہو
جاتے ہیں۔ اور یہی سب سے اہم بھی ہے۔

ایمان آخرت پر کامل یقین کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ اور جب آپ کو آخرت پر یقین
نہیں، اور آپ اس دُنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ لیں تو اعمال کا صلہ بھی صرف اس دُنیا تک محدود
ہونا عین انصاف ہے۔ نتیجہ یہ کہ آخرت میں، قیامت کے دن دامن بھی خالی اور ہاتھ بھی خالی۔
ت کی کوئی صورت ہی نہیں۔

''عظیم ترین خسارہ......!''

''اور ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ......!''

یہ بالکل آسان نہیں۔ یہ ہیں تو فطری، لیکن انسان کے ساتھ نفس بھی تو لگا ہے۔ اور
ں کا فطری میلان برائی کی طرف ہے۔ یہ ایسا دُشمن ہے، جسے ہم دُشمن نہیں، دوست سمجھتے ہیں، اور
بہت عزیز رکھتے ہیں۔ یہ خواہشات تیار کرنے کی فیکٹری ہے۔ یہ اچھی خواہشات تک کو برائی اور اس
کے انجام تک لے جاتا ہے۔ اور یہ دوست نما دُشمن نہایت مکار بھی ہے۔ تاویلات اور توجیہات
اس کے اہم ہتھیار ہیں، جن کے زور پر یہ برائیوں کو بھی ہمارے لئے قابل قبول، بلکہ مستحسن بنانے
کی کوشش کرتا ہے۔ اور یہ دو دھاری تلوار ہے۔ ایک طرف تو برائی کی ترغیب دیتا ہے، اور دوسری
طرف نیکیوں سے روکتا ہے۔ اگر آدمی میں کسی نیکی کے لئے رغبت ہو، اس کی خواہش بہت مستحکم ہو
تو یہ مکار دُشمن آدمی کو سستی اور تساہل میں مبتلا کر کے اسے اس حد تک ٹالنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس
کی رغبت کم ہو جائے اور خواہش کمزور ہو جائے۔ اس سے بچنا آسان نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ زندگی پر اگر غور کیا جائے تو وہ آدمی کے لئے ایک مسلسل جنگ ہے،

اس کے اپنے خلاف۔ اور آدمی خود سے لڑ کر، خود کو شکست دے کر ہی یہ جنگ جیت پاتا ہے
جیت جائے تو اس کا انعام ہے خسارے سے نجات...... دائمی نفع......!

لیکن استثنا کی آخری شرط تو بہت ہی دُشوار ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن الم
نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ دوسروں کو حق کی نصیحت کرنا اور صبر کی وصیت کرنا۔

کیسی عجیب بات ہے کہ نصیحت کسی کو بھی اچھی نہیں لگتی۔ حد یہ ہے کہ بیٹے کو با
نصیحت بھی اچھی نہیں لگتی۔ نصیحت سے سبھی چڑتے ہیں۔ الّا یہ کہ اللہ کسی کو اس کے لئے گنجائش
فرما دے۔ اور جب اللہ نے قرآن میں جگہ جگہ فرمایا کہ وہ جسے چاہے، ہدایت دیتا ہے اور
چاہے، گمراہ کر دیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''آپ کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ باقی اللہ کی
مرضی کہ کس پر اثر ہوتا ہے اور کون اور زیادہ اکڑ جاتا ہے۔''

تو واضح ہو گیا کہ صرف نصیحت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل چیز تو ہدایت ہے، جو ا
طرف سے ہے۔

پھر نصیحت پر اتنا زور کہ آدمی پر آخرت کے عظیم ترین خسارے سے بچنے کے
نصیحت کرنا لازم قرار پایا۔ جبکہ کسی گمراہ انسان کو راہِ راست پر لانے کے لئے نصیحت کچھ نہیں
بلکہ اس کے لئے اللہ کی ہدایت اور عنایت ضروری ہوتی ہے۔

''تو نصیحت پر اتنا زور کیوں......؟''

''نصیحت کی اہمیت ہے کیا......؟ اور کس کے لئے ہے......؟''

جواب یہ ہے کہ نصیحت کی اہمیت نصیحت کرنے والے کے لئے ہے۔ جسے نصیح
گئی، اگر وہ اللہ کی ہدایت پا گیا تو نصیحت کرنے والے کے لئے اجرِ عظیم ہے۔ اور اس کا اثر
ہوا تو اللہ کے ہاں اس کے لئے اجر ہے۔

''کیوں......؟''

شاید اس لئے کہ نصیحت کرنے والا اللہ کے حکم پر عمل کر کے اپنے لئے ناپسند
بلکہ بعض اوقات بغض، نفرت اور عناد، حتیٰ کہ دُشمنی تک کماتا ہے اور جسے نصیحت کی جا رہی
وہ طاقتور ہے تو اپنے ناصح کو ایذاء بھی دیتا ہے۔ بلکہ کبھی تو اس کی جان بھی لے لیتا ہے۔

یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو انبیاء علیہم السلام کی تاریخ دیکھ لیں۔



انبیاء علیہم السلام اور پیغمبروں کا تو کام ہی نصیحت کرنا، لوگوں تک اللہ کا حکم اور نصیحت
پہنچانا ہے۔

اور نصیحت پر ہر دور میں لوگوں کا عمومی ردِعمل کیا تھا......؟

ناپسندیدگی......! سخت ناپسندیدگی......!

یہی نہیں، ان کے خلاف سخت مزاحمت کی گئی۔ بہت سوں کے بے پناہ ایذائیں دی
گئیں۔ اور بہت سے ایسے تھے، جنہیں شہید کر دیا گیا۔ اور المیہ یہ ہے کہ شہید کرنے والے وہ تھے،
ن کے پاس اللہ کی کتاب تورات تھی، جنہیں اللہ نے اپنی اَن گنت نشانیاں دکھائی تھیں، اور جو حق
و بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اس کے باوجود نصیحت سننا انہیں گوارہ نہیں تھا۔ وہ اپنے دُنیاوی
د کے خلاف اللہ کا کوئی حکم ماننا نہیں چاہتے تھے۔

اب یہاں صبر کی اہمیت سامنے آتی ہے۔

''صبر......!''

کہتے ہیں کہ اللہ سے بڑھ کر صبر کرنے والا کوئی نہیں کہ ہر طرح سے، ہر معاملے میں
ی کے محتاج بندے اس پر بیوی اور اولاد کا بہتان باندھتے ہیں، جس پر وہ ہر بات سے بڑھ کر،
ت غضب ناک ہوتا ہے، لیکن پھر بھی وہ انہیں کسی نعمت سے محروم نہیں کرتا اور ان کے جرم کو
کے دن پر چھوڑ دیتا ہے۔

تو اللہ نے جنہیں انسانوں تک اپنی نصیحت کے کٹھن کام کے لئے منتخب فرمایا، انہیں
یہ وصف...... صبر بھی بے حد فیاضی کے ساتھ عطا فرمایا۔ کوئی سنے نہ سنے، مانے نہ مانے، کچھ نتیجہ
نہ نکلے، وہ نصیحت کرتے رہے۔ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ اور فرماتے رہے کہ ہم تم
اس کام کا کوئی اجر نہیں چاہتے۔ ہمارا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔

ان اذیتوں کا تصور کریں تو آنکھوں سے آنسو یوں جاری ہوتے ہیں کہ رُکتے نہیں،
رے پیارے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی راہ میں سہیں۔ گالیاں
آوازیں کسنا تو بہت چھوٹی بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمانی تشدد تک سہا۔ اس کے
ایک طائف ہی کی مثال کافی ہے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔
ن وہاں قیام فرمایا اور وہاں کے ایک ایک سردار کے سامنے دعوتِ حق پیش کی۔ لیکن سب کا
ہی جواب تھا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ یہی نہیں، انہوں نے اپنے ہاں کے بدمعاشوں کو
صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا قصد فرمایا تو وہ سب تالیاں پیٹنے، سیٹیاں بجاتے، گالیاں بکتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگ گئے۔ اتنے لوگ جمع ہوگئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کے دونوں جانب قطار لگ گئی۔ پھر بات زبانی بدتمیزی سے بھی آگے بڑھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے زخمی ہوئے کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے تین میل دُور ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی ایک بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ زخموں کی تکلیف اور تھکن اور لوگوں کی بدسلوکی سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا غم تھا کہ کوئی ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔

اور صبر کا یہ عالم کہ جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہاڑوں کے فرشتوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو انکار کرنے والوں کو پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"نہیں......! بلکہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا، جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔"

ایسا تھا رحمت اللعالمین پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر......!

عبدالحق نے سوچا۔

خسارے سے استثنا کی یہ آخری شق سب سے مشکل سہی، لیکن غور کیا جائے تو یہ اللہ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا فضل ہے۔ جس کام کے لئے اللہ نے انبیاء علیہم السلام اور پیغمبر مبعوث فرمائے، وہ آسان کام تو نہیں۔ لیکن آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کام کا ہر انسان کو مکلف کر دیا۔ بہت بڑی عزت، بہت بڑا اعزاز عطا فرمایا۔ یہ بھی جتا دیا کہ صرف اپنے لئے مت جیو، دوسروں کے حقوق بھی ہیں تم پر۔ صرف نیکی کرنا کافی نہیں، دوسروں کو بھی تلقین کرو۔ صرف تمہارا برائی سے بچنا کافی نہیں، دوسروں کو بھی برائی سے روکو۔ بساط بھر ضرور طاقت سے روکو۔ طاقت نہ رکھتے ہو یا برائی کرنے والا تم سے زیادہ طاقت ور ہو تو زبان سے منع کرو۔ منع نہیں کر سکتے تو زبان سے مذمت کرو۔ اس میں بھی جان کا خطرہ ہو تو دل میں برا جانو، اس کی مذمت کرو۔

یعنی اس آخری اور دُشوار ترین شق میں درجے متعین کر کے رحیم و کریم



انسان کو آسانی عطا فرمائی۔ بلکہ ایک طرح سے اس سے مشروط استثنا بھی عطا فرمایا۔

سورۃ المائدہ کی ایک سو پانچویں آیت عبدالحق کو یاد تھی۔ تفسیر ابن کثیر میں اس نے آیت کے ذیل میں تفصیل اتنی کثرت سے پڑھی تھی کہ اسے ازبر ہوگئی تھی۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ نے فرمایا ہے۔

"ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کی فکر لازم ہے۔ نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہوا، جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو، پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں اس پر جو تم دُنیا میں کیا کرتے تھے۔"

تفسیر سے پتا چلتا تھا کہ ابتدائی دور میں بھی اس آیت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے استثنا کی دلیل سمجھا گیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی اس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز منبر پر اس آیت کے حوالے سے فرمایا۔

"تم یہ آیت عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ پڑھتے ہو اور اس کا غلط مفہوم لیتے ہو۔" میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ "لوگ جب برائی کو دیکھیں اور پھر اس کو درست نہ کریں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔"

ابوامیہ شعبانی کے مطابق انہوں نے اس آیت کے بارے میں ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔

"اللہ کی قسم! تم نے اس آیت کے بارے میں ایک باخبر شخص سے پوچھا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بلکہ نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ لوگ ایسے بخل میں گرفتار ہیں، جس کی اطاعت کی جاتی ہے، خواہشاتِ نفسانی کے اسیر ہوگئے ہیں، خود پسندی کا شکار ہوگئے ہیں اور دُنیا کو ترجیح دینے لگے ہیں تو اس وقت اپنی فکر کرنا۔ لوگوں سے الگ تھلگ ہو جانا۔ تمہارے بعد ایک ایسا زمانہ آنے والا

ہے، جس میں ڈٹ جانے والا شخص اس قدر مشکل میں ہوگا گویا کہ وہ آگ کے انگارے کو تھامے ہوئے ہے اور اس میں ایک نیک عمل کرنے والا شخص پچاس آدمیوں کے اعمال کے برابر اجر پائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ! ہمارے پچاس آدمیوں کا اجر یا ان کے؟ تو فرمایا۔ بلکہ تمہارے پچاس نیکوکار آدمیوں کا سا اجر پائے گا۔"

کسی شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا
آپ نے فرمایا۔

"ابھی تو چونکہ نصیحت قبول کر لی جاتی ہے، اس لئے یہ وہ زمانہ نہیں ہے۔ لیکن عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ تم کسی کے بھلے کی بات کرو گے، لیکن وہ اُلٹا تمہارے ساتھ برا سلوک کرے گا اور تمہاری بات قبول نہیں کی جائے گی۔ تو اس وقت لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر خاموشی سے بیٹھے رہنا، اپنی فکر کرنا۔ اس وقت ان کی گمراہی کے سبب تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان
سے دو آدمیوں کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی۔ نوبت ہاتھا پائی تک جا پہنچی تو ایک شخص نے کہا کہ
کھڑا ہو کر انہیں سمجھا نہ دوں، نیکی کا حکم دوں اور برائی سے منع کروں، تو پاس ہی بیٹھے
دوسرے شخص نے کہا۔ انہیں چھوڑو، اپنی فکر کرو۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے۔

"عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ......!"

تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا۔

"ٹھہرو......! اس آیت کی یہ تاویل کرنے کا اس وقت موقع نہیں ہے۔ قرآنِ کریم جیسا اُترا ہے، اُترا ہے۔ اس کی بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے نازل ہونے سے پہلے ہی ان کی تاویل گزر چکی۔ بعض ایسی ہیں کہ جن کی تاویل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو چکی ہے۔ بعض ایسی آیات ہیں، جن کی تاویل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ دن بعد واقع ہوئی۔ بعض



ایسی آیات ہیں، جن کی تاویل آج کے بعد سامنے آئے گی۔ کچھ ایسی آیات ہیں، جو اس وقت ظاہر ہوں گی، جب قیامت برپا ہونے کا وقت ہوگا۔ اور کچھ کی تاویل قیامت کے دن ہوگی، جب حساب کتاب ہو رہا ہوگا۔ جب تک تمہارے دل متحد ہیں، تمہاری خواہشات اور جذبات ایک ہیں، تم افتراق و انتشار کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی ایک دوسرے کے درپے آزار ہو تو نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو۔ اور جب ایسا وقت آجائے تو تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے، جذبات بدل جائیں، گروہ بندی کا شکار ہو جاؤ اور ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو تو اس وقت سب سے الگ تھلگ ہو کر اپنی فکر کرنا۔ اس وقت اس آیت کی اس تاویل کا محل ہوگا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اب تو آپ آرام سے بیٹھے رہیں۔ نہ نیکی کا حکم دیں اور نہ ہی برائی سے روکیں، یہی بہتر ہے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا۔

"عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ......!"

تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا۔

"یہ حکم نہ میرے لئے ہے، نہ ہی میرے ساتھیوں کے لئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ خبردار، ہر حاضر شخص غائب کو بھی یہ پیغام پہنچائے۔ ہم اس وقت حاضر تھے اور تم غائب۔ لیکن اس آیت کا مصداق ہمارے بعد آنے والے لوگ ہیں، جن کی بات کوئی نہیں سنے گا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اکھڑ مزاج اور تیز زبان والا شخص آیا اور کہا کہ چھ آدمی ہیں، تمام کے تمام جید عالم اور مجتہد ہیں سوائے خیر کے ہر خشت ان کو ناپسند ہے۔ لیکن ایک دوسرے پر شرک کا الزام لگاتے ہیں۔ اس پر وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ شرک کا الزام دھرنے سے بڑھ کر اور کیا خشت ہو سکتی ہے......؟

تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

"خدا تمہارا بھلا کرے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں حکم

دوں کہ جاؤ اور انہیں قتل کر دو۔ نہیں......! بلکہ انہیں نصیحت کرو، منع
کرو۔ اس کے باوجود اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے دست کش ہو جاؤ
اور اپنی فکر کرو۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے...... عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۝
لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ......"
عبدالحق نے سوچا۔
یہ فیصلہ کون کرے گا کہ اس آیت مبارکہ کی تاویل کا وقت آ گیا ہے۔ یہ بہرحال اس
کی سمجھ میں آ گیا کہ اس کا فیصلہ ہر فرد کو خود کرنا ہوگا۔ یہ اجتماعی فیصلہ نہیں ہوگا۔ کوئی مفتی یہ فتویٰ نہیں
دے گا۔ ہر شخص کو خود دیکھنا ہوگا۔ پھر یہ بات حتمی بھی نہیں ہوگی۔
اللہ نے زندگی کو بہت اہمیت دی ہے۔ جان بچانے کے لئے حرام کھانے کی اجازت
تک دے دی۔ ہجرت کا حکم بھی اسی سلسلے میں دیا گیا۔ بلکہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے کا تو اجر بھی
بہت بڑا ہے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملے میں بھی اسی وجہ سے رعایت دی
گئی۔
لیکن آدمی اس حکم سے مکمل طور پر آزاد تو شاید کبھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بدترین دور میں
بھی ہر آدمی کے لئے کچھ نہ کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے، جنہیں وہ نصیحت کر سکے گا اور ان سے اسے
کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اپنی بیوی، اپنی اولاد، اپنے بھائی بہن، ہاں گھر سے باہر کا معاملہ اور ہے۔
"ابھی تو بہرحال الحمدللہ وہ وقت نہیں آیا۔"
عبدالحق نے سوچا۔
اور اس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے بارے میں سوچا تو ایک
بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔
حکم ہے کہ برائی کو طاقت سے روکو۔ نہ روک پاؤ تو زبان سے اس کی مذمت کرو
اور اس کی طاقت بھی نہ رکھتے ہو تو دل میں اسے برا سمجھو۔ اس کی مذمت کرو۔ ایسی صورت میں
ہجرت کا بھی حکم ہے۔
اللہ حکمت والا ہے۔ اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ آدمی ذرا سا سوچ لے تو بات
سمجھ میں آ جائے۔ جب لوگ گناہ پر، برائی پر، کسی معیوب حرکت پر دوسروں کو روکنا، ٹوکنا اور مذمت
کر دیں تو وہ پہلے مرحلے میں اس معاشرے میں قابل قبول ہو جاتی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں، بہت
جلد...... بہت ہی جلد اس معاشرے میں اسے اچھا سمجھا جانے لگتا ہے۔ وہ مستحسن قرار پاتی



کیونکہ قدرتی طور پر برائی بہت تیزی سے پھیلتی ہے۔
یہی حال نیکی کا ہے۔ آپ نیکی کا حکم دینا چھوڑ دیں تو لوگوں میں اس کے لئے بے
پرواہی کا روّیہ اُبھرتا ہے۔ وہ اسے غیر ضروری سمجھنے لگتے ہیں۔ غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس پر
مستزاد یہ کہ انسان کا ازلی دُشمن شیطان لوگوں کو بالکل ہی گمراہ کر دیتا ہے۔ اپنے گھر میں بیوی کو اور
بچوں کو نماز کی تلقین کرنا چھوڑ کر دیکھ لیں، وہ آہستہ آہستہ نماز سے دُور ہوتے جائیں گے۔ یہاں
تک کہ ترک ہی کر بیٹھیں گے اور انہیں احساس بھی نہیں ہوگا کہ وہ کتنے خسارے میں مبتلا ہو رہے
ہیں۔
گناہ کرنے والے کو جب تک یہ احساس رہے کہ وہ گناہ کر رہا ہے، جب تک اسے
ایک گناہ بار بار کرنے کے بعد بھی ہر بار اس پر پشیمانی اور ندامت ہوگی، تب تک اس کے لئے
بہتری کے امکان کا دروازہ کھلا رہے گا۔ لیکن جب یہ نوبت آ جائے کہ اسے پشیمانی اور احساسِ گناہ
بھی نہ ہو تو اللہ کی طرف سے دل پر مہر لگنے کا وقت بہت قریب ہوتا ہے۔
اللہ ہر ایک کو اس سے محفوظ رکھے۔
اور یہ تو افراد کا معاملہ ہے۔ جب معاشرے میں کوئی ایسا کام، جس سے اللہ نے منع
فرمایا، کھلے عام ہونے لگے۔ لوگ ایسا ہوتا دیکھیں، اور اسے دل تک میں برا نہ سمجھیں تو وہ معاشرہ
اللہ کے قہر کو آواز دے رہا ہوتا ہے۔ اور ایسے میں اگر اللہ کا قہر نازل ہو تو وہ لوگ بھی اس کی لپیٹ
میں آ سکتے ہیں، جو اس گناہ سے دُور ہوں۔ ایک طرح سے تو یہ گیہوں کے ساتھ گھن پسنے کا معاملہ
ہے۔ لیکن دوسرے زاویے سے دیکھیں تو یہ ان کے لئے اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اسے
روکنے کی کوشش کی، نہ اس کی مذمت کی۔
نیکی کی تلقین نہ کرنے سے معاشرے میں بھلائی کم ہوتی ہے، اور توازن برائی کے حق
میں ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف نیکی کی جگہ بدی اور برائی لیتی ہے۔ اور برائی بہت بڑھ جاتی ہے۔
معاشرہ زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ جب لوگ نیکی اور بدی کا توازن قائم نہیں رکھتے تو پھر اللہ اپنے
طریقے سے وہ توازن قائم فرماتا ہے۔ برائی کو بالآخر مٹ جانا ہوتا ہے۔ اللہ کے بندے اس کام
سے بے پرواہ ہو جائیں تو پھر اللہ خود اپنے مقرر کئے ہوئے وقت پر برائی کو مٹا دیتا ہے۔
تو یہ ہے سورۃ والعصر......! تین چھوٹی چھوٹی آیات، جن میں سب کچھ بتا دیا گیا۔
اس کی بلاغت تو بس اللہ ہی کے پاس ہے۔
اگر قیامت کے دن اللہ نے سوال کر لیا کہ چلو، دُنیا میں مصروفیت بہت تھی۔ تم نے

قرآن نہیں پڑھا۔ مگر یہ کہو کہ چھوٹی چھوٹی یہ تین آیات پڑھنے، ان کا مفہوم سمجھنے، اور ان پر غور کرنے میں کیا چیز مانع تھی......؟

تو کوئی اس کا جواب دے سکے گا......؟

جواب تو قیامت کے دن اللہ کے کسی سوال کا بھی نہیں ہوگا کسی کے پاس۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا۔

''آج دین مکمل کر دیا گیا ہے تمہارے لئے۔''

اور رسالت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ساتھ حجت تمام کر دی گئی۔ بات پہنچا دی گئی۔

لیکن سورۂ والعصر میں تو حجت کے اندر بھی حجت تمام کر دی گئی۔

اللہ نے بتا دیا۔

''وقت کی، زمانے کی قسم......! انسان بہت بڑے خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی وصیت کرتے رہے۔''

مختصر ترین لفظوں میں سب کچھ بتا دیا گیا۔

عبدالحق پر لرزہ چڑھ گیا۔ امر بالمعروف تو بہت دُور کی بات ہے، یہاں تو لوگ ایک دوسرے کو قرآن پڑھنے کی، پڑھ کر سمجھنے کی، سمجھ کر عمل کرنے کی اور عمل کر کے دوسروں تک پہنچانے کی تلقین بھی نہیں کرتے۔

اور دوسروں کی کیا بات......؟ قیامت کے دن ہر کس کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس نے ہی اس سلسلے میں کیا کیا ہے......؟

مگر وہ کر بھی کیا سکتا ہے......؟

سادہ، آسان، بہت اچھے اور رواں ترجمے والے قرآن موجود ہیں۔ تفاسیر موجود ہیں۔ کوئی زبردستی تو کسی کو نہیں پڑھوا سکتا۔

''پھر بھی...... کچھ تو......!''

''مگر میں کوئی عالم تو نہیں......!''

اس نے بے بسی سے سوچا۔



''بلکہ میں تو ابھی قرآن کے طالب علم کے درجے تک بھی نہیں پہنچا۔ بلکہ شاید ابھی تو میں مبتدی بھی نہیں ہوں۔''

''مگر یہاں کروڑوں لوگ تم سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں سوچو......!''

اندر سے کسی نے کہا۔

اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

واقعی......! کلمہ گو مسلمان ہیں سب۔ مگر کس قدر محروم ہیں۔ کچھ بھی تو نہیں معلوم انہیں۔ اس معاشرے میں قرآن پڑھنے کا رواج نہیں۔ عقیدت البتہ بہت ہے۔ چومتے ہیں، آنکھوں سے لگاتے ہیں، اور بس......! اور جو پڑھتے ہیں، وہ ایک لفظ کا مطلب بھی سمجھنے کی زحمت نہیں کرتے۔ تیز رفتاری سے پڑھتے ہیں، قرآن ختم کرتے ہیں اور اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اجر عظیم کما لیا۔

خسارے کا کسی کو پتا ہی نہیں، پتا ہو تو سوچیں......! غور کریں......! استثنا کمانے کی فکر کریں۔

''مگر میں کیا کر سکتا ہوں......؟''

''کم از کم اللہ کا یہ سورۂ والعصر والا اعلان تو لوگوں تو پہنچا دو......!''

''کیسے......؟''

''جو بھی اللہ نے تمہیں عطا فرمایا......! اسے مختصر اور مؤثر کتابچے کی شکل میں لوگوں تک پہنچا دو۔ جیسے چچا جان نے پہنچایا۔ کون جانے، اللہ اس سے خوش ہو کر اس چھوٹی سی خدمت کو اپنی بارگاہ میں تمہاری طرف سے حق کی نصیحت اور صبر کی وصیت کے طور پر قبول فرما لے۔''

اور عبدالحق کا دل روشنی سے، اور ایک بے پایاں خوشی سے معمور ہو گیا۔

''واقعی......! یہ تو میں کر سکتا ہوں۔ یہ انشاء اللہ کروں گا۔ بے شک......! میں عالم نہیں، لیکن تین آیات تو واضح ہیں۔ وہ تو کوئی بھی کسی دوسرے تک پہنچا سکتا ہے۔''

اسی لمحے اسے یہ خیال آیا کہ یہ پہلا کام تو اس کے لئے ایک بڑے میدان میں داخلے کا راستہ ہے۔ ایسا تو اور بھی بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ ابھی وہ کتنا کچھ سوچتا رہا تھا۔ وہ ایسی تمام آیات اور ان کا ترجمہ یکجا کر سکتا ہے، جن میں ان کاموں کا بیان ہو، جو اللہ تعالیٰ کو ان کاموں کے بارے میں خبردار کریں، جو اللہ کو ناپسند ہیں۔

پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ بات سے بات نکلتی ہے، چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ اس کا دماغ اور آگے بڑھ کر کام کر رہا تھا۔ قرآنِ پاک میں اکثر آیات کا اختتام اس طرح ہوتا ہے۔

"کیا تم دیکھتے نہیں......؟ کیا تم سمجھتے نہیں......؟ پھر بھی تم شکر ادا نہیں کرتے......؟ پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے......؟ پھر بھی تم نہیں ڈرتے......؟ وغیرہ۔"

اور بہت سے مضامین کا اختتام اس انداز میں ہوتا ہے۔

"اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں...... یا ان لوگوں کے لئے جو شکر ادا کرتے ہیں...... یا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں...... وغیرہ۔"

ان میں سے ہر ایک کی آیات کو یکجا کر کے کتابچہ بنایا جائے تو آدمی کو پتا چلے کہ کہاں اللہ سے شکر کی، غور و فکر کرنے کی، ڈرنے کی تلقین کی ہے......؟ اس طرح جو قرآن نہیں پڑھتے، قرآن ان تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ اور پھر قرآن کی قدرتی کشش اور اللہ کی توفیق مل کر جسے چاہیں، قرآن پڑھنے والا بنا دیں۔

ویسے بھی عبدالحق کا مشاہدہ تھا کہ بہت لوگ قرآن کی رغبت تو رکھتے ہیں، لیکن ڈرتے ہیں کہ پڑھ کر خود سمجھنا آسان نہیں۔ بلکہ کچھ تو سمجھتے ہیں کہ وہ گمراہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کوشش ہی نہیں کرتے۔ اور اسے مشکل کام تو سبھی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ خود فرماتا ہے۔

"پکار کر دعوت دیتا ہے...... اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت کے لئے۔"

سو کتابچوں سے اللہ کی رحمت ہوئی تو کسی پڑھنے والے کی سمجھ میں بات آئے گی اور وہ سوچے گا کہ یہ بات تو میں خود بھی سمجھ سکتا تھا۔ اس کا حوصلہ ہوگا، اسے خود اعتمادی حاصل ہوگی اور وہ سمجھنے کے ارادے سے خود قرآن پڑھے گا۔

اس لمحے عبدالحق نے سوچ لیا کہ فرصت تو اسے الحمدللہ میسر ہے۔ اب وہ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ کام کرے گا۔ اور یہ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ اتنا بڑا کام ہے، جس کے لئے طویل زندگی بھی کم پڑ جائے۔ ابھی اتنی سی دیر میں کتنے خیال اس کے ذہن میں آئے ہیں، بات کہاں سے کہاں پہنچی ہے......؟ مگر جب وہ یہ کام شروع کرے گا تو یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ بات کہاں تک جائے گی......؟



"یہ خیال، یہ توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اس پر استفادہ اللہ کی رحمت ہوگا۔ انشاء اللہ......!"

وہ اُٹھا اور اس نے شکر کے دو نفل ادا کئے۔

❁❁❁



نوریز کے معاملے میں وہ ہوا، جو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

عبدالحق کو حیرت بھی ہوئی اور شرمندگی بھی کہ نوریز کے والد اور والدہ شمریز کے ساتھ خود اس سے ملنے لاہور چلے آئے۔ اس نے تو شمریز سے کہا بھی تھا کہ وہ ان سے بات کر لے۔ پھر وہ خود ان کے پاس مری جائے گا۔

اس نے ان کے لئے مہمان خانہ کھلوا دیا۔ پھر وہ انہیں خود وہاں لے کر گیا۔ کمرے کی صفائی ہر روز باقاعدگی سے ہوتی تھی، اس لئے تردّد کی کوئی بات نہیں تھی۔

"ویسے تو یہ میری عزت افزائی ہے......!"

اس نے شمریز کے والد سے کہا۔

"لیکن خان صاحب......! مجھے آپ سے بہت شرمندگی ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں صاحب......؟"

اکبر خان نے عاجزی سے کہا۔

"شرمندہ تو میں ہو رہا ہوں۔"

"کام میرا تھا خان صاحب......! مجھے خود آنا تھا آپ کے پاس......!"

"نہیں صاحب......! کام تو میرا تھا۔ میں بیٹے کا باپ ہوں۔ ہمیں تو آنا ہی تھا ناں......؟"

"یہ بتائیں......! وہ آپ کی بیٹی جنیاں کیسی ہے......؟ خوش تو ہے اپنے گھر میں......؟"

عبدالحق نے بات کا رُخ بدلا۔

"جی صاحب......! اللہ کا شکر ہے۔ تین بچے ہیں اس کے۔ آپ سب لوگوں کو بہت یاد کرتی ہے۔"

"خاص کر چھوٹی بی بی کو......!"

شمریز کی ماں نے پہلی بار زبان کھولی۔

''نور بانو کسی کو یاد نہیں......؟''

عبدالحق کے دل میں شکایت سی اُبھری۔

شمریز کی ماں ایک بیگ کھول کر اس میں سے کچھ چیزیں نکال رہی تھی۔ پھر اس
اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔

اکبر خان نے جھجکتے ہوئے عبدالحق سے کہا۔

''ہم کچھ چیزیں لائے ہیں صاحب......! چھوٹے صاحب کے لئے......!''

اس کا انداز ایسا تھا، جیسے کسی گستاخی پر معذرت کر رہا ہو۔

''سر آنکھوں پر خان صاحب......!''

عبدالحق نے کہا۔

''آپ کا تحفہ ہے، محبت کے ساتھ قبول کریں گے۔''

''تحفہ کیسا صاحب......؟ ہم آپ کو کیا تحفہ دے سکتے ہیں......؟ یہ تو چھوٹی سی سوغات
ہے۔''

عبدالحق سمجھ گیا کہ وہ ڈرائی فروٹ ہوگا۔

''جزاک اللہ......! خان صاحب......! آپ لوگ نہا دھو کر کچھ آرام کر لیں۔ تازہ
ہو جائیں پھر مل کر بیٹھیں گے۔''

وہ کمرے سے نکل آیا۔

❀❀❀

رات کے کھانے کے بعد وہ مہمانوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ آبیہ
تک ان لوگوں کے سامنے نہیں آئی تھی۔ البتہ رشیدہ سے ان کی ملاقات ہوگئی تھی۔ رشیدہ انہیں
گاؤں اور گھر والوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''رشیدہ......! آبیہ سے چائے لانے کا کہہ دے......!''

حمیدہ نے کہا۔ رشیدہ اُٹھ کر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد آبیہ چائے لے کر آئی۔ وہ گھبر
ہوئی بھی تھی اور شرما بھی رہی تھی۔

''یہ ہے ہماری بیٹی آبیہ......!''



حمیدہ نے شمریز کی ماں سے کہا۔ آبیہ نے چائے بنا کر سب کے سامنے رکھی اور
جانے لگی۔ شمریز کی ماں نے کہا۔

''بیٹی......! ادھر آ......! کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھ......!''

آبیہ نے ہچکچاتے ہوئے حمیدہ کی طرف دیکھا۔ حمیدہ کے اشارے پر وہ شمریز کی ماں
کے ساتھ بیٹھ گئی۔ شمریز کی ماں آبیہ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ پھر حمیدہ نے ہی آبیہ سے
کہا۔

''برتن سمیٹ کر لے جا آبیہ......!''

آبیہ کے جانے کے بعد عبدالحق نے اکبر خان سے کہا۔

''آپ نے لڑکی کو بھی دیکھ لیا اور اس کی ماں کو بھی......!''

''جی صاحب......!''

''آپ کی ملاقات ان کے گھر کے تمام لوگوں سے ہونا تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ
ایبٹ آباد بلا لوں گا۔ آپ لوگوں کو بھی اور ان لوگوں کو بھی۔ مگر آپ خود ہی یہاں چلے آئے۔ مجھے
اس پر شرمندگی ہے خان صاحب......!''

''آپ ایسا کہتے ہیں تو ہم شرمندہ ہوتے ہیں صاحب......!''

''بہر حال......! آپ کا ان سب لوگوں سے ملنا ضروری ہے۔''

''ہمیں تو لڑکی دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں صاحب......!''

شمریز کی ماں بولی۔

''ہم تو یہاں بس آپ کو یہ بتانے آئے تھے کہ آپ کو ہر طرح سے اختیار ہے۔ جو
آپ کہیں گے، وہی ہوگا۔''

عبدالحق نے اپنی برہمی پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''لیکن شادیاں ایسے نہیں ہوتیں۔ دیکھ بھال کر، چھان پھٹک کر فیصلے کئے جاتے
ہیں۔ زندگی بھر کا معاملہ ہوتا ہے یہ۔ میری وجہ سے کسی کی زندگی خراب ہو......''

''خدا نہ کرے صاحب......!''

اکبر خان نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔''

''کیسی بات کرتے ہیں......؟ کیوں نہیں ہو سکتا......؟''

"آپ ایک بات بتاؤ صاحب......! میرا شمریز کیسا لڑکا ہے......؟"

"ہیرا ہے، ہیرا......!"

"ہمارے پاس تھا تو پتھر تھا صاحب......! آپ کے پاس آکر ہی تو ہیرا بنا

صاحب......!"

اکبر خان کے لہجے میں عقیدت تھی۔

"آپ کے ساتھ جو رہے گا صاحب......! وہ کبھی معمولی نہیں ہوگا۔ یہ میری بہو

معمولی نہیں ہوسکتی۔"

"آپ عجیب بات کر رہے ہیں خان صاحب......!"

عبدالحق جھنجلا گیا۔

"آدمی کی پسند ناپسند بھی تو ہوتی ہے۔"

"ہماری بھی ہے ناں صاحب......! آپ ہمیں پسند ہیں۔ اور آپ کی ہر چیز ہمیں پ

ہے۔"

"مگر یہاں آپ کو اپنے لئے بہو پسند کرنی ہے، اپنے بیٹے کے لئے بیوی......!"

عبدالحق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے......؟ جی چاہتا تھا کہ اپنے سر کے

نوچ لے۔

"میں سمجھ گیا......!"

اکبر خان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے صاحب......! بات یہ ہے کہ لڑکی ہمیں ہر طرح سے پسند ہے۔ ہماری طر

سے تو رشتہ پکا......! خدا کرے، لڑکی کے ماں باپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"لیکن آپ نے کوئی ضروری بات بھی نہیں پوچھی، جو پوچھنی چاہئے تھی۔"

"بتائیں صاحب......! وہ کیا بات ہے......؟"

"یہ لوگ بفہ کے رہنے والے ہیں...... مانسہرہ سے آگے۔"

"جانتا ہوں صاحب......!"

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ ان کے سب لوگ تو بفہ میں ہیں۔ یہ سب گھر والوں کو

کر یہاں کیوں رہ رہی ہیں......؟"

"نہیں پوچھا صاحب......! میں جانتا ہوں۔"



"کیا جانتے ہیں آپ......؟"

"نوریز یہاں کیوں رہ رہا ہے صاحب......؟"

پہلی بار اکبر خان کا لہجہ جذباتی ہوا۔

"کوئی ماں باپ اپنے بیٹے کو دُور رکھنا پسند کرتے ہیں......؟ میں تو باپ ہوں۔ پتر کی

ری کے لئے صبر کر سکتا ہوں۔ پر یہ تو ماں ہے صاحب......!"

اس نے بیوی کی طرف اشارہ کیا۔

"اسے تو چین نہیں آتا......!"

"پر میں نے بھی کبھی اسے نہیں کہا صاحب......! کہ آپ کو چھوڑ کر آ جائے۔"

شمریز کی ماں نے شوہر کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے صفائی پیش کی۔

"بس یہ بولا کہ کبھی مہینے دو مہینے میں تو صورت دکھا جایا کر پتر......!"

"میں نے بھی کہا کہ مہینے گزر جاتے ہیں۔ تجھے ماں کی یاد نہیں آتی......؟ کبھی دو دن

لئے تو آ جایا کر......!"

اکبر خان نے کہا۔

"تو جانتے ہیں صاحب......! اس نے کیا کہا......؟"

"بولا، بہت یاد آتی ہو اماں......! پر دو دن کے لئے گاؤں آتا ہوں تو صاحب لوگ

سے بھی زیادہ یاد آتے ہیں۔"

عبدالحق کا دل موم ہو گیا۔

"افسوس......! میں نے ایک بیٹے کو اس کے ماں باپ سے چھین لیا۔"

اس نے تڑپ کر کہا۔

"ایسا نہ کہیں صاحب......! خدا کی قسم......! ہمارے لئے تو یہ خوشی کی بات ہے۔"

شمریز کی ماں بولی۔

"پتر عبدالحق......! تو وکیل کی طرح لمبی بات کرتا ہے۔"

حمیدہ نے مداخلت کی۔

"دیکھ......! میں انہیں سمجھاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ شمریز کی ماں کی طرف مُڑی۔

"تم کو پتا ہے، میری دونوں بیٹیاں ایبٹ آباد میں تھیں۔ ایک کے بچہ ہونے والا تھا

اور دوسری بہت بیمار تھی۔ اور وہاں ہم میں سے کسی کا نمبر بھی نہیں تھا۔ وہاں تمہارے پتر
رشیدہ اور آبیہ نے سب کچھ سنبھالا، اور ایسے سنبھالا کہ ہم بھی نہیں سنبھال سکتے تھے۔ یہ ہم
احسان تھا ان کا۔ نوریز تو ہمارا اپنا تھا۔ پر ان دونوں کو تو وقتی طور پر رکھا تھا نور بانو نے۔ پھر
نے نور بانو کو بلا لیا۔ اور ہمارا نور الحق پیدا ہوگیا۔ تب ہم لوگ گئے۔ وہاں عبدالحق نے اس
کے بدلے انعام دے کر انہیں فارغ کرنا چاہا تو پتا ہے، رشیدہ نے کیا کہا......؟"

حمیدہ کہتے کہتے رُکی۔

"بولی، منہ مانگا انعام دو صاحب......! اور منہ مانگا انعام یہ تھا کہ انہیں میری
اور چھوٹے نور الحق سے اتنی محبت ہوگئی تھی کہ ان سے دُور نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ کہا، ہمیں زن
کے لئے ساتھ رکھ لو۔ پتر عبدالحق وعدہ کر چکا تھا تو انکار کیسے کرتا......؟ اور تمہارے پتر نوریز
انعام نہیں لیا۔ اس نے نکی کا بھائی بن کر سب کچھ کیا تھا۔ تو نکی نے اسے بھائی بنا لیا اور
سمجھتی ہے اسے۔ یہ ہے کہانی......!"

"یہ تو چھوٹی بی بی کی دی ہوئی عزت ہے بیگم صاحب......! ورنہ میرا نوریز

اکبر خان نے کہا۔

"اور بیگم صاحب......! اس عزت سے تو یہ نوریز کی شادی والا رشتہ سچا اور
ناں......!"

شمریز کی ماں نے دلیل دی۔

"تو اب تم لوگ لڑکی کی ماں سے رشتے کی بات کرو......!"

حمیدہ نے کہا۔

"بات طے ہوگئی تو پھر سب کچھ ہمارے ذمے......!"

رشیدہ سر جھکائے سب کچھ سن رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی نظر نہیں اُٹھائی تھی۔

"بہن......! ہم اپنے بیٹے کے لئے تمہاری بیٹی کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ہمیں
ناں......؟"

شمریز کی ماں نے رشیدہ سے کہا۔ رشیدہ نے نظر اُٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر وہ
کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

"سچ تو یہ ہے کہ آپ لوگ بہت اچھے ہیں۔"

اس نے کہا۔



"پر گاؤں والوں کے رواج آپ جانتے ہیں۔ میری طرف سے تو ہاں ہے۔ پر آپ
آبیہ کے باپ سے بات کرنی ہوگی۔ فیصلہ تو وہی کرے گا۔"

ارجمند دل میں اسے سراہے بغیر نہ رہ سکی۔ جو عورت اپنی بیٹی کو لے کر اتنی دُور لاہور
سکتی تھی، وہ اپنی بیٹی کی شادی کا فیصلہ بھی کر سکتی تھی۔ لیکن ایک طرف تو اس نے یہ سمجھ لیا کہ
الحق اس بات کو پسند نہیں کرے گا۔ دوسری طرف اس نے اپنے شوہر کی عزت کا بھی پاس کیا۔

عبدالحق بھی پہلی بار مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"تم نے ٹھیک کہا رشیدہ......! یہی اچھا طریقہ ہے۔"

پھر وہ اکبر خان کی طرف مُڑا۔

"اب آپ اجازت دیں خان صاحب......! تو میں معاملات طے کرلوں......؟"

"ضرور صاحب......!"

"آج سترہ تاریخ ہے۔ آپ سب ستائیس تاریخ کو ایبٹ آباد ہمارے گھر آجائیں۔
بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔ رشیدہ اور آبیہ بفہ چلی جائیں گی۔ پھر ہم اور آپ رشتہ مانگنے چلیں
گے۔ اور بات طے ہوگئی تو ایک ہفتے میں شادی ہو جائے گی۔ اور سب کچھ ہماری طرف سے ہوگا۔"

"لیکن صاحب......!"

اکبر خان نے احتجاج کرنا چاہا۔

"یہ نہ بھولیں چاچا جی......! کہ نوریز میرا بھائی ہے۔"

ارجمند نے ان کی بات کاٹ دی۔

"مگر بی بی صاحب......"

"بس خان صاحب......! بات طے ہوگئی۔"

اس بار عبدالحق نے قطع کلامی کی۔

"نوریز ارجمند کا بھائی ہے۔ یہ آپ کی طرف سے شریک ہوگی۔ اور میں آبیہ کا
بھائی ہوں۔ میں اس کی طرف سے شریک ہوں گا۔ رشیدہ......! تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں......؟"

رشیدہ رونے لگی۔

"بڑے صاحب......! اتنی عزت نہ دیں کہ سنبھالی نہ جائے ہم سے......!"

"عزت ذِلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے میری بہن......! وہ عزت دیتا بھی ہے اور
اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔"

"آپ لوگ اللہ کا کرم ہیں ہمارے لئے......!"

شمریز کی ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

❀❀❀

اگلے روز شمریز اور اس کے والدین واپس چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی ع

ارجمند کو لے کر حمیدہ کے کمرے میں چلا گیا۔

"آؤ پتر......! بیٹھو......!"

حمیدہ نے بڑی محبت سے کہا۔

"میں بہت پریشان ہوں اماں......!"

"خیر تو ہے پتر......؟"

"میں نے بہت بڑی ذمہ داری لے لی ہے اماں......! اور مجھے سمجھ تو ہے نہیں معاملات کی۔"

"پریشانی کیسی پتر......؟ تجھے تو بس باہر کے معاملات نمٹانے ہیں۔ اور تو اکیلا تو نہیں......! زبیر اور ساجد بھی ہیں تیرے ساتھ......!"

"باہر کے معاملات......؟"

"ہاں پتر......! یہ سوچنا ہے کہ ایبٹ آباد کب جانا ہے......؟"

عبدالحق کا دماغ جیسے روشن ہوگیا۔

"ہاں اماں......! چار دن پہلے تو جانا ہوگا ناں......! گھر کی صفائی اور دو

معاملات......؟"

"تو چار دن بعد جانا ہوگا......!"

"اور کام بہت ہیں......!"

"کچھ بھی نہیں پتر......! یہ نگی اور رابعہ مل کر یہاں زیور اور کپڑے کی خریداری کر

گی۔"

عبدالحق نے ارجمند کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ارجمند نے اثبات میں

دیا۔

"رشیدہ اور آبیہ کو بھی ساتھ رکھنا۔"





عبدالحق نے کہا۔

"ان کی پسند کا خیال رکھنا۔"

پھر وہ حمیدہ کی طرف مڑا۔

"اور اماں......! فرنیچر کا کیا ہوگا......؟"

"اس کی کیا ضرورت ہے پتر......؟ ان دونوں کو آنا تو یہیں ہے ناں......؟"

"پھر بھی اماں......! جہیز تو پورا دینا ہے۔ میں لڑکی کا ماموں بن کر شادی کر رہا ہوں۔"

حمیدہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر چند لمحوں کے بعد بولی۔

"تو وہ ایبٹ آباد سے ہی خرید لینا۔ تجھے کون سا صفائی کرنی ہے گھر کی......؟"

"یہ ٹھیک ہے اماں......!"

عبدالحق مطمئن ہوگیا۔ مگر اسی لمحے اسے حمیدہ کی کہی ہوئی بات کا خیال آگیا کہ دونوں کو آنا تو یہیں ہے۔

"ایک اور بات اماں......! یہاں وہ دونوں رہیں گے کہاں......؟"

حمیدہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نوریز کا کوارٹر ہے ناں......؟"

"نہیں اماں......! یہ تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

"کیوں پتر......؟"

"آغا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں دادی اماں......!"

ارجمند نے عبدالحق کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہا۔

"میں نوریز کو سچ مچ بھائی سمجھتی ہوں، اور نورالحق اسے ماموں کہتا ہے۔ انہیں گھر سے باہر رکھنا اچھا تو نہیں لگے گا......؟"

"اور میری بھانجی سرونٹ کوارٹر میں رہے تو اس میں تو میری بے عزتی ہے......؟"

عبدالحق نے کہا۔

"یہ تو زبان سے بنائے ہوئے رشتے ہیں ناں پتر......! پر ہیں تو وہ نوکر ہی......؟"

عبدالحق کے چہرے سے تکدر جھلکنے لگا۔

"میں زبان سے وہی کچھ کہتا ہوں اماں......! جس پر دل سے یقین رکھتا ہوں۔"

اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

"میں بھی......!"

ارجمند نے جلدی سے کہا۔

"اور اماں......! یہ رشتے ہم نے بنائے نہیں، انہوں نے کمائے ہیں ہم پر بہت ب احسان کر کے۔"

حمیدہ ہنسنے لگی۔

"میں تو تم لوگوں کو آزما رہی تھی۔ اللہ نے تمہیں بہت اچھا بنایا ہے۔"

"مگر مسئلہ تو وہیں کا وہیں ہے اماں......!"

"ارے وہ ہے ناں تمہاری...... کیا کہتے ہیں اسے...... جہاں تو نے نگی کے نا ٹھہرایا تھا......؟"

"انیکسی کی بات کر رہی ہیں اماں......!"

ارجمند نے کہا۔

"تمہارے خیال میں یہ مناسب رہے گا......؟"

عبدالحق نے اس سے پوچھا۔

"میرے خیال میں تو یہ مناسب نہیں......!"

"تو پھر......؟"

"میرا خیال ہے، گیسٹ روم مناسب رہے گا۔ مہمان کوئی آئے تو اسے انیکسی ٹھہرا لیں گے۔"

ارجمند بولی۔

"میرے بھائی کو ہمارے گھر میں ہی رہنا چاہئے......!"

"یہ بہت مناسب ہے۔"

عبدالحق نے خوش ہو کر کہا۔

"پر پتر......! وہاں نیا بستر ضرور ڈلوا دینا۔"

حمیدہ بولی۔

"کیوں اماں......؟"

عبدالحق نے کہا۔



"ویسے تو میں پورا فرنیچر ہی بدلواؤں گا۔"

"میاں بیوی نئی زندگی شروع کریں پتر......! تو چاہے کچھ بھی نہ ملے، پر بستر انہیں کنوارا، اچھوتا ملنا چاہئے۔"

ارجمند نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔ عبدالحق نے آہستہ سے کہا۔

"میں سمجھ گیا اماں......!"

"بس تو چار دن ہیں تیرے پاس......! پر نگی......! تین دن ہی سمجھ......! سفر کی تیاری بھی تو کرنی ہوگی......؟"

حمیدہ نے ارجمند سے کہا۔

"بس دو دن میں کپڑے، زیور، ہر چیز خرید لے......!"

"جی دادی اماں......!"

"اور کوئی کمی نہ چھوڑنا......!"

عبدالحق کے لہجے میں تاکید تھی۔

❀❀❀

گیسٹ روم کا فرنیچر عبدالحق نے خود پسند کیا اور نئے سرے سے رنگ و روغن کرایا۔ درحقیقت وہ بہت فکر مند تھا۔ یہ اس کے نزدیک بہت بڑا کام تھا۔ دونوں طرف کی ذمہ داری انہی کی تھی۔

ایبٹ آباد روانگی سے دو دن پہلے اسے اچانک مسعود صاحب کا خیال آ گیا۔ اسے یاد آیا کہ ان کے درمیان کچھ بات ہو رہی تھی، جو نامکمل رہ گئی تھی اور مسعود صاحب نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ گفتگو مکمل کرنی ہے۔

اور اس نے ان سے جلد ہی آنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر یہ سب کچھ جو اتنا اچانک ہوا تو وہ سب کچھ بھول گیا۔

اس نے مسعود صاحب کو فون کیا۔

"السلام علیکم چچا جان......!"

"وعلیکم السلام بیٹے......!"

"اجازت ہو تو حاضر ہو جاؤں......؟"

"ارے......! میں تو کب سے انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم بھول گئے مجھے......؟"

"آپ مجھ سے یہ اُمید رکھتے ہیں چچا جان......؟"

"ارے نہیں بیٹے......! بس تم فوراً آ جاؤ......!"

"ٹھیک ہے چچا جان......!"

عبدالحق نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور کمرے سے نکل آیا۔ پانچ منٹ بعد وہ گاڑی میں مسعود صاحب کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

❀❀❀

دونوں نے ایک دوسرے کی خیریت دریافت کی۔ گھر کے لوگوں کا حال احوال پوچھا۔ عبدالحق نے انہیں نوریز اور آبیہ کی شادی کے بارے میں بتایا۔

"بس......! میں انہی معاملات میں اُلجھا رہا۔"

اس نے کہا۔

"پرسوں ایبٹ آباد روانگی ہے۔"

"وہاں بھی کچھ دن تو لگیں گے......؟"

مسعود صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں......! کم از کم ایک ہفتہ......!"

"مجھے تو بھئی......! تم پر رشک آتا ہے۔"

"کس بات پر چچا جان......؟"

"تم ماشاء اللہ......! مکمل اجتماعی زندگی گزارتے ہو۔ دُنیا اور دین، دونوں کے درمیان توازن رکھتے ہو۔ اللہ کے بندوں سے جڑ کر رہتے ہو۔ ان کے ساتھ پھیل کر جیتے ہو۔"

"آپ مجھ پر رشک کرتے ہیں اور میں آپ پر رشک کرتا ہوں۔"

"مگر میرے پاس تو ایسا کچھ نہیں......!"

"کیا بات کرتے ہیں چچا جان......؟ آپ کا یہ کمرہ دُنیا کے خوب صورت ترین محل سے بڑھ کر ہے۔"

عبدالحق نے بے حد سچائی سے کہا۔ اس کے لہجے میں رشک تھا۔



"اور یہاں کیسے کیسے خزانے سمیٹے بیٹھے ہیں آپ......؟ یہ کتابیں......!"

اس نے شیلف کی طرف اشارہ کیا۔

"اور سب سے بڑھ کر یہ تنہائی، یہ فرصت، یہ یکسوئی اور یہ ارتکاز......!"

"مگر اللہ نے صرف اپنے لئے جینے کو نہیں پسند فرمایا۔ تم کیسے جیتے ہو۔ کس کس کی فکر کرتے ہو۔ دُکھ بانٹ کر کم کرتے ہو۔ لوگوں کے درمیان تقسیم کر کے خوشیوں کو بڑھاتے ہو۔ زندگی تو یہ ہے۔"

عبدالحق مسکرایا۔

"آپ اپنی بساط بھر یہ سب کچھ کر چکے ہیں، اور وہ بھی الحمدللہ مجھ سے کہیں بڑھ کر۔ اور شاید اس کی قبولیت اور انعام کے طور پر اللہ نے آپ کو یہ سب عطا فرمایا، جس پر میں رشک کر رہا ہوں۔"

"نہیں بیٹے عبدالحق......!"

مسعود صاحب نے بے حد عاجزی سے کہا۔

"میں نے تمہاری طرح کچھ نہیں کیا۔ کیا ہی کیا ہے میں نے......؟"

"آپ نے وہ کچھ کیا، جو آپ سے سیکھنے کے باوجود میں عملی طور پر نہیں کر سکا۔"

مسعود صاحب کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ اُبھری۔

"ذرا مجھے بھی بتا دو......! کیونکہ مجھے تو ایسا کچھ نظر نہیں آتا۔"

"آپ نے اللہ کے عطا کئے ہوئے اس وطن سے محبت کی۔ اپنی صلاحیتیں، اپنا وقت اس کے لئے وقف کر دیا۔ اس ملک کی بہتری کے لئے اپنے جیسے مخلص اور محبت کرنے والوں لوگوں کی تربیت کی۔ چراغ سے چراغ جلانے کا عمل جاری رکھ کر چراغاں کا سامان کیا۔ آپ کب اپنے لئے جئے......؟ آپ نے کب اپنے بارے میں سوچا......؟ آپ تو اپنے اہل وعیال کی فکر چھوڑ کر اس ملک کی فکر میں لگے رہے۔"

عبدالحق کہتے کہتے رُکا۔

"ارے ہاں......! اس پر مجھے یاد آیا......"

اس نے انہیں راشد مجید اور اس کے توسط سے ہونے والی حکومت سے ڈیل کے بارے میں بتایا۔

"اس کے فوراً بعد ہی یہ نوریز اور آبیہ کی شادی کا چکر چل گیا، اور میں آپ کو اس

سے آگاہ نہ کر سکا۔"

اس نے آخر میں معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"راشد...... مجید......"

مسعود صاحب نے پُرخیال لہجے میں کہا، جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ پھر ان کی آنکھیں جھلکنے لگیں۔

"ہاں......! یاد آگیا۔ اس نے ایل ایل بی کیا تھا۔ وکیل بننا چاہتا تھا۔ تمہاری طرح میں نے بھی اسے سول سروس کے لئے قائل کیا۔ بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"جی......! بہت ذہین......! اور آپ کے تمام شاگردوں کی طرح پاکستان سے محبت کرنے والا۔"

عبدالحق نے کہا۔ پھر پوچھا۔

"یہ بتایئے......! میرا فیصلہ غلط تو نہیں تھا......؟"

"تم جیسے آدمی کو راشد نے دلیل دے کر قائل کیا تو فیصلہ غلط کیسے ہو سکتا ہے......؟"

مسعود صاحب مسکرائے۔

"اللہ کا شکر ہے......!"

عبدالحق نے سکون کی گہری سانس لی۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر عبدالحق نے کہا۔

"ابھی دو دن پہلے میرا ایک ایسی کیفیت سے واسطہ پڑا، جس کے بعد میں نے آرزو کی کہ اللہ مجھے آپ جیسی پُرسکون تنہائی، یکسوئی اور ارتکاز عطا فرمائے۔"

پھر وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ مسعود صاحب چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرتے رہے۔ پھر بولے۔

"مجھے اس کے بارے میں بتاؤ گے نہیں......!"

عبدالحق چند لمحے ہچکچایا مگر پھر کسی نتیجے پر پہنچ گیا۔

"کیوں نہیں......؟ میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ ایک خواب کے سوا میں آپ کے ساتھ سب کچھ شیئر کر سکتا ہوں۔"

عبدالحق نے انہیں سورۂ عصر کے بارے میں بتایا اور پھر بتایا کہ وہ عام لوگوں کے لئے اہم ترین تنبیہ آیات کے سلسلے میں کام کرنا چاہتا ہے۔

"چھوٹے چھوٹے کتابچے......!"



"جیسا میرا کتابچہ چھپوایا تم نے......؟"

مسعود صاحب کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"جی چچا جان......!"

مسعود صاحب چند لمحے سوچتے رہے۔ پھر بولے۔

"یہ کام تو تم میری عمر میں کرنا۔ ابھی تو تمہیں لوگوں کے ساتھ، لوگوں کے لئے جینا ہے، ان کے لئے جو کر سکو، کرتے رہنا ہے۔ کاش......! یہ کام میں کر سکتا۔"

آخر میں ان کے لہجے میں حسرت در آئی۔

"لیکن مجھ میں اتنی اہلیت کہاں......؟"

"اس میں اہلیت کا دخل نہیں، صرف جذبے کی ضرورت ہے۔"

عبدالحق نے کہا۔

"یہ کسی عالم کا کام نہیں ہوگا۔ ایک عام آدمی دوسرے عام لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوگا۔ آپ بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔"

"ہاں......! تمہاری راہنمائی میں، تمہاری مدد کے ساتھ تو کر سکتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چند لمحے ہچکچائے، پھر بولے۔

"مگر میں نہیں سمجھتا کہ اب میرے پاس اس کام کے لئے وقت ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

عبدالحق بری طرح چونکا۔

"مجھے لگتا ہے کہ اب اللہ کا بلاوا نزدیک ہے۔ یہ بات میں نے کبھی کسی سے بھی نہیں کی۔ بس آج تمہیں بتا رہا ہوں۔"

عبدالحق ایک دم چوکنا ہو گیا۔

"آپ کی طبیعت...... صحت تو ٹھیک ہے......؟ کوئی خاص بات......؟"

اس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ مسعود صاحب ہنسنے لگے۔

"ایسی کوئی بات نہیں میاں......! بس یہ ایک فیلنگ ہے میری۔ باقی اللہ کے سوا کون جاننے والا ہے......؟"

"میں تو آپ کے لئے درازیٔ عمر بالخیر کی دعا کرتا ہوں۔"

"اللہ تمہیں اس کی جزا دے......!"

"اور آپ نے فرمایا کہ ابھی تو مجھے لوگوں کے ساتھ، لوگوں کے لئے جینا ہے، تو اس پر ابھی ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ اگر اللہ مجھے اخلاص عطا فرمائے تو یہ کام انسانوں سے کاٹنے والا نہیں، بلکہ اور زیادہ جوڑنے والا ہے۔ ابھی تو میں صرف ان لوگوں کے کام آ سکتا ہوں جو میری نظروں کے سامنے ہیں۔ لیکن اس کام سے تو میں ان لوگوں کی خدمت بھی کر سکوں گا، جنہیں میں جانتا بھی نہیں۔ اور یہ خدمت بھی دوسری ہر خدمت سے بڑی ہے۔ اس طرح تو میں زیادہ لوگوں تک پہنچ سکوں گا۔"

مسعود صاحب چند لمحے سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

"واقعی......! تم ٹھیک کہہ رہے ہو......!"

پھر وہ اچانک ہی بولے۔

"تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں اتنی شدت سے تمہارا انتظار کیوں کر رہا تھا......؟"

"مجھے یاد ہے چچا جان......!"

عبدالحق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس لئے تو ایبٹ آباد جانے سے پہلے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"یہ بہت اچھا کیا تم نے......! جو بات پوری نہیں ہو سکی تھی، وہ میرے لئے بہت اہم ہے۔ یہ بتاؤ......! وہ بات یاد بھی ہے تمہیں......؟"

"جی......! وہ بھی یاد ہے۔ کیسے بھول سکتا ہوں......؟ ہم دُعا اور اہلیت کے بارے میں بات کر رہے تھے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے......! لیکن میں بات وہیں سے شروع کرنا چاہوں گا، جہاں سلسلہ ٹوٹا تھا۔ وہ بھی یاد ہے......؟"

"جی......! بات کا رُخ محبت کی طرف مُڑ گیا تھا۔ میں بتا رہا تھا کہ میں نے کتے کو دیکھ کر سمجھا کہ محبت کیا ہوتی ہے......؟"

مسعود صاحب نے طمانیت سے سر ہلایا۔

"بالکل ٹھیک......! وہیں سے بات کرو۔"

"کتے کا مشاہدہ کرنے کے بعد مجھے یہ فکر ہوئی کہ کتوں کے مالکوں کو بھی غور سے دیکھا جائے۔"



"وہ کیوں بھلا......؟"

"کتے کو دیکھ کر مجھے محبت کی سمجھ آئی۔ پھر یہ بھی سمجھ میں آیا کہ کتے کے مالک کو بھی دیکھا جائے۔ تبھی بات پوری طرح سمجھ میں آ سکے گی۔ کتا پالنے والے بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ ان میں ہر طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔

دیکھیں ناں چچا جان......! مالک بھی تو کتے سے محبت کرتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ مالک کی محبت میں بنیادی چیز ترحم ہوتا ہے۔ کوئی چھوٹا سا پلاّ بھوک سے بلبلا رہا ہوتا ہے، چیاؤں چیاؤں کر رہا ہوتا ہے، آدمی کو اس پر ترس آتا ہے۔ وہ روٹی کا کوئی ٹکڑا، کوئی ہڈی، جس پر تھوڑا سا گوشت لگا ہو، اس کے آگے ڈال دیتا ہے۔ بعض اوقات تو اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اس معمولی سی عنایت کے نتیجے میں آقا اور غلام کا ایک ایسا تعلق قائم ہونے والا ہے، جو ان میں سے کسی ایک کے مرنے تک قائم رہے گا۔ وہ چاہے اسے قبول نہ کرے، کتا اپنے محسن کو مالک مان لے تو کبھی اسے نہیں چھوڑتا۔ اسے لاکھ دھتکارا جائے، وہ اس کا در نہیں چھوڑتا۔ وہ اسے مارے پیٹے، تب بھی کتا اُف نہیں کرتا۔ جان سے مارنے لگے، تب بھی کتا اپنا دفاع نہیں کرتا۔

وہ پوری طرح اس کا مطیع ہوتا ہے۔ اس کا ہر حکم مانتا ہے۔ اس کے دُشمن کو اپنا دُشمن اور اس کے دوست کو اپنا دوست سمجھتا ہے۔ وہ خطرے میں ہو تو کتا اسے بچانے کے لئے اپنی جان بھی دے دیتا ہے۔ صرف روٹی کے ایک ٹکڑے یا ایک ہڈی کے بدلے ایسی وفاداری، ایسی محبت......!"

عبدالحق نے گہری سانس لی اور چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے سلسلۂ کلام جوڑا۔

"اور چچا جان......! میں نے کتے پالنے والوں کو بھی دیکھا ہے۔ وہ اپنے کتے کی تربیت کرتے ہیں، اور اس تربیت میں بڑی سختی ہوتی ہے۔ لیکن کتے کی اطاعت بڑی مستحکم اور غیر متزلزل ہوتی ہے۔ وہ اپنے مالک کے اشارے پر مشکل سے مشکل کام کرتے ہوئے نہیں ہچکچاتا، چاہے اس میں اس کی جان چلی جائے۔ وہ اسے خوش کرنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔

اور میں دیکھا چچا جان......! کہ کتے کی سپردگی بھی بے حد مکمل ہوتی ہے۔ اس نے خود کو پوری طرح اپنے مالک کے سپرد کر دیا ہوتا ہے۔ اس کا مالک اسے کسی اور کے سپرد کر دے تو وہ فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل میں اس دوسرے شخص کا مطیع ہو جاتا ہے۔ لیکن اپنے اصل مالک کو کبھی نہیں بھولتا۔ وہ ہر اطاعت اصل مالک کی اطاعت میں ہی قبول کرتا ہے اور اس کی اطاعت میں محبت بھی شامل ہوتی ہے۔ اپنی محبت کا اظہار وہ اس کے ہاتھ پاؤں چاٹ کر، اس کے پیروں میں

لوٹ پوٹ ہو کر کرتا ہے، اور نہ کرے، تب بھی کوئی اس کی آنکھوں کو اس وقت دیکھے، جب وہ ا
مالک کو دیکھ رہا ہو تو اس کی آنکھوں سے محبت برس رہی ہوتی ہے۔

اب محبت کا عجیب معاملہ ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ محبت کے جواب میں محبت
ہو۔ کتا اپنی اطاعت اور محبت سے اپنے مالک کا دل جیت لیتا ہے۔ وہ بھی اس سے محبت کر
ہے مگر اس کی تربیت کرتے ہوئے وہ سفاکی کی حد تک سخت ہو جاتا ہے اور وہ ایسا اس لئے کر
ہوتا ہے کہ اس کا کتا عام کتا نہ رہے، بلکہ ممتاز ہو جائے، اس کا شمار بہترین کتوں میں ہو، اور
کی فطرت میں اللہ نے ایسی اطاعت رکھی ہے کہ وہ تربیت کے ہر دُشوار مرحلے سے بخوشی گز
ہے، چاہے اس کے دوران اسے موت آجائے......!"

مسعود صاحب بہت غور سے عبدالحق کی بات سن رہے تھے۔

"میں نے اس تناظر میں بندے اور معبود کے تعلق کو دیکھنے کی کوشش کی۔"

عبدالحق نے کہا۔

"اللہ اپنی مخلوقات سے محبت کرتا ہے۔ ان پر کرم فرماتا ہے۔ ان کی ضرورتیں پو
فرماتا ہے، لیکن آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے اسے بے حد محبت ہے۔ اس کے لئے اس
جنت اور دوزخ تخلیق فرمائی، انعام بھی ایسا کہ جس کا تصور بھی نہ کیا جا سکے، اور سزا بھی ایسی
اللہ نے آدم علیہ السلام کا پتلا اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ خد اس میں روح پھونکی
بہت بڑی عزت عطا فرمائی، جو کسی اور کو نہیں ملی۔ یعنی اس عزت کے بارے میں صرف وہی
تھا۔ سو اس نے مخلوقات میں عزت عطا فرمانے کے لئے، اس عزت کا اعلان کرنے کے لئے
اس وقت تک کی معزز ترین مخلوق یعنی فرشتوں اور ان کے معلم کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اس
نتیجے میں شیطان راندۂ درگاہ ہوا۔

اس وقت آدم علیہ السلام اکیلے تھے۔ ان جیسا کوئی نہیں تھا اور یکتائی تو صرف اللہ
لئے ہے اور اللہ نے ہر چیز اور مخلوق کو جوڑوں کی شکل میں پیدا فرمایا ہے۔ سو اللہ حکیم نے ان کی
سے بی بی حوا کو پیدا فرمایا تا کہ ان کی تنہائی دُور ہو، انہیں ان سے راحت اور دل بستگی ملے اور آ
جا کر ان کی نسل پھلے پھولے اور اللہ نے جنت کو ان کا ٹھکانہ بنایا۔

اب سوچیں کہ اللہ کیا ہے......؟ ہم کیا جانتے ہیں اللہ کے بارے میں......؟ ہم
جان ہی نہیں سکتے، سوائے اس کے جو اس نے آپ ہی ہمیں بتایا اور اس نے ہمیں اپنی صفات
بارے میں بتایا۔ اس سے ظاہر کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ اس کے حسن و جمال کا ہم



بھی نہیں کر سکتے۔ اس کا دیدار آخرت میں خوش نصیبوں کے لئے سب سے بڑا انعام ہوگا۔

تو اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس بارے میں قرآن حکیم میں
خود فرمایا کہ اسے بہترین ساخت پر، بہترین شکل وصورت میں بہترین تناسب کے ساتھ پیدا فرمایا
ہے۔ لیکن جسم سے قطع نظر انسان میں اہم ترین چیز وہ روح ہے، جو اللہ نے آدم علیہ السلام کے
جسدِ خاکی میں پھونکی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو تھا، پرتو، محض ہلکا سا، نہایت دُھندلا سا
عکس، اور وہ عکس ہی انسان کو سرگرداں رکھتا ہے، کبھی بلندی، کبھی پستی۔ اللہ کی صفات کا بوجھ کوئی
معمولی بوجھ ہے......؟

اور ہم دیکھتے ہیں کہ بندہ اپنے معبود کی تقلید کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ اس لئے
کہ اللہ نے زمین پر اسے اپنی نیابت سونپی ہے۔ تنظیم کے معاملے میں وہ اپنے ربّ کی نقل کرتا
ہے۔"

"ذرا وضاحت تو کرو......! کیسے......؟"

مسعود صاحب دہلے ہوئے نظر آئے۔

"اسے اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا تو اسے خود کو جانوروں سے ممتاز رکھنا تھا۔ جہاں
جانور رہتے ہیں، وہ جگہ جنگل کہلاتی ہے، وہاں طاقت کا قانون چلتا ہے۔ انسان نے جنگل کو معاشرہ
بنایا، معاشرت کے آداب اور ضابطے متعین کئے، خلاف ورزیوں پر سزائیں مقرر کیں، منصف مقرر
کئے، مجرموں کے لئے اپنی اوقات کے مطابق جہنم یعنی جیلیں بنائیں، سزاؤں پر عمل درآمد کے لئے
جلاد مقرر کئے، ملزم سے تفتیش ویسے ہی ہوتی ہے جیسے اللہ کے نظام میں مرنے والے سے قبر میں
سوال و جواب ہوتے ہیں۔ دُنیا میں اسے ریمانڈ کہا جاتا ہے۔ پھر معاملہ عدالت میں چلا جاتا ہے اور
پھر جیل یا آزادی......؟"

مسعود صاحب ہمہ تن متوجہ تھے۔ ان کی آنکھوں کے تاثر میں حیرت اور تفہیم کا امتزاج
تھا۔

"اور اللہ نے ہر چیز حساب کتاب سے رکھی اور مقدر فرمائی۔ نصف شعبانِ معظم کی
رات ہر شخص کے لئے زندگی، موت، صحت، بیماری، رزق وغیرہ کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اسے آپ
سالانہ بجٹ سمجھ لیں۔ انسان نے بھی اس کی تقلید کی۔ اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی۔ میں
اپنی آمدنی کو ذہن میں رکھ کر اپنے ماہانہ اخراجات کا تعین کرتا ہوں۔ روزانہ اُجرت پانے والا اپنے
ہر روز کا حساب کتاب رکھتا ہے۔ ضرورتوں کو وسائل کی حد میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اجتماعی سطح

پر دیکھئے تو ہر ملک اپنے وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے سالانہ
بناتا ہے۔ لیکن اکثر درمیان میں اسے منی بجٹ بھی لانا پڑتا ہے۔ بندے تو خام ہیں ناں......!"

"میں سمجھ گیا بیٹے......!"

مسعود صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

"جیسے ہماری درس گاہیں اور ان میں اساتذہ۔ اللہ نے بھی تو فرشتوں کے
عزازیل کو معلم بنایا تھا۔"

"جی بالکل چچا جان......!"

عبدالحق بولا۔ پھر وہ چونکا۔

"بات محبت کی ہو رہی تھی۔ ہم کہاں آ گئے......؟"

"ہوتا ہے بیٹے......! اور اس سے بھی بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔"

"میں اللہ کی صفات کی بات کر رہا تھا۔ اللہ ودود ہے، محبت اس کی بہت بڑی
ہے، اس کے بے پایاں رحمت کا ایک بہت بڑا عنصر ہے۔ اس نے خود بتایا کہ ماں کو اپنی اولاد
جو محبت ہوتی ہے، اللہ کی محبت اس سے کہیں زیادہ ہے، ستر گنا سے بھی زیادہ......! محبت اللہ کا
ہے۔ آدمی اللہ ہی سے سیکھ سکتا ہے کہ محبت کیسے کی جائے......؟"

"مگر محبت تو خود بخود ہو جاتی ہے۔ عورت ماں بنتی ہے تو اچانک اس کے وجود
محبت کا سمندر موجزن ہو جاتا ہے۔"

مسعود صاحب نے معترضانہ لہجے میں کہا۔

"بعض اوقات کسی اجنبی کو کسی اجنبی سے پہلی نظر میں محبت ہو جاتی ہے۔"

"جی......! بے شک......! محبت تو اللہ کی عطا ہوتی ہے۔ وہی دل میں محبت
ہے۔"

"تو پھر......؟"

"اس محبت کا حق ادا کرنا اصل چیز ہے۔ محبت تو اللہ نے عطا فرما دی، محبت کر
والے کو محبوب کی بھلائی کی ہر لمحہ فکر کرنی ہوتی ہے۔ محبت کا کام تو محبوب کو سنوارنا ہے۔ محبت
دینے کے خوف سے بے نیاز ہوتی ہے۔ اسے صرف بہتری کی فکر ہوتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں......!"

"آپ نے دیکھا ہوگا۔ بہت سے ماں باپ بظاہر اپنی اولاد سے بہت محبت کر



ہیں مگر ان کی وہ محبت انہیں کمزور کر دیتی ہے۔ جہاں ان کے لئے اپنی اولاد پر سختی کرنا ضروری ہوتا
ہے، وہ سختی سے گریز کرتے ہیں۔ اس ڈر سے کہ اولاد کہیں ان سے برگشتہ نہ ہو جائے۔ نتیجہ یہ کہ وہ
صحیح تربیت نہیں کر پاتے۔ اس سے ان کی اولاد کو نقصان ہوتا ہے، اور اکثر اوقات ان کی اولاد اس
کوتاہی کی وجہ سے ان سے برگشتہ ہو جاتی ہے۔ وہ خود بھی تکلیف اُٹھاتے ہیں، کسی بری عادت کی
وجہ سے کوئی ان کے کسی بچے کو برا کہے، ٹوکے تو انہیں برا بھی لگتا ہے، مگر بات درست ہونے کی وجہ
سے شرمندگی بھی ہوتی ہے۔"

"ہاں......! یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

مسعود صاحب نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"اصل میں ہم لوگ محبت کو آسان سمجھتے ہیں، جبکہ وہ بہت مشکل ہوتی ہے۔ اپنے بچے
کو مارنا کسی کو اچھا نہیں لگتا۔ لیکن اس کی بہتری کی خاطر دل پر پتھر رکھ کر مارنا پڑتا ہے، سزا دینی
پڑتی ہے اور بچہ فطری طور پر محبت سے آگاہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس سزا کی وجہ سے ماں باپ
سے دُور نہیں ہوتا۔ ہاں......! اگر اپنا کوئی غصہ نکالنے کے لئے ماں باپ میں سے کوئی اسے مارے تو
وہ یہ بھی سمجھ لیتا ہے، اور اس کے دل میں شکایت پیدا ہوتی ہے۔"

"اوہ......! اس لئے تم نے کتے کے مالک کا حوالہ دیا تھا......؟"

"جی......! لیکن اصل میں تو میں بندوں کے لئے اللہ کی محبت اس حوالے سے سمجھ رہا
تھا۔"

عبدالحق نے گہری سانس لے کر کہا۔

"دیکھیں ناں......! اللہ کی کریمی کہ اس نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا، زندگی کی نعمت
عطا کی، زندگی کو آسان بنانے کے لئے اسے والدین اور دوسرے بہت سے لوگوں کی محبتیں عطا
فرمائیں، متاعِ زیست کا اہتمام فرمایا، بچپن کی بے بسی اور لاچاری میں تمام ضرورتیں پوری فرمائیں،
نشوونما کو اس کے لئے آسان بنایا، صلاحیتیں عطا فرمائیں، ان سے متعارف کرایا اور استفادہ کا موقع
عطا فرمایا اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی بندہ جہنم میں جائے۔ اس نے ان کی راہنمائی کے لئے
پیغمبر بھیجے، صحیفے اُتارے، اپنے بارے میں بتایا، ان کو قوانین سے برے بھلے سے مطلع فرمایا، جنت
کے شوق اور ترغیب سے متعارف کرایا، دوزخ سے ڈرایا، سیدھا راستہ دکھایا، توفیق اور ہدایت سے
نوازا، نیک انجام کی طرف راہنمائی میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور اس کی تربیت کی۔"

"وہ کیسے......؟"

"ایک شعر یاد آتا ہے چچا جان......!

ابتداء سے کرتا ہے کوئی تربیت ورنہ
آدمی اذیت ے موسموں میں مر جائے

دیکھیں ناں......! اللہ آدمیوں کو سختیوں سے بھی تو گزارتا ہے۔ اسے اس کی
لئے تیار کرتا ہے، تا کہ وہ اسے سہار سکے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا ناں......! کہ اللہ کسی پر اس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہیں
زندگی بڑی ہمہ رنگ بنائی ہے اللہ نے۔ دُکھ ہیں تو سکھ بھی ہیں، نعمتیں ہیں تو محرومیاں بھی ہیں
ہیں تو جدائیاں بھی ہیں، زندگی کے ساتھ قوت بھی ہے۔ کہتے ہیں ناں......! کہ انسان کو س
نہیں ملتا۔ تو جو نہیں ملتا وہ محرومی ہے۔ چھوٹی چھوٹی محرومیوں، چھوٹے چھوٹے دُکھوں،
تکلیفوں سے اللہ اپنے بندوں کی تربیت فرماتا ہے، انہیں زندگی کی رزم گاہ کے لئے تیار کر
یہی نہیں، وہ اسے صبر بھی عطا فرماتا ہے، جو بندے کے بس کی بات نہیں، بندہ تو بے صبر
سوچیں تو، اللہ کی رحمت نہ ہوتی، وہ صبر نہ دیتا تو دُنیا میں اولاد کی موت کا دُکھ کوئی ماں برداشت
پاتی۔ لوگ دوسروں کے مرنے کے غم میں مر جاتے۔

اللہ کی ہر بات میں اتنی حکمتیں ہوتی ہیں کہ بندہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ وہ تو
رحمت ہے۔ اس کی سختی میں بھی رحمت ہے۔ کشادگی اور فراخی کے بعد تنگی، طاقت کے بعد
اور بے بسی، خوشی کے بعد غم، سب کچھ بندوں کی بہتری کے لئے ہے۔ ہر پل وہ اپنے بندوں
تربیت کرتا ہے، انہیں اپنی یاد دلاتا ہے، انہیں اپنی قدرت دکھاتا ہے۔

"جو کچھ ہے، میرا دیا ہوا ہے، میں جب جو چاہوں واپس لے لوں اور چاہوں
کے بعد اس سے بڑھ کر عطا فرما دوں۔ دیکھو، میں کتنا نوازنے والا ہوں۔ میری طرف آؤ
ایمان لاؤ، میرے بن جاؤ، میری اطاعت کرو، آخرت میں حساب کے دن میں اس سے بھی
نوازوں گا، اور یہ بھی دیکھ لو کہ مجھے خفا کرو تو میں کتنا سخت عذاب دینے والا ہوں۔"

وہ ہر پل اپنا پیغام دلوں تک پہنچاتا رہتا ہے۔ اپنی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے
طرف بلاتا رہتا ہے۔ اور جو اسے مانتے ہیں، ان کے لئے وہ ایسا مہربان اور محبت کرنے والا
اپنا انکار کرنے والوں کو، اپنی شان میں بدترین گستاخیاں کرنے والوں کو بھی متاعِ زیست
سے محروم نہیں کرتا۔ ان کے نیک اعمال کا صلہ بھی دیتا ہے، مگر صرف دُنیا میں۔ کیونکہ آخرت
ان کے لئے صرف جہنم کی سزا ہے۔"



"اپنی مخلوق سے محبت کرنے والا اسے جہنم میں کیسے ڈالے گا......؟"

مسعود صاحب کی آواز میں لرزش تھی۔

"بادشاہ اپنے باغی بیٹوں کو موت کی سزا کیوں دیتے ہیں......؟ کیسے دیتے
......؟"

عبدالحق نے بلا توقف جواب دیا۔

"کیا اولاد ہونے کے ناطے وہ ان سے محبت نہیں کرتے......؟ نہیں چچا جان......! یہ
اللہ کی سنت ہے، جس کی آدمی تقلید کرتا ہے۔ باغی کو سخت ترین سزا دی جاتی ہے۔ اللہ تو بادشاہوں
کا بادشاہ ہے۔ اللہ سے، دین سے، وطن سے غداری کرنے والوں کو ان کے ماں باپ موت کے
گھاٹ اُتارتے آئے ہیں اور ایسا نہ کر پائیں تو وہ انہیں ایسے ترک کر دیتے ہیں، جیسے وہ ان کی
اولاد ہی نہ ہوں۔"

"بے شک......! تاریخ اس کی گواہ ہے۔"

مسعود صاحب نے کہا۔

"لیکن یہ سب ابلیس کے تکبر کی وجہ سے ہوا، اور اللہ تو اس کے تکبر کو جانتا تھا۔ اس
سے تو کچھ چھپا نہیں......!"

"بے شک......! لیکن اللہ کے ہاں روزِ ازل سے سب طے ہے۔ اور دیکھیں، اللہ
کے ہاں جرم کے ارتکاب سے پہلے سزا نہیں۔ بلکہ اس کی رحمت تو ایسی ہے کہ ارتکابِ جرم کے بعد
بھی موقع دیتا ہے، توبہ کا......! ابلیس میں تکبر تھا۔ اللہ جانتا تھا۔ لیکن اللہ برائی پر گرفت نہیں فرماتا۔
برائی کرنے پر گرفت فرماتا ہے۔ وہ عدل ہے، ظلم نہیں کرتا۔ ابلیس کا تکبر جب تک نہاں تھا، وہ
اپنے مقام پر رہا۔ کھل کر سامنے آگیا تو گرفت ہوگئی۔ اور اللہ حکیم ہے۔ کون جانے، اس نے
سجدے کا حکم ہی ابلیس کے تکبر کو بے نقاب کرنے کے لئے دیا ہو......؟"

"مگر اس کے بعد تو سزا دی جا سکتی تھی ابلیس کو......؟"

"سزا سنا دی گئی۔ وہ راندۂ درگاہ ہوا۔ جہنم اس کا ٹھکانا ٹھہرا۔ ابلیس نے جان لیا کہ
اب بچت کی کوئی صورت نہیں، اور یہ سب کچھ آدم علیہ السلام کی وجہ سے ہوا تھا، تو ان سے اس کی
نفرت بھی فطری تھی۔ وہ تو جہنم رسید ہوا تھا۔ اس نے سوچا، اپنے ساتھ بنو آدم کو بھی گھسیٹے۔ کچھ نہیں،
یہ خوشی تو حاصل ہو کہ جس کی وجہ سے جہنم میں پہنچا، اسے بھی ساتھ لے آیا۔ سو اس نے مہلت مانگ
لی۔"

''اور اللہ نے مہلت عطا فرما دی......!''

''کیوں نہ ملتی مہلت......؟ اللہ قادرِ مطلق ہے، ہر چیز کا مالک، کائنات کا شہنشاہ
کی شان کون سمجھ سکتا ہے......؟ وہ کسی کے لئے کوئی حجت نہیں چھوڑتا۔ ابلیس نے کہا۔

''میں اولادِ آدم (علیہ السلام) کو گمراہ کروں گا۔ تو نے اس کی وجہ سے مجھے اس
پہنچایا ہے، تو میں اسے تجھ سے برگشتہ کروں گا، بغاوت سکھاؤں گا۔''

اللہ نے فرمایا۔

''میں تجھ سے اور ایسے تمام لوگوں سے دوزخ کو بھر دوں گا اور میرے بندا
لئے، جو تجھے دھتکاریں گے، جن کا انعام و اکرام ہوگا۔''

اب یہ شیطان کی عیاری تھی، جو اس کی فطرت کا بڑا جزو ہے کہ اس نے مجبور
اس پستی میں پہنچانے کا بیڑہ اُٹھا لیا، جس کی وجہ سے وہ پستی میں گرا تھا۔ البتہ یہ اس کی سوچ
غلط تھی۔ وہ آدم علیہ السلام کی وجہ سے راندۂ درگاہ نہیں ہوا، بلکہ اپنی فطرت کی خرابی اور تکبر
سے مارا گیا۔

اب صرف اس پر غور کریں چچا جان......! تو بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں۔
کے لئے جہنم سے بچنے کا مختصر ترین نسخہ یہ ہے کہ وہ ابلیس کی اتباع سے بچے، اس کی فطری
سے دُور رہے۔ سب سے پہلے تو وہ نافرمان تھا۔ اللہ کے حکم سے انکار اس سے پہلے کسی
کیا۔ بلکہ جنوں اور انسانوں کے علاوہ اللہ نے کسی مخلوق کو یہ اختیار نہیں دیا۔ تمام مخلوقات،
شجر حجر، کائنات کی ہر چیز اللہ کی مطیع ہے اور اس کی حمد و ثناء کرتی ہے۔

سورۂ حم سجدہ میں اللہ نے بتایا کہ زمین اور آسمان کو وجود میں آنے کا حکم دیا
چاہیں یا نہ چاہیں، اور انہوں نے عرض کی کہ ہم خوش دلی کے ساتھ آ گئے۔

پھر ابلیس نے اللہ کے حضور تکبر کیا جو جرمِ عظیم ہے۔ کبریائی تو صرف اور صرف
کے لئے ہے۔ اس نے اللہ کو یہ بتانے کی حماقت کی کہ وہ آگ سے پیدا کئے جانے کی وجہ
ہے اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے پیدا کئے جانے کی وجہ سے حقیر ہیں۔ وہ بھول گیا کہ
پیدا کرنے والے سے مخاطب ہے، جو سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی تو جانتا
کون افضل ہے اور کیوں افضل ہے......؟ وہ جب چاہے، کسی کی فضیلت کو منسوخ کر کے
فضیلت عطا فرما دے۔ اور غور کریں تو آگ میں سرکشی ہے اور مٹی میں عجز ہے۔ اور اللہ کو
عاجزی پسند ہے، اسی قدر سرکشی ناپسند ہے۔



پھر بات آگے بڑھی تو اس کی فطرت کا ایک اور پہلو عیاں ہوا۔ جہالت، نافرمانی اور سرکشی پر اصرار۔ اگر ابلیس اسی وقت توبہ کر لیتا تو اللہ ایسا بخشنے والا ہے کہ اسے معاف کر دیتا۔ مگر اس کے بجائے اس نے مہلت مانگ کر کائنات کے قادرِ مطلق شہنشاہ کو گویا چیلنج کیا۔ یہ سرکشی کے بعد بغاوت ہے، جو قابل معافی نہیں۔ اس کے لئے تو سخت ترین سزا ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے نہ اسے اللہ کی کبریائی کا احساس رہا اور نہ ہی اپنے نہایت کم اوقات ہونے کا۔

اور آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو وہ حد درجہ پشیمان ہوئے۔ گریہ وزاری کی۔ توبہ کرنی نہیں آتی تھی، سو اللہ رحیم و کریم نے راہنمائی فرمائی اور الفاظ عطا فرمائے اور پھر بخش دیا۔ لیکن جنت سے نکالے جانے کی سزا برقرار رہی۔

تو انسان کے لئے سب کچھ روشن ہو گیا۔ کون سا روّیہ جنت کی طرف لے جاتا ہے اور کون سا جہنم کی طرف......؟ واضح ہو گیا۔ سرکشی، نافرمانی، تکبر اور بغاوت شیطانی روّیے ہیں، اور اطاعت، عاجزی، اپنے گناہوں پر گریہ وزاری اور توبہ استغفار اور اللہ سے رجوع کرنا آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ایمان کے ساتھ یہ سب کچھ بندگی ہے، اور بندگی سے آگے کا درجہ محبت ہے۔''

''ہاں......! اب ہم پھر محبت پر آ گئے۔''

مسعود صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

''جی ہاں......! میں نے کتے کو دیکھ کر محبت کے بارے میں سمجھا۔

''مالک کی تربیت کے حوالے سے یہ تو میری سمجھ میں آ گیا کہ محبت کرنا آسان نہیں، یہ بھی کہ محبت میں سختی لازم ہے، یہ بھی کہ محبت کھونے کے خوف سے بے نیاز ہوتی ہے، محبت دیرپا فلاح کی خاطر وقتی طور پر تکلیف دینے سے نہیں ہچکچاتی۔ وہ بے غرض ہوتی ہے۔ اسے جواب میں کچھ بھی نہیں چاہئے ہوتا، محبت بھی نہیں۔ مگر یہ تو دُنیاوی محبت کی بات ہے۔ اولاد اور والدین کی محبت، شوہر کی محبت، رشتہ داروں اور دوستوں کی محبت، بلکہ ایک انسان کی دوسرے انسان سے محبت۔ محبت وہ ہے جو اپنے محبوب کو غلط راستے پر جاتے دیکھ کر ٹوکتی ہے، پھر روکتی ہے اور روکتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ محبوب اس سے رُک جائے۔ اس سے ہمیں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ لوگوں سے محبت کیسے کرنی چاہئے......؟ مگر اللہ سے محبت......!

پہلے تو میں نے دُنیاوی محبت پر ہی غور کیا تھا۔''

عبدالحق نے کہا۔

''اور میرا خیال ہے کہ یہ ضروری ہے۔ غور کرنے پر میری سمجھ میں آیا کہ محبت کم از کم

دوطرح کی ہوتی ہے۔"

مسعود صاحب عبدالحق کو متفسرانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

ایک لمحے کے توقف کے بعد عبدالحق نے بات آگے بڑھائی۔

"ایک محبت تو وہ ہے، جو اللہ نے ودیعت فرمائی۔"

"مگر بیٹے......! محبت تو اللہ کی صفت ہے، اور اس کی صفات کے پرتو کے
انسان کو ودیعت ہی ہوئی ہے......؟"

مسعود صاحب نے اعتراض کیا۔

"ممکن ہے، میں غلطی پر ہوں۔ ایسا ہے تو آپ مجھے ٹوک دیجئے گا۔ میں اپنی اصلاح
کرلوں گا۔ اللہ کی صفت ہے محبت، تو کوئی اسے پوری طرح کیسے سمجھ سکتا ہے......؟ میں نے جو
میں اس کی وضاحت کردوں۔

محبت تو اللہ ہی کی طرف سے ہے اور ہر انسان میں پیدائشی طور پر موجود ہوتی
اس کا کوئی ناپ تول نہیں کہ کسی ایک شخص کو بہت زیادہ دے دی تو وہ ختم ہوگئی۔ اب کسی اور
لئے کچھ بھی نہیں بچا۔ وہ تو سمندر کی طرح ہوتی ہے۔ آدمی جب جب محبت کرتا ہے، اس کی
اور محبت کی خو اور بڑھتی ہے۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ کچھ محبتیں اللہ اپنے بندوں پر بطور خاص
ہے۔ جیسے نومولود بچے کے لئے وہ ماں کے دودھ کی شکل میں رزق اُتارتا ہے، ویسے ہی ماں کے
میں اس کے لئے محبت بھی اُتارتا ہے۔"

"وہ تو باپ کو بھی ملتی ہے......؟"

"لیکن ماں کی محبت سب سے بڑی ہوتی ہے۔"

"اور اس کی وجہ......؟"

"وہ بچے کی سب سے بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ سب کچھ ماں کو ہی تو کرنا ہوتا
اب پیشاب پاخانے سے تو سب کو ہی گھن آتی ہے۔ لیکن ماں کو اپنے بچے سے گھن نہیں آ
محبت ہی تو بچے کو پالتی ہے۔ غور کریں تو عورت کو بہت بڑا کام سونپا گیا ہے۔ اس کے دم
آدم علیہ السلام کا تسلسل ہے۔ وہی جنم دیتی ہے، وہی پال پوس کر بڑا کرتی ہے، وہی پرور
تربیت کرتی ہے۔ پھر وہی سنوارتی یا بگاڑتی بھی ہے۔ تو زمین پر محبت کا سرچشمہ تو اس
تھا......؟"

"ٹھیک ہے......!"



"اللہ نے انسان کو محبت عطا فرمائی۔ اللہ نے لوگوں کے درمیان محبت پیدا فرمائی۔"

"تم نے کہا کہ محبت کم از کم دو طرح کی ہوتی ہے......؟"

"جی......! کم از کم اس لئے کہا کہ اس کی جانے کتنی قسمیں ایسی ہوں گی، جو میں نہیں
سمجھ پایا۔ ان دو قسموں میں سے ایک بے ساختہ محبت ہے جو کسی سے پہلی بار ملنے پر بغیر کسی وجہ اور
ارادے کے ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے مجھے بس جوار بھاٹے کی مثال سوجھتی ہے۔ جیسے پورے
چاند کی کرنیں سمندر کو چھوتی ہیں تو اس میں ہیجان بپا ہو جاتا ہے۔"

"وہ تو بڑی خالص اور سچی محبت ہوئی۔"

"یہ بھی ممکن ہے۔ لیکن یہ خدشہ بھی تو ہوگا کہ آدمی ظاہری حسن پر مرمٹا ہو۔"

"ایسا ہو، تب بھی کیا فرق پڑتا ہے......؟"

"فرق تو پڑتا ہے چچا جان......! محبتیں بدلتی کیوں ہیں......؟ ختم کیوں ہوتی ہیں......؟
بلکہ کبھی تو نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس کو مختصر اور سادہ لفظوں میں یوں ہی کہا جا سکتا ہے کہ
اس طرح کی محبت نفس کی خاطر ہوتی ہے اور نفس کیونکہ زیادہ سے زیادہ، بہتر سے بہتر کی ہوس میں
مبتلا ہوتا ہے، اس لئے وہ پھیکی پڑ جاتی ہے، اہمیت کھو بیٹھتی ہے۔ جبکہ محبت کبھی یوں ختم نہیں ہوتی،
کبھی مرتی نہیں۔"

"تو گویا وہ محبت نہیں ہوتی......؟"

"محبت تو شاید ہوتی ہے، مگر درجے کے اعتبار سے بہت پست ہوتی ہے۔"

"وجہ......؟"

"بنیادی طور پر محبت بے غرض ہوتی ہے۔ وہ کوئی مطالبہ، کوئی تقاضہ نہیں کرتی، کوئی
شرط عائد نہیں کرتی۔ لہٰذا اسے کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ تو کسی پرسکون ندی کی طرح
بہنے والی ہوتی ہے اور بہے جاتی ہے۔"

"لیکن بیٹے......! جنس مخالف کے درمیان محبت کو ایسے نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا۔"

مسعود صاحب نے کہا۔

"دیکھو ناں......! اللہ نے باوا آدم علیہ السلام کی پسلی سے اماں حوا کو پیدا فرمایا۔ جب
آپ علیہ السلام جاگے اور انہیں دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ ان سے محبت ہوئی ناں انہیں......؟"

"وہ تو ان کی ضرورت تھی، جو سب کچھ جاننے والے رب نے پوری فرمائی۔ دیکھیں
......! آدم علیہ السلام اکیلے تھے، کوئی ان کے جیسا نہیں تھا، کوئی مونس، کوئی ہمدم، کوئی ہم زبان،

جس سے وہ بات کر سکیں۔ انسان کے لئے بات کرنا بہت ضروری ہے۔ اسی لئے تو حیوانِ
کہلاتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو تنہائی کا احساس ستاتا تھا۔ اللہ نے کرم فرمایا کہ ان سے ان کا جوڑا
فرمایا، ان کی ہی جنس، لیکن مخالف جنس، نازک اور حسین۔

دیکھیں تو اللہ بھی تنہا......"

عبدالحق نے تیز لہجے میں ان کی بات کاٹ دی۔

"نہیں چچا جان......! اللہ تنہا نہیں، یکتا ہے۔ ہم ان دو لفظوں کو ٹھیک طور سے سمجھ
پاتے۔ کبھی انہیں ایک دوسرے کا مترادف سمجھنے کی غلطی بھی کرتے ہیں۔ یہ دونوں بالکل مختلف
کیفیات ہیں۔ جو یکتا ہے، وہ کبھی تنہا نہیں ہوتا، اور جسے تنہائی ستاتی ہو، وہ کبھی یکتا نہیں ہو سکتا۔
تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ میرے نزدیک اسی لفظ کو اللہ کے سوا کسی کے لئے استعمال کرنا بدتر
شرک ہے۔

دیکھیں......! اللہ ہر ضرورت، ہر حاجت سے بے نیاز ہے۔ محتاج تو مخلوق کے
ہے، خالق کے لئے نہیں۔ اللہ تو اپنے آپ میں سب کچھ ہے اور وہ ہر چیز میں ہے۔ سب کچھ
نے بنایا ہے، اور اس کی بنائی ہوئی ہر چیز پر اس کی مہر ملکیت ثبت ہے۔ وہ ہر چیز اور ہر مخلوق
نہاں بھی ہے اور عیاں بھی۔

ہم انسان ہیں اور انسان بن کر ہی سوچتے ہیں۔ یہ بات فطری ہے۔ ہم اس
آگے جا کر سوچ ہی نہیں سکتے۔ چنانچہ ہم اللہ کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ہمارے
تجسس کو، جو خدا اسی نے ہمیں عطا فرمایا ہے، اپنے معاملے میں بے لگام ہونے سے روکنے کے
اپنے بارے میں ہمیں بتایا۔ اس نے بتایا کہ وہ بھوک، پیاس، نیند، اونگھ اور تھکن سے بے نیاز
ضرورتیں، حاجتیں، مجبوریاں مخلوقات کے لئے ہیں۔ خالق تو ہر چیز سے بلند ہے۔ بلکہ یہ
ضرورتیں تو خود اس نے تخلیق فرمائی ہیں۔ وجود کے لئے جو اس نے سسٹم بنایا ہے، اس کا
ہیں۔"

تو صنف نازک کی محبت تو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمائی۔ تو مرد
عورت کے درمیان محبت تو فطری ہے ناں......!"

"بے شک......! بلکہ لازمی ہے۔ اللہ نے حوا بی بی کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے
فرمایا۔ یعنی وہ ان کے وجود کا حصہ تھیں اور آدمی اپنے وجود سے بہت محبت کرتا ہے۔ مرد اور عورت
کے درمیان ایک غیر معمولی اور زبردست کشش ہے۔"



"جنسی کشش......؟"

"جی ہاں......! بنیادی طور پر تو یہ درست ہے۔"

"آدم علیہ السلام کو جو پہلا جذبہ ملا، وہ بندگی تھا۔"

"جو میثاقِ ازل کے ذریعے قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کو ملا۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا ہونے والے ہر انسان سے یہ عہد لیا، جسے وہ عمر بھر بھولا رہتا ہے۔ مگر موت کے وقت جب اس کی آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا جاتا ہے تو اسے یاد آتا ہے۔ بھولنے کے نتیجے میں وہ بت پرستی تک چلا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ اس کے اندر چھپی بندگی کی نہایت طاقت ور تلقین ہے۔ اگر بدقسمتی سے اس کا رُخ اللہ کی طرف نہ ہو تو وہ گمراہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنی تمام تر طاقت کے باوجود، جو اللہ نے اسے دی ہے، اس کے لاشعور میں یہ بات ہمیشہ موجود رہتی ہے کہ کوئی اس سے طاقت ور موجود ہے۔ صحیح سمت میں نہ جانے کی وجہ سے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔"

"اور آدم علیہ السلام کی پہلی محبت اماں حوا تھیں۔ یعنی پہلی محبت تو مرد اور عورت کے درمیان ہی ہے۔"

"ممکن ہے، ایسا نہ ہو۔ اللہ ہی سب کچھ جانتا ہے۔ لیکن بظاہر تو یہی درست ہے۔"

عبدالحق کے لہجے میں اعتماد کی کمی تھی۔

"مگر یہ محبت بے غرض تو نہیں ہوتی۔ ہو ہی نہیں سکتی۔"

"دُنیاوی محبتوں میں تو یہ خامی ہوتی ہے۔ اسی لئے تو وہ آزمائش سے گزرتی ہیں۔ لیکن چچا جان......! نفس کے بھی تو کئی درجے ہوتے ہیں۔ خواہش کا غلام، خود غرض اور ہوس کا شکار نفس امارہ ہوتا ہے۔ وہ خواہشوں کے معاملے میں ایسا اندھا ہوتا ہے کہ اچھا برا نہیں دیکھتا، اللہ کے احکامات کو بھی یاد نہیں رکھتا۔ اس کا اسیر انسان جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ پھر نفس توامہ ہے، جسے ضمیر کہہ لیں۔ پھر نفس مطمئنہ ہے، جو انسان اپنی خواہشات کو اللہ کے احکامات کے تابع کر لے، یہ اس کے پاس ہوتا ہے۔ یہ تو بہت بڑی چیز ہے۔ عام انسانوں کو میسر کہاں......؟ ہاں......! جسے اللہ نواز دے۔ تو ایک زاویے سے دیکھیں تو زندگی درحقیقت انسان کا سفر ہے۔ نفس امارہ سے لے کر نفس مطمئنہ تک، یہ مکمل ہو جائے تو بہت بڑی کامیابی، لیکن نفس توامہ کا نفس امارہ پر پوری طرح حاوی ہو جانا بھی کامیابی ہے۔

بات تو محبت کی ہو رہی ہے۔

اس وقت محبت کے اس پہلو کے بارے میں بات ہو رہی ہے، جو جنس مخالف سے

متعلق ہے۔ اللہ نے انسان کو عزت اور مرتبہ عطا فرمایا۔ اسے اشرف المخلوقات، اپنا نائب بنایا۔ صرف صورت شکل میں ہی جانوروں سے ممتاز نہیں کیا اسے، اس کو ہر طرح سے برتری عطا فرمائی۔ انسان کے لئے ہر جنس مخالف، مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد ایک جیسی نہیں۔ اللہ نے اسے رشتوں کے تقدس کا احساس عطا فرمایا۔ صنف مخالف کے لئے اسے پاکیزہ جذبے بھی عطا فرمائے۔ احترام بھی عطا فرمایا۔ جانوروں کی طرح اس کے لئے ہر مادہ، مادہ نہیں اور ہر نر صرف نر نہیں۔ ماں باپ، بہن بھائی، اللہ نے رشتے بنا کر محبت کو تقدس عطا فرمایا۔ کچھ عورتوں کو مردوں کے لئے اور کچھ مردوں کو کچھ عورتوں کے لئے حرام کر دیا۔ یہ وہ تہذیب ہے جو انسان کو جانوروں پر فوقیت دلا کر اشرف المخلوقات کا درجہ دیتی ہے۔ یہ محبت کو ایک اعلیٰ و ارفع جذبے کی حیثیت بھی دیتی ہے۔

اور اللہ نے جن رشتوں کو حرمت عطا فرمائی، ان کے سوا ہر عورت کو ہر مرد کے لئے حلال کر دیا۔ لیکن بے لگام بھی نہیں ہونے دیا۔ جیسے کھانے کے لئے کچھ جانوروں کو حلال قرار دیا۔ لیکن ذبیحے کے بغیر وہ بھی حلال نہیں۔ اسی طرح حلال عورت بھی نکاح کے بغیر مرد کے لئے حلال نہیں۔ یوں اللہ کریم نے محبت کو تہذیب عطا فرما دی۔

اب یہ بھی دیکھیں کہ جنسی کشش محبت کا ایک اہم جزو تو ہو سکتی ہے، لیکن وہ محبت کے لئے لازم ہرگز نہیں۔ ایک بیٹا اپنے باپ سے اور ایک بیٹی اپنی ماں سے ایسی محبت بھی تو کرتی ہے جو تمام دُنیاوی محبتوں سے عظیم ہو۔ وہاں تو جنسی کشش درمیان میں نہیں ہوتی۔ اور کوئی غرض بھی نہیں ہوتی۔ یہی تو محبت کی عظمت ہے۔

اور اب یہ سوچیں کہ جنسی کشش صرف اور صرف نفس امارہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور نفس امارہ بے لگام ہوتا ہے۔ اعتدال اور شعور سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ اس کی خواہش بڑھتی رہتی ہے۔ اسے اللہ کے احکامات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ حرام و حلال سے بھی بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ اپنی طلب کی شدت سے آدمی کو اندھا کر دیتا ہے، جانور بنا دیتا ہے۔ اس لئے انسان کا پہلا کام اس منہ زور گھوڑے کو لگام دینا ہے۔ لیکن یہ گھوڑا نہیں، جسے سدھایا جا سکے۔ اس پر پوری طرح قابو تو کبھی پایا ہی نہیں جا سکتا۔ آپ اپنی دانست میں اسے کچل بھی دیں تو یہ اور خطرناک ہو جاتا ہے۔ یہ عیار بھی ہوتا ہے۔ وقتی طور پر دُبک کر بیٹھ جاتا ہے۔ بہت موقع سے، بہت چپکے سے، بہت بے ضرر بنا کر بہت خطرناک وار کرتا ہے، اور اس وقت وار کرتا ہے، جب آپ اس کی طرف مطمئن اور بے خوف ہو چکے ہوں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے۔ یہ نفس امارہ ہی ہے کہ جس کی وجہ سے بہن بھائی، باپ بیٹی جیسے مقدس



رشتوں کے باوجود مرد اور عورت کے درمیان تنہائی کو بہت بڑی آزمائش قرار دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ باپ اور بیٹی بھی تنہا ہوں تو ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

''تو انسان سے انسان کی محبت بھی ہر لحاظ سے دُشوار ہے۔''

''نہیں چچا جان......! بہت آسان ہے۔ آدمی صرف اللہ کو سمجھ لے تو......''

''لیکن یہ تو ناممکن ہے۔''

''بے شک......! یہ ممکن ہی نہیں، لیکن میں محدود پیمانے پر بات کر رہا ہوں۔ اللہ نے اپنی صفات کے بارے میں جو کچھ بتایا، وہ اس کا حقیر سا تعارف ہے۔ اللہ کی صفات کو گہرائی میں جا کر سمجھنا بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو بہت بڑا علم ہے، بہت بڑا......! ایک ایک صفت میں اللہ کے ہزارہا پہلو چھپے ہیں۔ لیکن میں کچھ ظاہری صفات پر سطحی طور پر غور کرنے کی بات کر رہا ہوں۔ اب دیکھیں ناں......! ہم ایمان تو لائے ہیں ناں بالغیب......! لیکن ہمارا کام یہاں ختم نہیں ہوا۔ بلکہ یہاں سے تو کام شروع ہوا ہے۔ ہم جس پر ایمان لائے ہیں، اسے سمجھنا بھی تو ضروری ہے۔ اسے سمجھنے کی راہ میں قدم بقدم آگے بڑھیں گے تو ایمان بڑھے گا، مستحکم ہوگا۔''

''تو شروع کہاں سے کیا جائے......؟''

''ہم جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، ہمارے اپنے اندر بھی، رگِ جاں سے بھی قریب تر۔ اور ہم جانتے ہیں کہ وہ سمیع ہے، موہوم ترین سرگوشی بھی سن لیتا ہے۔ وہ بصیر ہے، سب کچھ دیکھتا ہے، وہ خبیر ہے، اسے ہر چیز، ہر بات کی خبر ہے، وہ علیم ہے، اسے ہر بات کا علم ہے، اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ وہ علیم بذات الصدور ہے، سینوں میں چھپے ہر بھید سے آگاہ ہے۔''

''بے شک......! یہ ہمارا ایمان ہے۔''

''ایمان ہی تو نہیں ہے چچا جان......! اگر ہمیں اس کے سمیع ہونے پر مکمل ایمان ہوتا تو ہم منہ سے کوئی بری بات کیسے نکالتے......؟ ہم اسے بصیر مانتے اور ایمان رکھتے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے تو کوئی بری حرکت کیسے کرتے......؟ اسے علیم جانتے اور مانتے تو بری بات سوچتے کیسے......؟''

''یہ بات نہیں......!''

مسعود صاحب بولے۔

''ایمان تو ہوتا ہے، لیکن نفس آدمی کو ہر وقت، ہر لمحہ یہ سب کچھ یاد نہیں رہنے دیتا۔''

"چلیں، ٹھیک ہے......! لیکن آدمی کو ہر لحہ اللہ کو یاد رکھنے، اس سے تعلق اور رابطہ رکھنے کی کوشش تو کرنی چاہئے، مسلسل کوشش۔ چاہے درمیان میں بھولتا رہے۔ میں انسان سے انسان کی محبت کو آسان کہہ رہا تھا۔ اب یہ بھی بتا دوں کہ میرے خیال میں وہ آسان کیسے ہے......؟"

مسعود صاحب اسے پُراشتیاق نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"محبت اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت ہے، تو محبت کرتے ہوئے انسان کو اللہ کو ہمیشہ درمیان میں رکھنا چاہئے۔ مگر ہم غلطی یہی کرتے ہیں کہ اللہ کو ایک طرف ہٹا دیتے ہیں۔ یوں محبت محدود بھی ہو جاتی ہے۔

یہ بات وضاحت طلب ہے۔

یوں سمجھئے کہ اللہ سے محبت کرنے کا جو آسان ترین راستہ بتایا گیا ہے، وہ اس کے بندوں سے محبت کرنا ہے۔ یعنی ہر انسان کو بلاتفریق ہر دوسرے انسان سے محبت کرنی چاہئے، اور درمیان میں اللہ کا حوالہ نہ ہو تو یہ ممکن ہی نہیں۔"

"مطلب......؟"

"محبت اللہ کا دیا ہوا تحفہ ہے تو وہ صرف اللہ کی خاطر ہی کی جائے۔"

"وہ کیسے......؟"

"آپ بیٹے سے محبت کرتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کے حکم کے خلاف جائے تو اسے سمجھائیں، نہ سمجھے تو اسے بزور روکیں، نہ رُکے تو اس پر سختی کریں، اور پھر بھی نہ رُکے تو اس کے لئے بہتری چاہتے رہیں، دُعا کرتے رہیں۔ یہی محبت ہے۔"

"کتے کے مالک والی محبت......؟"

"جی ہاں......!"

"مگر یہ محبت سب سے...... ہر انسان سے کرنا تو ممکن نہیں۔"

"ایسا نہ کہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ یہی تو ثابت کرتی ہے۔ تب ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین ہیں۔ کیا دُشمن......؟ کیا ایذا پہنچانے والے......؟ کیا توہین کرنے والے......؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سب کی بہتری چاہی، پیار محبت سے سمجھایا، دلیل دے کر سمجھایا، ترغیب دے کر سمجھایا، ڈرا کر سمجھایا۔ نہ مانے تو ان کے لئے دُعا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بس میں ہوتا تو دُنیا کا ہر آدمی ایمان لے آتا۔"

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بات ہی اور ہے۔ عام آدمی کے بس کی یہ بات



کہاں......؟"

"نہیں ہے......! لیکن اتباع تو ضروری ہے، اور یہی تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اور یہی محبت ہے۔ اور آدمی جب بھی کسی سے محبت کرے تو اللہ کی خاطر کرے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ غلط محبت وہ کر ہی نہیں سکے گا۔ اور اس کی کوئی غرض ہوگی تو وہ بھی پیچھے چلی جائے گی۔ کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ اور وہ ترکِ محبت کرے تو وہ بھی اللہ کی خاطر کرے۔"

مسعود صاحب کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے سر اُٹھایا۔

"یہ تو بالکل ٹھیک ہے۔ اس کا دُہرا فائدہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ اللہ سے محبت کی حد میں بھی قدم رکھ دیتے ہیں۔"

"جی ہاں......! یہی بات ہے، اور اس طرح محبت آخرت میں بھی اجر کا کام بن جاتی ہے۔"

"بے شک......!"

"اور دوسری محبت......؟"

"وہی تو میں نے کتے سے سیکھی۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ اللہ نے وہ ہماری راہنمائی کے لئے ہی کتے کو عطا فرمائی۔ کتا احسان کے صلے میں محبت کرتا ہے۔ اور احسان اور عنایت کا تسلسل بن جائے تو احسان کرنے والے کو اپنا مالک مان لیتا ہے۔ اب دیکھیں کہ اس کی محبت اطاعت سے شروع ہوتی ہے اور مالک مان لینے کے بعد وہ مکمل سپردگی بن جاتی ہے۔ اطاعت میں تو وہ صرف حکم مانتا ہے، ہر حکم۔ اور اس میں یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔ لیکن سپردگی میں وہ ایک ایسا یقین پا لیتا ہے جو غیر متزلزل ہوتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ مالک جو بھی اس کے ساتھ کر رہا ہے، اس میں اس کی بھلائی ہے۔

دھتکارے جانے پر وہ خفا نہیں ہوتا، مالک سے منہ نہیں موڑتا، دُور جا کر بیٹھ جاتا ہے، لیکن مالک ہی کو تکتا رہتا ہے۔ وہ ہفتوں اس کی طرف توجہ نہ کرے، مگر وہ اس دَر نہیں چھوڑتا۔ وہ پیٹتا ہے تو بھی اس کے پیروں میں لوٹتا رہتا ہے۔ مالک اس کی جان لینا چاہے تو وہ اس کے لئے بھی بخوشی تیار ہوتا ہے۔

"اب ہم خود کو کتے کی جگہ رکھ کر دیکھیں، جبکہ ہمارا مالک تو ہے ہی ہمارا ربّ۔ اور ہمارے مالک کی قدرت، محبت، عنایات اور اس کی عطا کے سامنے کتے کے مالک کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا تو ہمارا ذہن، ہماری تمام ادراک قوتیں، بلکہ ہمارا تصور بھی

احاطہ نہیں کرسکتا۔ اس کی عطا کی ہوئی جن نعمتوں کا ہمیں علم، شعور اور ادراک اور احساس ہے،
اس کی عطا کی ہوئی تمام نعمتوں کا پاسنگ بھی نہیں۔ یعنی ہم شاید ہی اور بمشکل اس کی عطا کی
ایک کروڑ نعمتوں میں سے صرف ایک کے بارے میں ہی جانتے ہیں۔

اور چچا جان......! جن نعمتوں کا ہمیں علم، شعور، ادراک اور احساس ہے، وہ بہت
بہت، بہت ہی کم ہونے کے باوجود ہمارے لحاظ سے اتنی کثیر ہیں کہ انہیں سوچنے، یاد کرنے
ذہن میں ترتیب دینے کی کوشش کریں تو ان کی کثرت اور ازدحام کی وجہ سے ذہن میں سب
گڈمڈ ہونے لگتا ہے، ذہن ماؤف ہونے لگتا ہے۔

میں نے تجربہ کر کے دیکھا چچا جان......! میں نے سوچا، جتنی نعمتوں کے بارے میں
میں جانتا ہوں، انہیں کاغذ پر لکھوں، اور پھر شکر ادا کروں۔ میں لکھتا رہا، لکھتے لکھتے تھک گیا، ذہن
خالی ہوگیا۔ بس یہ ایک احساس تھا کہ ابھی بے شمار نعمتیں ہیں، جن کے بارے میں جانتا ہوں، لیکن
ذہن انہیں گرفت نہیں کر پا رہا ہے۔ مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی تھی۔ سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔
مجھے اچانک خیال آیا کہ جس ہاتھ سے میں اللہ کی نعمتیں لکھ رہا ہوں، وہ بھی تو اللہ کا دیا ہوا ہے۔
کے بارے میں تو لکھنا ہی بھول گیا میں، حد ہوگئی۔ جس نعمت سے اس لمحے استفادہ کر رہا تھا،
مجھے یاد نہیں رہی تھی۔

اور پھر تو ایک دروازہ کھل گیا۔ اُنگلیاں بھی تو ہیں، انگوٹھا بھی تو ہے، قلم تو انہوں
ہی پکڑا ہے، اور کاغذ......! اور قلم......! اور دماغ یا ذہن، جو بھی کہیں۔ پھر خیال آیا، جسم کے کسی
عضو کو میں نے نعمتوں میں نہیں لکھا۔ اور ہر نعمت کے کئی کئی پہلو ہیں۔ کان ہیں، چہرے پر نہ
چہرہ بدنما لگے، لیکن اس سے وابستہ سننے کی صلاحیت بھی تو ہے۔

میں بے بسی سے شل ہوگیا۔ ارے باہر کی نعمتوں کو تو چھوڑو، میں تو اپنے وجود کا
ٹھیک طرح سے شکر ادا نہیں کرسکتا۔ اپنے وجود کے بارے میں ہی سب کچھ کہاں معلوم
مجھے......؟ ہر عضو ایک نظام کا حصہ ہے اور اس کا اپنا نظام ہے۔ جسم میں ایک نہیں، نہ جانے کتنے
کیسے کیسے سسٹم ہیں......؟ ہم آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ جسم میں ایک مدافعاتی نظام ہے۔ وہ کس طرح
کام کرتا ہے......؟ اس میں کون کون سے اعضاء یا کوئی اور چیز کیا پرفارم کرتی ہے......؟ کس طرح
پرفارم کرتی ہے......؟ حتمی طور پر کوئی نہیں بتا سکتا۔ میں تو عام آدمی ہوں۔ کسی عام آدمی کو
زندگی میں کبھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے جسم میں کیا کیا کچھ ہے......؟ کتنے اعضاء ہیں
جبکہ سب ضروری ہوتے ہیں۔ ذرا سی کمی ہو جائے تو فرق پڑ جاتا ہے۔ تو جو اپنے وجود کو نہیں



جانتا، وہ اللہ کی نعمتوں کو کیا سمجھے گا......؟ اور کیا شکر ادا کرے گا......؟

تو پہلے بے بسی نے مجھے شل کیا، پھر مجھ پر عاجزی طاری ہوئی۔ میں نے کہا، اللہ آپ
سب جانتے ہیں اور میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ میری اوقات تو ایک عام سی نعمت پر شکر ادا کرنے کی بھی
نہیں، میں شکر کیسے ادا کرسکتا ہوں......؟ میں بندۂ عاجز میرے معبود......! آپ تو میرے مانگے بغیر
میری ضرورتیں اسی طرح پوری فرماتے ہیں کہ مجھے نہ ضرورت کا پتا چلتا ہے نہ اس کے پورے
ہونے کا۔ آپ تو ہر لمحہ میری بے خبری میں مجھے ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں نعمتیں عطا کرتے رہتے
ہیں۔ میں بھلا آپ کا شکر ادا کرسکتا ہوں......؟ اور یہ جو میں نے زبان سے شکر ادا کیا تو یہ اتنی
نعمتوں پر آپ کی ایک اور بڑی نعمت ہے۔"

"کوشش......! پھر بے بسی......! پھر عاجزی اور پھر گریہ......! شاید یہی شکر ہے......؟"

مسعود صاحب نے کہا۔

"اور یہ سب خود نعمتیں ہیں، کوشش، بے بسی، عاجزی، گریہ، شکر کے نفل، پھر ان پر
شکر......! نہیں چچا جان......! شکر تو ممکن ہی نہیں......!"

"مگر اللہ نے شکر ادا کرنے کو کہا۔"

"جی ہاں......! توفیق بھی اس نے عطا فرمائی، اور شکر ادا کرنا بھی اس نے نصیب
فرمایا۔ پھر اسے بندے کی طرف سے قبول فرما لیا۔ کوئی عطا سی عطا ہے۔"

عبدالحق نے کہا۔ پھر چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ اللہ نے شکر کا حکم دیا تو بہت بڑا کرم فرمایا۔ کوشش، بے بسی،
عاجزی، گریہ......! اس کے بعد کیا آتا ہے......؟ بندگی، اطاعت اور پیہم کرم کا احساس محبت کی
طرف لے جاتا ہے۔ بندہ حاصل کر پائے یا نہ کر پائے، راستے تو اسی منزل کی طرف جاتے ہیں۔"

"بات دُور نکل گئی......!"

مسعود صاحب نے یاد دلایا۔

"ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ بات اسی کی جو ٹھہری، جس کی باتیں اتنی ہیں کہ روئے زمین
کے تمام سمندر روشنائی بن جائیں اور اتنے ہی سمندر اور لے آئیں، پھر لکھتے رہیں، مگر اس کی باتیں
ختم ہی نہ ہوں۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کہاں کتے کا مالک......؟ اور کہاں ہمارا مالک......؟ یہ بات
کہنا بھی حماقت ہے۔ لیکن ہم کتے سے اپنا موازنہ نہ کریں اور دیکھیں کہ اطاعت اور محبت میں ہم اس
سے بڑھ کر ہیں یا نہیں......؟"

''تو مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔''
مسعود صاحب نے سرد آہ بھر کر کہا۔
''جی بالکل......! غور تو کریں، ہم شکر ادا نہیں کرتے۔ کوئی بات نہیں......! یہ ناشکر
ہے، مگر ہم تو اُلٹا شکایت کرتے رہتے ہیں۔ موسموں کی نعمت پر شکر کوئی ادا نہیں کرتا۔ لیکن گرمی پر بھی
شکایت......؟ سردی پر بھی شکایت......؟ بارش نہ ہونے پر بھی شکایت......؟ اور بارش ہونے پر بھی
شکایت......؟ ہوا تیز چلنے پر بھی شکایت......؟ اور ہوا رُکنے پر بھی شکایت......؟ حالانکہ یہ وہ نعمت
ہے جس کے دم سے زندگی ہے اور اللہ نے اس پر کسی کو اختیار بھی نہیں دیا کہ کوئی کسی کی ہوا بند کر
دے۔ مگر شکر نہیں، شکایت ہی کرتے ہیں ہم......؟ صحت اور تندرستی پر شکر نہیں ادا کرتے۔ مگر معمولی
سی بیماری پر اللہ سے گلہ پکا......؟

تو شکایت اور اطاعت کا کوئی میل ہی نہیں۔ شکایت کا شائبہ بھی پیدا ہوگیا تو اطاعت
ختم ہوگی۔ شکایت ناشکرا پن ہے، اور ناشکرا آدمی کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ کچھ اللہ کی طرف سے ملے
گا تو شکر ادا کرنے سے پہلے ہی وہ اسے کم لگنے لگے گا، اور پھر شکایت......؟ ہل من مزید۔ یہ تو نفس
امارہ کی قید ہے۔ اس کا پیٹ کبھی بھرتا ہی نہیں۔

اللہ نے شکر ادا کرنے کو کہا، جو ناممکن ہے تو اس طرح خود تک پہنچنے کا، محبت کرنے کا
ایک سادہ اور آسان راستہ دکھایا۔ شکر محض زبان سے ادا کرنا بھی قناعت کے بغیر ممکن نہیں، اور
قناعت اختیار کی تو جیسے نفس امارہ کو پچھاڑ دیا۔ ایک بڑی فتح حاصل کر لی۔ پھر شکر، احسان مندی
سے ہے، اور احسان مندی اطاعت کی طرف لے جاتی ہے۔ نفس امارہ بغاوت پر اُکساتا ہے اور شکر
اطاعت پر۔ تو کم از کم نیکی اور بدی کی ایک جنگ تو شروع ہوئی، جس پر خوش ہو کر اللہ بندے کو
امداد سے بھی نوازے گا۔

اب غور کریں، انسان عام طور پر کتے کے برعکس عمل کرتا ہے اور یہ میں اللہ کے ماننے
والوں کی بات کر رہا ہوں۔ پریشانی میں اللہ سے گڑگڑا کر دُعا کرتا ہے، مدد مانگتا ہے۔ مدد مل جائے
تو سب سے پہلے اللہ سے ہی منہ پھیرتا ہے۔''
''یہ تو اللہ نے قرآن میں بھی فرمایا ہے۔''
مسعود صاحب سے رہا نہیں گیا۔
''جی ہاں چچا جان......! جو خوشی ملے، اس میں مگن ہو جاتا ہے، دُنیا میں گم ہو جاتا
ہے، اور کوئی پریشانی آئے خواہ وہ اس کے اپنے ہی کسی عمل کا نتیجہ ہو تو اللہ سے شکایت کرتا ہے۔



ایسا آدمی اللہ سے کیا محبت کرے گا......؟ وہ تو بندوں سے بھی محبت نہ کرسکتا۔ جو ہر کسی سے اپنی
ہی بھلائی چاہے، نہ ملے تو خفا ہو جائے، اور کچھ دینے کا اسے خیال ہی نہ ہو، وہ محبت کا نام تو
لے سکتا ہے، محبت نہیں کرسکتا۔

مسئلہ یہی ہے کہ کتا بہت حقیر ہے۔ اشرف المخلوقات اس سے کیا سیکھے......؟ اور کیوں
سیکھے......؟ کتا احسانات کے صلے میں صرف اپنے مالک کے بارے میں سوچتا اور اس کے مفادات
کی فکر کرتا اور ان کا خیال رکھتا ہے۔ اس سے سیکھے تو آدمی کی زندگی کا کوئی ایک لحہ بھی اللہ کے خیال
سے خالی نہ ہو۔ اور وہ یہ سیکھ لے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی ہے، اس کی بہتری کے لئے ہے۔
چاہے وہ بہتری نہ اسے نظر آ رہی ہو اور نہ ہی اس کی سمجھ میں آ رہی ہو، اور وہ یہ یقین کرنا سیکھ لے
کہ اس کی خواہشات میں سے جو کچھ اسے نہیں ملا، اس میں بھی اس کی بہتری ہے، جو نہیں ملا، اس
میں اس کے ضرر تھا، شر تھا، اور اللہ نے اسے اس سے بچا لیا۔ جب اس کا یہ یقین ایمان کو پہنچ گیا تو
سمجھیں کہ وہ فلاح پا گیا۔ یہ اللہ سے محبت کا زینہ ہے۔ اطاعت مکمل کئے بغیر محبت تک نہیں پہنچا جا
سکتا اور اللہ سے محبت کے لئے آسان ترین بنیاد یہی ہے کہ آدمی جس سے محبت کرے، اللہ کی خاطر
کرے۔''

مسعود صاحب کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے سر اُٹھایا۔
''تم کہتے ہو کہ محبت بے غرض ہونی چاہئے۔''
''جی چچا جان......! کیونکہ غرض محبت کو پستی کی طرف لے جاتی ہے۔''
''اور سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں اللہ نے اپنی محبت کی ترغیب دلائی ہے، اپنے
بندوں کو۔''

''آپ شاید ۱۶۵ ویں آیت کی بات کر رہے ہیں۔''
''آیت نمبر تو مجھے یاد نہیں، البتہ یہ یقین ہے کہ دوسرے پارے میں ہے۔''
عبدالحق نے آیت پڑھی۔
''ہاں......! میں اسی آیت کی بات کر رہا ہوں۔''
''بڑی بلیغ آیت مبارکہ ہے اور میرے خیال میں تو اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس سے
محبت کی جائے، سب سے بڑھ کر۔''
عبدالحق نے کہا، پھر چند لمحے سوچنے کے بعد آیت کا ترجمہ بیان کیا۔
''اللہ اس آیت میں فرماتا ہے کہ لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے سوا

دوسروں کو (اللہ کا) مدّ مقابل۔ یہ تو سیدھا سیدھا شرک کا معاملہ ہے۔ مشرکین کے بارے
فرمایا گیا ہے۔

اور آگے اللہ فرمایا ہے، انہی لوگوں کے بارے میں، محبت کرتے ہیں ان
محبت، جیسی اللہ سے ہونی چاہئے۔ یہ وہ بات ہے، جو میری سمجھ میں آتی ہے کہ اطاعت، عبود
بندگی سے آگے کا معاملہ محبت ہے۔ یعنی وہ بدنصیب ان جھوٹے خداؤں کی عبادت، ان کی
کرتے ہیں، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ان سے محبت کرتے ہیں، جبکہ ایسی محبت کا سزاوار
اور صرف اللہ ہے۔

اور آگے اللہ نے ایمانِ کامل کی شرط بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حالانکہ
لوگ جو ایمان والے ہیں، سب سے بڑھ کر محبوب رکھتے ہیں اللہ کو، سب سے بڑھ کر......!
مال، اہل و عیال، دُنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرنا، یہ ایمان ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک متفق علیہ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ
وسلم نے فرمایا۔ تین چیزیں ہیں، جس میں وہ ہوں گی، ایمان کی حلاوت پالے گا، جو شخص کہ اللہ
اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی طرف سب سے بڑھ محبوب ہو، اور جو کسی دوسرے
صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر دوست رکھتا ہے۔ اور جو شخص کفر میں لوٹ جانے کو اس طرح برا سمجھے
اللہ نے اسے اس سے نکال لیا ہے، جس طرح آگ میں جانا برا سمجھتا ہے۔

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا، جو شخص محبت رکھے اللہ کی وجہ سے اور بغض رکھے والے اللہ کے اور دے واسطے اللہ کے
دے واسطے اللہ کے۔ پس پورا کیا اس نے اپنے ایمان کو۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بہترین عمل ہے دوستی رکھنا اللہ کی راہ میں اور دُشمنی رکھنا اللہ کی راہ میں۔

اب بتایئے......! اس میں شبہے کی کوئی گنجائش ہے......؟"

"بالکل نہیں......! سب سے بڑھ کر محبت کا سزاوار اللہ ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ
بے غرض ہونی چاہئے۔ اب یہ بتاؤ کہ اللہ سے کوئی بے غرض محبت کیسے کر سکتا ہے......؟ ہماری
غرض، ہر ضرورت پوری ہی اللہ کرتا ہے۔"

بات اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ عبدالحق گھبرا گیا۔

"واقعی......! یہ تو ممکن ہی نہیں۔"



"اور بیٹے......! بے غرض تو صرف اللہ کی ذات ہے، جو ہر ضرورت، ہر حاجت سے
بے نیاز ہے اور سب کا حاجت روا ہے۔"

مسعود صاحب نے مزید کہا۔

"جی......! اس میں تو کوئی شک نہیں......!"

عبدالحق نے کہا۔ وہ بہت تیزی سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو محبت اور غرض آپس میں متصادم نہیں۔ غرض کے باوجود آدمی کسی سے محبت کر سکتا
ہے۔"

اچانک عبدالحق کے ذہن میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔

"اس سے تو میں نے انکار نہیں کیا۔ لوگ کہتے ہیں، لیکن غرض ان کی محبت کو پست کر
تی ہے اور وہ محبت غرض پوری ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔"

اس نے کہا۔

"اب آپ پھر کتے کی طرف پلٹیں۔ کتا جب کسی کو اپنا مالک مان لے، تو پھر اس کے
کسی سے غرض نہیں رکھتا۔ کھانا بھی اپنے مالک سے ہی مانگتا ہے۔"

"لیکن کوئی اور کھانے کو کچھ دے تو انکار تو نہیں کرتا۔"

مسعود صاحب نے اعتراض کیا۔

"اہم بات یہ ہے کہ مانگتا صرف اپنے مالک سے ہے، اس کے سوا کسی سے نہیں
مانگتا۔ ہمیں اس معاملے میں بھی کتے سے سیکھنا چاہئے۔"

"میں تو کچھ نہیں سمجھا......!"

"دیکھیں چچا جان......! کئی باتیں ہیں، الگ الگ......! اللہ ہر حاجت سے پاک
ہے۔ تمام مخلوقات کا بشمولِ جن و انس حاجت روا ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ کائنات میں، ساتوں
آسمانوں میں، ساتوں زمینوں میں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، خواہ وہ اس نے کسی کے بھی
تصرف میں دیا ہو، صرف اس کا ہے۔ کوئی نہیں، جو کسی کو کچھ دینے کی قدرت رکھتا ہو۔ کوئی نہیں، جو
کسی کی مدد کر سکتا ہو۔ ساری کی ساری عزت، تمام کا تمام علم، ساری کی ساری طاقت اور تمام کے
تمام وسائل، سب کچھ صرف اس کا ہے۔ اور وہ قادرِ مطلق ہے۔ اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں
ہلتا۔

اللہ کو یہ بہت پسند ہے کہ اس کے بندے اپنی ہر ضرورت کے لئے اس کی طرف

دیکھیں، اس سے مانگیں، اسی سے مدد چاہیں، یہ بندگی ہے، اور اس بندگی کے اگلے مرحلے
ہے، جس کا سزاوار صرف اللہ ہے، جو ایمان والے اس سے کرتے ہیں۔

اور اللہ کو یہ بہت ناپسند ہے کہ اس کے بندے اس کے سوا کسی سے کچھ
سے کچھ اُمید رکھیں۔

تو بندہ اپنی کسی غرض کی خاطر کسی دوسرے بندے سے محبت کرے تو یہ اللہ کو
ہوگا......؟ اس غرض کے لئے تو اسے اللہ سے سوال کرنا چاہئے۔ اور اس کے باوجود وہ اس
محبت محسوس کرے تو وہ بے غرض محبت اچھی ہے۔

بلکہ بندگی کا اعلیٰ درجہ تو شاید یہ ہے کہ اللہ نے جو چیز میرے تصرف میں دی
سے استفادہ کے لئے بھی میں اللہ سے دُعا کروں، مانگوں کہ اس کے اذن کے بغیر تو میں
نوالہ اپنے منہ تک نہیں پہنچا سکتا۔ یہ اس بات کا اظہار ہوگا کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، اللہ
سے ہے۔ وہ ہمارا نہیں، اللہ ہی کا ہے۔"

"سبحان اللہ......!"

مسعود صاحب نے بے ساختہ کہا۔

"بات واضح ہوگئی۔"

لیکن عبدالحق اب جیسے کسی کیفیت میں تھا۔ اس کی آواز اور لہجے میں عجیب
جوش اور بہاؤ تھا۔

"اور اللہ سے محبت کرنی ہے تو اس کے بندوں سے محبت کرو۔ یعنی اللہ کے
اللہ کے خلیفہ بن جاؤ۔ جو کچھ کرو، اللہ کی خاطر کرو۔ دوستی اللہ کی خاطر، دُشمنی اللہ کی خاطر، محبت
کی خاطر، نفرت اللہ کی خاطر، کسی کو کچھ دو تو اللہ کی خاطر، اور کسی سے کچھ روکو تو اللہ کی خاطر۔

اس کا صاف اور صریح مطلب یہی ہے ناں کہ اپنی غرض، اپنے مفاد کے لئے
کرو۔ ہر قدم اللہ کی راہ میں اُٹھاؤ۔ دوستی، دُشمنی، صلح اور قتال، سب اللہ کے لئے۔

کاش......! اللہ مجھے بھی ایسا بنا دے۔ یہی تو ہے اللہ کی محبت......!"

"مجھے بھی......! آمین......!"

مسعود صاحب نے جلدی سے کہا۔

بہت دیر خاموشی رہی، جیسے دونوں ہی کے پاس بولنے کو کچھ نہ رہا ہو۔

پھر عبدالحق ہی اس کیفیت سے باہر آیا۔



"یہ محبت کی بات تو ضمناً شروع ہوگئی، ورنہ مجھے یاد آتا ہے کہ بات دُعا پر چلی تھی۔
آپ نے کہا تھا کہ کوئی دُعا ہے، جو آپ کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس سے ڈر جاتے ہیں۔"

مسعود صاحب شرمندہ سے ہوگئے۔

"ہاں......! یہی بات ہے۔"

اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ کسی ایسی چیز کے لئے دُعا کریں، جس کو اللہ نے حرام
قرار دیا ہو۔"

"معاذ اللہ......!"

مسعود صاحب کی آواز میں لرزش تھی۔

"اور آپ اللہ کے قائم کردہ نظام میں خلل ڈالنے والی دُعا بھی نہیں کرتے۔"

"الحمدللہ......!"

"تو اپنے لئے نقصان کی دُعا کیسے کر سکتے ہیں......؟ دُعا تو بندہ فائدے ہی کے لئے
کرتا ہے ناں......! اور سب سے بڑا فائدہ آخر کا فائدہ ہے......!"

"ہاں میاں......! اسی کے لئے دُعا کرتا ہوں میں۔"

"تو پھر ڈرنے کا کیا سوال......؟"

"اوقات اور اہلیت کی بات کی تھی ناں میں نے۔"

مسعود صاحب خجل سے ہوگئے۔

"تو چچا جان......! آدمی کتنا ہی گناہ گار ہو، اللہ سے مغفرت کی دُعا تو کرے گا۔ یہ
تو اللہ کو بہت پسند ہے۔ گناہ کر کے توبہ کرنا بھی ایسا ہی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مایوسی
کفر ہے تو یہ اس کی رحمت سے مایوس ہونے کے بارے میں ہے۔ اور رہی بات اہلیت کی تو اپنے
اعمال کے زور پر جنت میں جانے کا دعویٰ کون کر سکتا ہے......؟ لیکن وہ جہنم سے پناہ تو مانگے گا ناں
اللہ کی......! اور جنت کے لئے دُعا بھی کرے گا۔ اور اہلیت نہ رکھنے کے باوجود کرے گا۔ اور اللہ
سے اُمید رکھے گا کہ اس کی مغفرت کا دامن بے حد وسیع ہے، اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اعمال
کی خرابی اور نیک اعمال کی کمی کے باوجود اللہ چاہے گا تو اسے بچا لے گا۔ اللہ چاہے گا تو اسے جنت
سے نواز دے گا۔ اور وہ تو ایسا نوازنے والا ہے کہ چاہے تو جنت کے بھی اعلیٰ درجے میں جگہ عطا
فرمائے۔ تب ہی تو لوگ جنت الفردوس کی دُعا کرتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو میاں......!"

مسعود صاحب نے سرد آہ بھر کے کہا۔

''لیکن اللہ کبھی کسی پیغمبر کی دُعا پر بھی تو خفا ہو جاتا ہے۔''

''یہ بات ٹھیک ہے......!''

عبدالحق نے کہا اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آپ کا اشارہ سورۂ ھود کی آیات کی طرف ہے، جن میں طوفانِ نوح علیہ السلا ذکر ہے......؟''

اس نے پوچھا۔

''سورہ کے بارے میں تو یقین سے نہیں کہہ سکتا، لیکن ہے حضرت نوح علیہ السلا سے ہی متعلق......!''

''اور ان کے اس بیٹے کے متعلق، جسے انہوں نے کشتی میں سوار ہونے کا کہا تھا، ج اس نے انکار کر دیا، اور غرق ہو گیا......؟''

''ہاں وہی......! مجھے بہت ڈر لگتا ہے اس سے۔''

''ایک فرق ہے ناں چچا جان......! دوسروں کے لئے دُعا کرنا ایک مختلف بات خواہ وہ آپ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو......؟ کسی کو نہیں معلوم ہوتا کہ دوسرے کسی شخص کا اللہ کے ساتھ معاملہ ہے......؟ اچھا یا برا......؟

لیکن دوسروں کے لئے دُعا کرنے کو اللہ پسند فرماتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ دُعا کرنے والے کو وہی کچھ اور بڑھا کر عطا فرماتا ہے۔

آپ اپنے گمان کے مطابق کسی کے لئے بھی دُعا کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ یقینی پر جانتے ہوں کہ کوئی منکر، مشرک، کافر یا منافق ہے تو آپ اس کے لئے مغفرت اور بخشش کی نہیں کر سکتے۔ ہاں......! اس کے لئے اللہ سے ہدایت اور ایمان کی دُعا کر سکتے ہیں۔ منافقوں لئے تو اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فرما دیا کہ چاہے آپ انہیں معاف فرما دیں، اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا، اور منافق کی تو نمازِ جنازہ پڑھانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔''

''بہر حال میں کیا کروں کہ مجھے وہ ایک دُعا کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے......؟''

عبدالحق کچھ سوچ رہا تھا۔

''کوئی بڑی اہم بات ہے، جو میرے ذہن کی گرفت میں نہیں آ رہی ہے۔''

اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔



مسعود صاحب اسے متوقع نظروں سے دیکھتے رہے۔

''دیکھئے......! میں سورۂ ھود کی ان آیات کا ترجمہ دُہراتا ہوں۔ شاید سمجھ میں آ جائے۔

پینتالیسویں آیت میں ہے۔

''اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے ربّ کو۔ اے میرے مالک! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے ہے، اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے، اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔''

یہ ہے اطاعت......! اللہ کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے کیسی عاجزی ہے، اور آخر میں ''تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے'' یعنی بے شک، تیرا فیصلہ اٹل ہے۔''

مسعود صاحب نے کہا۔

''اور چھیالیسویں آیت میں اللہ کا جواب ہے۔''

عبدالحق نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں۔

''ارشاد ہوا۔

''اے نوح (علیہ السلام)! واقعہ یہ ہے کہ وہ نہیں ہے تمہارے گھر والوں میں سے، بے شک اس کے کام ہیں خراب۔''

یعنی واضح فرما دیا کہ اللہ کے منکر اور کافر کا ایمان والوں سے کوئی تعلق نہیں، اگر چہ وہ تعلق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ باپ بیٹے کا تعلق اپنا بنایا ہوا تو نہیں ہوتا ناں......؟''

اس نے گہری سانس لی۔

''پھر آگے فرمایا۔

''لہٰذا نہ درخواست کرو تم مجھ سے ایسی، جس کے بارے میں نہیں ہے تمہیں کچھ علم۔ البتہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا تم جاہلوں میں سے۔''

''یہ تو بالکل واضح بات ہے۔ اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔''

''اوہ......! بات سمجھ میں آ گئی ناں......!''

عبدالحق کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

مسعود صاحب اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

''اگلی آیت میں اللہ نے ایک دُعا عطا فرمائی ہے۔ میں نے کبھی اس پر غور ہی نہیں کیا

تھا۔"

"سناؤ بیٹے......!"

"قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ o وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ o"

"فرمایا ہے اللہ، نوح (علیہ السلام) نے کہا، اے میرے ربّ! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس بات سے کہ میں تجھ سے مانگوں وہ چیز کہ نہیں ہے مجھے اس کا علم، اور اگر نہ کیا تو نے مجھے معاف اور نہ رحم فرمایا تو ہو جاؤں گا میں برباد۔"

مسعود صاحب کی آنکھیں بھی چمکنے لگیں۔

"یہ تو بہت بڑی دُعا ہے چچا جان......!"

عبدالحق نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"انسان تو بے خبری میں، نادانستگی میں کسی بھی طرح کی دُعا کر سکتا ہے، اپنے لئے تباہ کن بھی اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بھی۔ تو اللہ نے یہ دُعا عطا فرما کے کیسی کریمی کی ہے۔ آخر میں یہ دُعا مانگ لی جائے تو اللہ رحم فرمائے گا، انشاء اللہ......! اور نقصان سے بچا لے گا۔"

"بے شک......! میرے بیٹے......! جزاک اللہ......!"

مسعود صاحب کے لہجے میں بے پناہ شفقت تھی۔

"اس وقت اللہ نے تمہارے ذریعے میری بہت بڑی راہنمائی فرمائی، بڑی مشکل آسان کر دی۔ اب میں جو دُعا کرنا چاہتا ہوں، وہ کر سکتا ہوں اور انشاء اللہ......! کروں گا۔ اللہ... اپنی ناراضی کا خوف میرا دُور فرما دیا۔ جزاک اللہ بیٹے......!"

"جزاک اللہ فی الدارین چچا جان......! یہ تو آپ کی وجہ سے اللہ نے مجھے بھی فیض پہنچایا۔ سینکڑوں بار یہ آیت مبارکہ پڑھی ہوگی میں نے، مگر کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کتنی بڑی دُعا ہے......!"

"الحمد للہ......! یہ اللہ کا فضل ہے۔"

"اب اجازت چچا جان......؟"

"اور بیٹھنے کو کہتا، لیکن تم بتا چکے ہو کہ مصروفیت کیسی ہے۔"

"دُعا کیجئے گا کہ عزت اور سرخ روئی کے ساتھ اس مرحلے سے گزر جائیں ہم





بڑی ذمہ داری ہے۔"

"انشاء اللہ......! سب ٹھیک ہوگا بیٹے......!"

عبدالحق اُٹھ کھڑا ہوا۔ مسعود صاحب بھی کھڑے ہوگئے۔ عبدالحق نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر انہوں نے اسے نظر انداز کر کے اسے سینے سے لگا لیا۔ دیر تک وہ اسے سینے سے لگائے اس کی پیٹھ تھپکتے رہے۔

"تم میرے لئے اللہ کی رحمت ہو بیٹے......! میں بہت دُعا کرتا ہوں تمہارے لئے......!"

انہوں نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔

عبدالحق کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اللہ کہاں کہاں، کیسی کیسی محبت عطا فرمایا ہے۔

مسعود صاحب نے اسے پیچھے ہٹایا اور بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"فی امان اللہ......! بیٹے......! جاؤ، اللہ تمہیں آسانیاں عطا فرمائے، اپنے معاملات میں بھی اور دوسروں کے معاملات میں بھی۔"

"واپس آتے ہی انشاء اللہ میں حاضر ہوں گا۔"

عبدالحق نے کہا۔

"انشاء اللہ......! زندگی رہی تو پھر ملیں گے تم سے......!"

اب وہ پھر اسے غور سے دیکھ رہے تھے، جیسے آنکھوں میں اُتار کر دل میں بسا رہے ہوں۔

"السلام علیکم......! چچا جان......!"

"ایسے نہیں......! گیٹ تک رُخصت کرنے چلوں گا میں، جانے اب کتنے دن بعد ملاقات ہو......؟"

❀❀❀

اس بار چوکیدار اور مالی کو چھوڑ کر تمام ملازمین بھی ان کے ساتھ ایبٹ آباد گئے۔ نسیمہ اور اس کی بیٹیاں بھی آبیہ اور نوریز کی شادی میں شریک ہونا چاہتی تھیں، اور یہ ان کا حق تھا۔

وہ لوگ چوبیس تاریخ کو ایبٹ آباد پہنچے۔ رشیدہ اور آبیہ ان کے ساتھ تھیں۔

عبدالحق خود انہیں بفہ ان کے گھر چھوڑنے گیا۔ وہاں رشیدہ کے شوہر اور اس کے بیٹوں سے م
ہوئی۔ اسے حیرت ہوئی کہ انہوں نے کبھی نہیں دیکھا، لیکن اسے جانتے بھی ہیں اور اس کا
احترام بھی کرتے ہیں۔

''آپ کی صحت اب کیسی ہے......؟''

عبدالحق نے رشیدہ کے شوہر سے پوچھا۔

''برسوں پرانی بیماری ہے صاب......! اللہ کی مہربانی ہے کہ حاجت کے لئے چل
لیتا ہوں۔ جب تک اللہ کا حکم ہے، جینا ہے صاب......! بس اللہ محتاجی سے بچائے۔''

''کوئی ضرورت تو نہیں آپ کو......؟''

''آپ کی مہربانی ہے۔ بس ایک بوجھ رہ گیا تھا، وہ بھی زندگی میں ہی اُتر رہا ہے''

''بوجھ نہ سمجھیں......! بوجھ تو آدمی کہیں بھی اُتار دیتا ہے، چھٹکارے کے لئے۔ ب
ہے آپ کی۔ لڑکے کو، لڑکے والوں کو اچھی طرح سے دیکھیے گا۔ تسلی سے ہاں کیجئے گا۔ اچھا نہ
تو منع کر دیں۔''

''کیا کہہ رہے ہیں صاب......؟ وہ آپ کا ڈریور (ڈرائیور) ہے۔ اس سے
تسلی کی بات کیا ہوگی......؟''

عبدالحق نے سوچا۔

''دونوں طرف ایک ہی سی بات ہے۔ ذمہ داری میری ہی ہے۔''

مگر بیمار آدمی سے وہ بحث نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے اسے اندازہ تھا کہ رشیدہ
بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔

وہ واپس چلے آئے۔

نورالحق جب سے ایبٹ آباد آیا تھا، مسحور تھا۔ حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھتا، او
دیکھتا اونچے اونچے سرسبز پہاڑ نظر آتے۔ اور ایبٹ آباد سے بفہ کے سفر میں تو وہ بہت خوش ر
ابتداء میں وہ سڑک کے ایک پہاڑ اور دوسری طرف کھائی دیکھ کر ڈرا تھا، مگر پھر گرد و پیش کی
صورتی نے ڈر نکال دیا تھا۔

''بابا......! یہ جگہ تو کراچی اور لاہور جیسی نہیں ہے۔''

اس نے عبدالحق سے کہا۔ اسے یہ بھی اچھا لگ رہا تھا کہ یہاں اسے بابا کا سا
رہا تھا اور ساجد بھائی بھی ساتھ تھے۔





''تمہیں اچھی نہیں لگی......؟''

عبدالحق نے اس سے پوچھا۔

''نہیں بابا......! یہ تو بہت اچھی ہے۔ اور بابا......! اتنے اونچے درخت تو میں نے کبھی
نہیں دیکھے۔''

اس نے کہا۔

''یہ لاہور اور کراچی میں نہیں ہوتے......؟''

''یہ پہاڑی علاقے کے درخت ہیں۔ یہ اونچے اور پتلے ہوتے ہیں۔''

''یہ کیسے درخت ہیں......؟''

''ان میں چیڑ ہے، اخروٹ ہے، دیودار ہیں، بڑی مہنگی لکڑی ہوتی ہے ان کی۔''

''اور بابا......! سیب، خوبانی اور آلوچے میں نے درخت پر لگے کبھی نہیں دیکھے تھے۔''

''ہاں بیٹے......! یہاں بڑی نعمتیں ہیں۔''

''یہ ایبٹ آباد بھی شہر ہے......؟''

''تمہیں نہیں لگتا......؟''

نورالحق نے نفی میں سر ہلایا۔

''لاہور جیسا تو نہیں لگتا۔''

''یہ پہاڑی علاقے کے شہر ہیں۔ بہت بڑے نہیں ہوتے۔''

وہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے ایک مہینے کے لئے ملازموں کا بندوبست کیا تھا۔ لاہور
کے تمام ملازم تو یہاں مہمان تھے اور انہوں نے دو ڈرائیور بھی رکھے تھے۔ ساجد اور زبیر نے مخالفت
کی تھی۔ لیکن عبدالحق نے کہا کہ یہاں پہاڑی سڑکیں ہیں، جن کے وہ عادی نہیں۔ وہ یہاں مشق تو
کر سکتے ہیں، آزادانہ گاڑی چلانا مناسب نہیں۔

اس وقت بھی ڈرائیور ان کے ساتھ تھا۔ اس نے کہا۔

''ایبٹ آباد میں بہت جگہیں ہیں گھومنے کی، کل ٹھنڈیانی چلیں سر جی......؟''

''دیکھیں گے......!''

عبدالحق نے کہا۔

گھر میں بڑی رونق تھی۔ ملازماؤں نے گھر کو آئینے کی طرح چمکا دیا تھا۔

نورالحق وہاں بہت خوش تھا۔ اس کے لئے تو وہ دُہری خوشی تھی۔ ایک تو ماموں اور آپی

شادی ہو رہی تھی، اب آپ ہمیشہ اس کے ساتھ رہیں گی، اور ماموں بھی۔ دوسرے یہ ابھی [illegible]
اسے بہت اچھا لگا تھا۔

اگلی صبح وہ بہت سویرے اُٹھ گیا۔ وہ بڑے کمرے میں آیا تو بابا بیٹھے اخبار پڑھ رہے
تھے۔ کھڑکیوں کے پردے سمیٹ دیئے گئے تھے۔ سامنے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ گھر سے اتنا خو[illegible]
صورت منظر اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ پہاڑ یہاں سے کتنی دُور ہوں گے بابا......؟''

اس نے پوچھا۔

عبدالحق نے اخبار سے نگاہیں ہٹا کر اسے دیکھا، پھر کھڑکی سے نظر آنے والے پہا[illegible]
دیکھا اور مسکرایا۔

''تمہارا کیا اندازہ ہے بیٹے......؟''

''مجھے تو بہت قریب لگ رہا ہے۔''

''تمہیں وہاں لے کر چلیں گے تو خود ہی دیکھ لینا......!''

''آپ وہاں لے کر چلیں گے مجھے......؟ سچ بابا......؟''

''ناشتے کے بعد ہم چلیں گے۔ ذرا دیکھو تو جا کر، ناشتہ تیار ہوا یا نہیں......؟''

اور نورالحق نے باہر جا کر شور مچا دیا کہ جلدی سے ناشتہ دیا جائے۔

ناشتے کے بعد وہ نورالحق کو لے کر باہر آیا۔ جیب سے چابی نکال کر اس نے گاڑی
دروازہ کھولا۔

''گاڑی میں چلیں گے بابا......؟''

نورالحق کے لہجے میں ہلکی سی مایوسی تھی۔

''ہاں......! اور وجہ بھی تمہاری سمجھ میں آ جائے گی۔ سوال نہ کرو، صبر کرو......!''

''جی بابا......!''

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے نوریز یاد آیا۔ کیسے عادی ہو گیا تھا وہ اس کا۔
لیکن اس نے نوریز کو اس کے گھر والوں کے ساتھ ہی مری بھیج دیا تھا، بہت اصرار کر کے۔ نو[illegible]
جانا نہیں چاہتا تھا۔

مگر اب وہ اسے مس کر رہا تھا۔

وہ گاڑی اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ یہاں جو ڈرائیور رکھے تھے، ان میں سے ایک





ہوا آیا۔

''سر......! مجھے حکم کریں، کہاں چلنا ہے......؟''

عبدالحق اسے منع کرنا چاہتا تھا۔ مگر کچھ سوچ کر اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔

''بیٹھ جاؤ......! ابھی تو گاڑی میں ہی ڈرائیو کروں گا۔''

اس نے کہا۔ پھر اگلی سیٹ کا دروازہ نورالحق کے لئے کھولا۔

''آؤ بیٹے......!''

نورالحق اور ڈرائیور محمد حسین کے بیٹھنے کے بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے
باہر نکال لایا۔

پانچ منٹ بعد اس نے گاڑی قبرستان کے سامنے روک دی۔

''تم یہیں رُکو......!''

اس نے محمد حسین سے کہا۔ پھر وہ نیچے اُترا اور دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نورالحق
سے کہا۔

''آؤ بیٹے......!''

نورالحق نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''لیکن بابا......! ہم تو اس والے پہاڑ پر جانے والے تھے......؟''

''وہاں بھی چلیں گے، پہلے ایک ضروری کام تو کر لیں۔ آؤ ناں......!''

نورالحق نیچے آ گیا۔ عبدالحق نے محمد حسین کو اشارہ کیا۔ وہ نیچے اُترا اور ڈرائیونگ سیٹ
پر جا بیٹھا۔

عبدالحق نے نورالحق کا ہاتھ تھاما اور قبرستان میں داخل ہو گیا۔

نورالحق نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''یہ کون سی جگہ ہے بابا......؟''

''یہ قبرستان ہے بیٹے......!''

''قبرستان......؟''

نورالحق نے حیرت سے دُہرایا۔

اس لمحے عبدالحق کو احساس ہوا کہ نورالحق پہلی بار کوئی قبرستان دیکھ رہا ہے۔ اسے یہ
احساس بھی ہوا کہ وہ بے سوچے سمجھے اسے یہاں لے آیا ہے۔ اسے خود پر حیرت ہو رہی تھی۔

"قبرستان کیا ہوتا ہے بابا......؟"

نورالحق نے پوچھا۔

عبدالحق کو اندازہ ہوگیا کہ اس کا متجسس بیٹا اب ایسے نہ جانے کتنے سوال کرے گا......؟ اس احساس ہوا کہ نادانستگی میں وہ ایک ایسا کام کر بیٹھا ہے، جو اسے یوں بے سوچے سمجھے نہیں، بلکہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے گا۔ اسے پہلے نورالحق کو اس کے لئے تیار کرنا چاہئے تھا۔

وہ نورالحق کا سوال سنتے ہی ٹھٹک کر وہیں رُک گیا تھا، جیسے قدم اُٹھانا ہی بھول گیا ہو۔

"بتائیں ناں بابا......!"

نورالحق نے اسے چونکا دیا۔ وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

اس نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر بیٹے کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر بلند آواز میں بولا۔

"السلام علیکم یا اہل القبور......!"

"بابا......! آپ کسے سلام کر رہے ہیں......؟"

"بعد میں بتاؤں گا۔ تم بھی ایسے ہی سلام کرو......!"

نورالحق کی نگاہوں میں اُلجھن تھی۔ لیکن اس نے عبدالحق کی بات پر عمل کیا۔

اس نے مضبوطی سے نورالحق کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھا۔

"یہ کیا ہیں بابا......؟"

نورالحق نے قبروں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ قبریں ہیں بیٹے......! اور جہاں بہت سی قبریں ہوتی ہیں، وہ قبرستان ہوتا ہے، اور بیٹے......! قبرستان میں باتیں نہیں کرتے۔ تم یہاں قرآن میں سے جو بھی یاد آئے، وہ دل میں پڑھتے رہو۔ باہر نکل کر میں تمہیں سب سمجھا دوں گا۔"

اس نے کہا، لیکن دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔

قبرستان میں کافی تبدیلیاں آئی تھیں۔ کچھ یہ بھی تھا کہ وہ سات سال بعد یہاں آیا تھا۔ لیکن بہرحال نوربانو کی قبر تلاش کرنے میں اسے زیادہ دُشواری نہیں ہوئی۔ اس نے فاتحہ پڑھی۔ اس کی دیکھا دیکھی نورالحق نے بھی دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے تھے۔

اتنی دیر میں نورالحق سوالات سے بھر چکا تھا۔

"بابا......! یہ ہر قبر پر کسی کا نام ہے، اور تاریخ بھی لکھی ہے بابا......؟"

عبدالحق نے سمجھ لیا کہ اسے سب کچھ یہیں بتانا ہوگا، باہر اور زیادہ دُشواری ہوگی۔





سب کچھ ویسے ہی آسان نہیں تھا۔ کیسی عجیب بات تھی۔ نورالحق وہ بچہ تھا، جس نے آنکھ کھلنے سے پہلے موت دیکھی تھی۔ لیکن آنکھ کھلنے کے بعد اللہ نے اسے اس سے محفوظ رکھا تھا۔ وہ موت کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نے کبھی کوئی قبر نہیں دیکھی تھی، قبرستان بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ موت کی آغوش سے زندگی کی گود میں آیا تھا۔ لیکن اسے معلوم کچھ بھی نہیں تھا۔

"بابا......!"

"آؤ......! یہاں بیٹھ جائیں۔ ابھی میں تمہیں بتاؤں گا۔"

اس نے کہا۔

وہ دونوں نوربانو کی قبر اور اس کے برابر والی قبر کے درمیان بیٹھ گئے۔

اس لمحے عبدالحق کو خود پر، سب پر غصہ آرہا تھا کہ بچے کو بے خبر رکھا۔ اسے یہ بھی نہیں بتایا کہ اس کی ماں مرچکی ہے۔ یہ کیسا ظلم ہے......؟

"بابا......! یہ میری امی کی قبر ہے......؟"

پہلے تو عبدالحق کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ پھر یہ اس کے لئے دھماکہ ثابت ہوا۔ نورالحق نے سوال نہیں کیا تھا اس سے، اس کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ ایک حقیقت بیان کر رہا ہو۔"

"تمہیں کیسے معلوم......؟"

"یہاں نام لکھا ہے ناں امی کا......؟"

"میں پوچھ رہا ہوں، تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا......؟"

"مجھے امی نے بتایا تھا۔"

"امی نے......؟ وہ کیسے بتا سکتی تھیں تمہیں......؟ وہ تو مرچکی ہیں۔"

عبدالحق کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بیٹا یہ کیسی بات کر رہا ہے......؟ اس کا دماغ اُلجھ گیا تھا۔

"میری اصلی امی نے بتایا تھا۔"

"اصلی امی کون......؟"

عبدالحق نے کہا۔ لیکن کہتے کہتے اس کی سمجھ میں آگیا کہ نورالحق کا اشارہ ارجمند کی طرف ہے۔

"تو ارجمند نے نورالحق کو حقیقت بتا دی ہے، مگر یہ کیا کہ وہ خود اس کی اصلی ماں بن بیٹھی......؟"

"میری اصلی امی، یہ والی نہیں......!"

نورالحق نے قبر کے کتبے کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ جو زندہ ہیں......!"

"تمہاری اصلی امی یہ تھیں۔"

عبدالحق نے غصے سے کہا۔

"اصلی امی وہ نہیں، جنہیں تم امی کہتے ہو۔"

اسے ارجمند پر غصہ آ رہا تھا۔

"جسے دین کی اتنی سمجھ ہو، اور جو باعمل بھی ہو، وہ ایسی بے انصافی کر سکتا ہے مرے ہوئے کے ساتھ......؟"

"نہیں بابا......! اصلی امی تو وہی ہیں۔"

نورالحق کے لہجے میں اصرار تھا۔

"یہ تمہیں کس نے بتایا......؟ تمہاری امی نے......؟"

"نہیں بابا......! وہ تو ہمیشہ یہ کہتی ہیں کہ میری امی کا نام نوربانو تھا۔ وہ بہت اچھی تھیں۔ اللہ میاں نے انہیں پاس بلا لیا۔ اور جاتے ہوئے وہ مجھے امی کی گود میں دے گئیں۔"

"اور یہ ہی سچ ہے......!"

"نہیں بابا......! میری اصلی امی وہ ہیں، جن کا نام ارجمند ہے۔"

"یہ انہوں نے تمہیں بتایا ہے......؟"

عبدالحق نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں بابا......! یہ تو میں نے خود سمجھا ہے۔"

"کیسے......؟"

"ہماری ٹیچر ہمیں بتا رہی تھیں کہ ماں کیسی ہوتی ہے......؟ کیا کیا کرتی ہے۔ میں نے اس پر غور کیا بابا......! تو پتا چلا کہ میری امی تو اس سے بھی زیادہ کرتی ہیں۔ میرے لئے تو میری اصلی امی ہوئیں ناں......!"

"تمہاری اصلی امی یہ تھیں، جنہوں نے تمہیں پیدا کیا۔"

"پیدا کرنے والے تو اللہ میاں ہیں بابا......!"

نورالحق نے بڑی معصومیت سے اس کی تصحیح کی۔



"ہاں......! لیکن ماں کے بغیر کوئی پیدا نہیں ہوتا۔"

عبدالحق کی آواز بلند ہوگئی۔

"اور جو ماں پیدا کرتی ہے، وہی بچے کی اصل ماں ہوتی ہے۔"

"یہی امی بھی کہتی ہیں۔"

"اور کیا کہتی ہیں وہ......؟"

"وہ کہتی ہیں کہ ایک ماں بھی خوش نصیبی ہوتی ہے۔ میں بہت زیادہ خوش نصیب ہوں کہ مجھے اللہ میاں نے دو مائیں دیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر یہ امی بھی زندہ رہتیں تو اور بھی اچھا ہوتا۔"

"اور تم کیا کہتے ہو......؟"

نورالحق چند لمحے سوچتا رہا، پھر بولا۔

"مجھے بھی آپ سب سے اچھے لگتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی بہت دُور ہوتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں ہلکی سی شکایت تھی۔

"اور امی کیا کہتی ہیں......؟"

"وہ کہتی ہیں، سب سے اچھے آپ ہیں، پھر دادی، پھر یہ والی امی......!"

اس نے قبر کی طرف اشارہ کیا۔

"اپنے لئے کچھ نہیں کہتیں وہ......؟"

"نہیں......! لیکن بابا......! کبھی مجھے لگتا ہے کہ سب سے اچھی وہ ہی ہیں۔"

"تو تم جانتے ہو کہ مرنا کیا ہوتا ہے......؟ پھر تم نے قبرستان دیکھ کر مجھ سے پوچھا کیوں کہ یہ کون سی جگہ ہے......؟"

"قبرستان میں نے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا ناں......؟ قبر بھی نہیں دیکھی تھی۔"

"یہ بتاؤ کہ مرنا کیا ہوتا ہے......؟"

"اللہ کا حکم، اللہ کا راز ہوتا ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ کون کب مرے گا۔ صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ کوئی جوان مرتا ہے، کوئی بوڑھا اور کوئی بچہ......! صرف اس لئے کہ یہ اللہ کی مرضی کی بات ہے۔"

عبدالحق کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

"اتنا سا بچہ اور ایسی باتیں......؟"

"یہ بھی تمہیں امی نے بتایا ہے......؟"

"جی بابا......!"

"تمہیں کمی تو محسوس ہوتی ہوگی ماں کی......؟"

"نہیں بابا......! کمی کیسی......؟ امی تو میرے پاس ہیں۔"

"مگر تمہاری امی تو مر چکی ہیں۔"

"امی سے سب کچھ ملتا ہے تو کمی کیسی......؟"

نورالحق نے سادگی سے کہا۔

"اور بابا......! کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ یہ امی ہی میری امی ہیں۔"

"یہ کیوں لگتا ہے تمہیں......؟"

عبدالحق کے لہجے میں خفگی تھی۔

"آپ کو برا لگا......؟"

"میری بات کا جواب دو......!"

عبدالحق نے سخت لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ سب کہتے ہیں کہ میں امی جیسا ہوں، اور مجھے بھی یہی لگتا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟"

"میری مس کہتی ہیں کہ بچوں کی صورت زیادہ تر اپنے ماں باپ سے ملتی ہے۔"

"ضروری نہیں......! نانا، دادا، نانی، دادی، چچا، ماموں، خالہ اور پھوپھی، کسی سے مل سکتی ہے۔"

"مگر بابا......! امی سے تو میرا ایسا کوئی بھی رشتہ نہیں......!"

"اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمہاری امی مرحومہ ارجمند سے کتنی محبت کرتی تھیں۔"

عبدالحق نے بے رُخی سے کہا۔

"اور تم ابھی بچے ہو، ان باتوں کو نہیں سمجھو گے۔ بس حقیقت یہ ہے کہ یہ تمہاری تھیں۔"

اس نے قبر کی طرف اشارہ کیا۔

"اور جہاں تک تمہیں پالنے کا تعلق ہے تو تمہاری دادی، رشیدہ، آبیہ اور ارجمند نے مل کر تمہیں پالا ہے۔"

نورالحق چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر بولا۔



"امی آپ کی کیا تھیں......؟"

"تمہیں نہیں معلوم......؟"

عبدالحق نے جھنجلا کر کہا۔

"یہ میری بیوی تھیں۔"

"اور میری امی کون ہیں......؟"

"وہ بھی میری بیوی ہیں۔"

"تو اس طرح وہ میری امی ہوئیں ناں......!"

نورالحق نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

عبدالحق کو اس کی سمجھ داری نے حیران کر دیا۔ اسے خود پر افسوس بھی ہوا کہ وہ اتنے چھوٹے بچے سے ایسی باتیں کر رہا تھا۔ آخر کیا چاہتا تھا وہ......؟ نورالحق کو ارجمند سے دُور کرنا، یہ تو بہت بری بات ہے۔ بس اتنی ہی کمی رہ گئی تھی کہ وہ یہ اور کہہ دیتا کہ ارجمند اس کی سوتیلی ماں ہے۔

اور اسے یاد آیا، یہ لفظ سوتیلی ماں اس کے ذہن میں رہ رہ کر سر اُٹھاتا تھا ارجمند کے لئے۔

"یہ سب کیا ہے......؟"

"آؤ......! اب چلیں......!"

اس نے بیٹے کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

وہ قبرستان کے گیٹ کی طرف چل دیئے۔ اچانک عبدالحق کو ایک اور خیال آیا۔

"تم نے اپنی امی کو دیکھا ہے کبھی......؟"

"جی ہاں......!"

"کیسے......؟"

"امی نے تصویر دکھائی تھی ان کی۔"

اب وہ گاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ عبدالحق کو احساس ہوا کہ وہ ابھی اس بارے میں اور بات کرنا چاہتا ہے۔ اور ڈرائیور کے سامنے یہ مناسب نہ ہوتا۔ چنانچہ اس نے محمد حسین سے کہا۔

"تم گاڑی لے کر گھر چلو، ہم پیدل آئیں گے۔"

"جو حکم آپ کا سر......!"

"تو اب ہم پہاڑ کی طرف چلیں گے......؟"

نورالحق نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں بیٹے......! اس کے لئے تو گاڑی میں چلنا ہوگا۔"

"مگر بابا......! یہ سامنے ہی تو ہے پہاڑ......؟"

نورالحق نے احتجاج کیا۔

"یہ دیکھنے میں قریب لگ رہا ہے بیٹے......! ہم چلتے چلے جائیں گے تو یہ پیچھے ہٹ جائے گا۔"

"کیا پہاڑ چلتے ہیں بابا......؟"

نہ چاہتے ہوئے بھی عبدالحق کو ہنسی آ گئی۔

"نہیں بیٹے......! یہ بڑے ہیں ناں......! بہت بڑے، اس لئے دُور سے بھی نظر آتے ہیں اور دیکھنے والے کو لگتا ہے کہ یہ قریب ہی ہیں۔ ابھی ہم چلے تو تھک جائیں گے۔ پھر گھر پہنچنا بھی بھاری لگے گا۔ اس لئے بعد میں گاڑی پر چلیں گے۔ پھر تم خود دیکھ لینا۔"

"ٹھیک ہے بابا......!"

نورالحق نے کہا۔ لیکن انداز سے وہ کچھ ناخوش لگ رہا تھا۔

"تو تم نے تصویر دیکھی تھی اپنی امی کی......؟"

"جی......! امی نے دکھائی تھی مجھے، اور دادی نے کہا تھا، اس کی کیا ضرورت ہے......؟"

"ارجمند تم سے تمہاری امی کی باتیں کرتی ہیں......؟"

عبدالحق نے اس بار امی کہنے کی بجائے ارجمند کا نام لیا۔

"جی......! بہت باتیں کرتی ہیں، روز کرتی ہیں۔"

"کیا باتیں کرتی ہیں......؟"

"وہ کہتی ہیں کہ امی بہت اچھی تھیں۔ میں نے کہا۔ آپ سے زیادہ اچھی تھیں......؟ تو امی نے کہا۔ میں تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں......! تمہاری امی بہت ہی اچھی تھیں۔ بہت بڑا دل تھا ان کا۔ تمہارے بابا میں انہوں نے مجھے حصہ دار بنایا۔"

وہ کہتے کہتے رُکا۔

"یہ حصہ دار بنا کیا ہوتا ہے بابا......؟ آپ میں امی کو حصہ دار کیسے بنایا تھا ا



نے......؟"

"تمہاری امی نے ہی ارجمند سے میری شادی کرائی تھی۔"

عبدالحق نے کہا۔

"اور کیا کہتی ہیں ارجمند......؟"

"وہ کہتی ہیں، ہر رات سونے سے پہلے ان کے لئے دُعا کیا کرو کہ اللہ انہیں بہت بڑا مقام دیں۔ سب سے اوپر والی جنت میں۔"

"اور تم ہر رات یہ دُعا کرتے ہو......؟"

"جی بابا......!"

عبدالحق نے موضوع بدلا۔

"اچھا......! یہ بتاؤ......! ایبٹ آباد تمہیں کیسا لگا......؟"

"بہت اچھا بابا......!"

"تمہیں پتا ہے کہ تم یہاں پیدا ہوئے تھے......؟"

"جی بابا......! امی نے بتایا تھا۔"

"ارجمند کیا کیا بتاتی رہی ہے اسے......؟"

عبدالحق نے جھنجلا کر سوچا۔

اور دوسری طرف اسے خود پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس کا بیٹا سات برس کا ہو گیا اور اس نے کبھی اس کی ماں کے متعلق بتایا تک نہیں۔ بات تک نہیں کی اس سے۔

"کیا وجہ ہے اس کی......؟"

اور آج اچانک اسے کیا ہو گیا کہ اس نے نورالحق سے یہ باتیں کیں......؟ اور ارجمند کے بارے میں اس کا یہ رویّہ فطری تو نہیں کہ وہ نورالحق کو اس سے برگشتہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا ارجمند کے لئے اس کے دل میں کدورت ہے......؟ ہے تو کیوں ہے......؟ وہ بہت اچھی بیوی ہے، ماں نہیں ہوتے ہوئے بھی بہت اچھی ماں ہے۔

مگر وہ جانتا تھا کہ وجود میں چھپی تاریک کوٹھڑیوں کو سڑک پر راستہ چلتے نہیں کھوجا جا سکتا، اس کے لئے تنہائی اور یکسوئی کی ضرورت ہے۔ اور یہ کام وہ اکثر کرتا رہتا تھا۔

"اچھا......! تمہیں سب سے اچھی جگہ کون سی لگتی ہے......؟"

اس نے نورالحق سے پوچھا۔

"حق نگر......!"

نورالحق نے ایک لمحے میں جواب دے دیا۔

اسے حیرت ہوئی۔ سوال کرتے ہوئے اس کے ذہن میں بس کراچی، لاہور اور

آباد تھے۔ حق نگر تو تھا ہی نہیں۔ اور حیرت اس پر بھی تھی کہ ایبٹ آباد کی خوب صورتی اور کراچی

لاہور کی رونقوں پر اس کا بیٹا حق نگر کو کیوں فوقیت دے رہا ہے......؟

"کیوں بیٹے......؟"

"اس کا نام آپ کے نام پر جو ہے......!"

نورالحق نے سادگی سے کہا۔

عبدالحق کو اس پر شدت سے پیار آیا۔ یہ محبت کی بات ہے۔ پھر اسے خیال آیا

محبت ارجمند نے تربیت کی طرح اس کے بیٹے کو سونپی ہے۔ اس کا کریڈٹ ارجمند کو جاتا ہے۔

"بس......! اتنی سی بات......؟"

"وہ میرے دادا کی زمین ہے بابا......!"

وہ اس کے لئے ایک اور جھٹکا تھا۔

"یہ تمہیں کس نے بتایا......؟"

اس نے پوچھا۔ اس کے ذہن میں حمیدہ کا تصور اُبھرا۔

"امی نے......!"

"کیا بتایا انہوں نے......؟"

"وہ کہتی ہیں کہ یہاں میرے دادا...... آپ کے بابا کا گاؤں تھا، چھوٹا نہیں، ب

گاؤں......!"

نورالحق نے دونوں ہاتھ پھیلا کر گویا گاؤں کی وسعت کو بیان کیا۔

"اور دادا وہاں کے بادشاہ تھے، اور وہ بہت اچھے باشادہ تھے۔ سب کا خیال

تھے۔ کسی کو کسی پر ظلم نہیں کرنے دیتے تھے۔ بہت بڑا دل تھا ان کا۔ اور وہ بڑے بہادر تھے۔

بہت بڑی حویلی تھی۔ اور آپ بھی وہیں رہتے تھے۔ پھر ایک دن لال آندھی آئی اور سب

کے نیچے دب گیا۔ سب ختم ہوگیا۔ پھر آپ نے وہ ریت ہٹوائی۔ وہ سب زمین آپ کو دے

لیکن آپ نے اسے لوگوں میں بانٹ دیا۔

وہ کہتی ہیں کہ آپ بھی دادا جیسے ہیں۔ آپ نے لوگوں کی مدد کی۔ اس



نے اس کا نام آپ کے نام پر رکھ دیا۔

امی کہتی ہیں کہ اپنی زمین سے آدمی کا تعلق سب سے گہرا ہوتا ہے۔ آپ بھی اپنی زمین سے محبت کرتے ہیں، تو میں بھی کرتا ہوں۔

امی کہتی ہیں کہ مجھے بھی آپ کی اور دادا کی طرح بہت اچھا آدمی بننا چاہئے اور بہت بڑا آدمی بھی۔"

"تم وہاں خوش رہ سکتے ہو......؟"

عبدالحق نے بے یقینی سے پوچھا۔

"جی بابا......! بہت زیادہ......!"

وہ گھر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اچانک ایک کار ان کے قریب رُک گئی۔ عبدالحق نے اس کی طرف دیکھا۔ کرنل صاحب ڈرائیونگ سیٹ پر تھے۔ وہ نیچے اُترے اور انہوں نے عبدالحق کو گلے سے لگایا۔

"کیسے ہو بھئی......؟ کب آئے......؟"

"جی کل ہی آئے ہیں۔"

"برسوں کے بعد......؟"

کرنل صاحب نے کہا۔ پھر نورالحق کو حیرت اور اشتیاق سے دیکھا۔

"یہ...... یہ وہی بیٹا ہے ناں تمہارا......؟"

انہوں نے نورالحق سے ہاتھ ملایا۔

"جی......! یہ وہی ہے۔"

عبدالحق نے کہا۔

"اور اس کی امی کیسی ہیں......؟"

عبدالحق کو حیرت بھی ہوئی اور اُلجھن بھی۔ نہ جانے کیسے کرنل صاحب کو یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ نورالحق اس کی مرحوم بیوی کا نہیں، بلکہ اس بیوی کا بیٹا ہے جو زندہ بچ گئی تھی۔ اب نورالحق کے سامنے وہ اس پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"جی......! ٹھیک ہیں وہ......!"

اس نے آہستہ سے کہا۔

"اور آپ کیسے ہیں......؟"

''الحمدللہ......! اچھا یہ بتاؤ......! وہ تمہارا ملازم اب بھی تمہارے پاس ہے......؟''

''میری بیوی اسے اپنا بھائی سمجھتی ہے، اور میں بھی۔ اس کی شادی کرانے کے لئے ہی ہم یہاں آئے ہیں۔''

''مجھے خوشی ہوئی یہ سن کر۔ بھلے لوگ ہو تم......! احسان ماننے والے۔ ورنہ ملازم کے احسان کو تو اس کا فرض سمجھ لیا جاتا ہے۔''

''سب اللہ کی طرف سے ہے کرنل صاحب......!''

عبدالحق نے کہا۔

''اب آپ سے ملاقات تو رہے گی ناں......؟''

''عجیب اتفاق ہے ینگ مین......! میں پندرہ بیس دن کے لئے لالہ موسیٰ جا رہا ہوں۔''

عبدالحق کو مایوسی ہوئی۔ وہ ان کی غلط فہمی دُور کرنا چاہتا تھا۔ پچھلی بار بھی اسے موقع نہیں ملا تھا، اور اس بار بھی۔

کرنل صاحب نے نورالحق کو پیار کیا۔ عبدالحق سے ہاتھ ملایا۔

''اب میں چلتا ہوں۔''

ان کے جانے کے بعد عبدالحق نے بیٹے کا ہاتھ تھاما اور گھر کی طرف چل دیا۔

❀❀❀

یہ عبدالحق کی فطرت تھی کہ وہ اپنے باطن کی طرف سے بہت چوکنا رہتا تھا۔ وہ یہ بات سمجھتا تھا کہ آدمی کو خراب ہوتے دیر نہیں لگتی۔ باہر سے متاثر کرنے والی چیزوں سے باخبر رہنا تو آسان ہوتا ہے۔ اور باخبر ہو تو آدمی لڑ بھی لیتا ہے۔ لیکن تباہ کن خرابیاں آدمی کے اندر سے اُبھرتی ہیں۔ وہ ایسی غیر محسوس ہوتی ہیں کہ آدمی کو ان کا پتا بھی نہیں چلتا، اور اس کی بے خبری میں وہ اس پر چھا جاتی ہیں۔

اس کو اپنے اندر کسی منفی تبدیلی کا احساس ہوتا تو وہ اسے کھوجتا، کریدتا۔ اس کے اسباب جاننے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ اسباب جانے بغیر کسی چیز سے لڑا نہیں جا سکتا۔

جو کچھ ہوا تھا، وہ اس پر غور کرنے بیٹھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ سب کچھ بہت منتشر ہے۔ ڈور کا کوئی سرا مل ہی نہیں رہا تھا۔ سوالات ہی سوالات تھے، اور جواب کوئی نہیں تھا۔



کیا وہ ارجمند سے ناخوش ہے......؟

بظاہر تو ایسا نہیں تھا۔ درحقیقت ارجمند ایسی بیوی تھی، جسے دُنیا کی بہت بڑی نعمت قرار دیا جا سکتا ہے۔ محبت کرنے والی، ہر طرح سے خیال رکھنے والی، کسی بات پر گلہ نہ کرنے والی، خدمت گزار، ایثار کرنے والی۔ وہ کوشش کے باوجود اس میں کوئی کمی نہیں ڈھونڈ پاتا تھا۔

اور ظاہری حسن بھی اللہ نے اسے بڑی فیاضی سے عطا فرمایا تھا۔

کیا اس کے دل میں ارجمند کے لئے کدورت ہے......؟

آج سے پہلے وہ اس سوال کا جواب پورے یقین کے ساتھ نفی میں دے سکتا تھا۔ لیکن اب نہیں۔ جو اس کا آج کا طرزِ عمل تھا، اس سے تو یہی ثابت ہوتا تھا کہ اس کے دل میں ارجمند کے لئے کدورت ہے۔

تو کدورت کی کوئی وجہ بھی ہوگی......؟

بظاہر تو کوئی وجہ نہیں تھی۔ وہ ہر اعتبار سے اچھی تھی، حسین تھی، اپنے ظاہر میں، باطن میں، اپنے عمل میں، لیکن کدورت کبھی بے سبب نہیں ہوتی، یہ بات وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔

اور کدورت کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں......؟

کوئی شکایت، کوئی گلہ، کوئی اُمید پوری نہ ہونے کے نتیجے میں اُبھرنے والی مایوسی، عادات، اطوار اور طور طریقوں میں کوئی خامی، کوئی خرابی، کسی بھی طرح کی ناپسندیدگی......؟

مگر سطح پر تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ کم از کم اس کے شعور میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بلکہ اسے یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ ایسی کوئی بات ہے۔

اس کا مطلب تھا کہ کوئی گہری بات ہے، اور اسے اس بات کو کھوجنا تھا۔ وہ معقول ہو یا غیر معقول، درست ہو یا غلط، لاشعور میں چھپی کوئی بات اس وقت تک غیر اہم ثابت نہیں ہوتی، جب تک اسے شعور کی روشنی میں لا کر ضمیر کی کسوٹی پر پرکھا نہ جائے۔

لیکن لاشعور میں چھپی باتوں کو دریافت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ بس اتنا جانتا ہے کہ کبھی کبھی وہ بلاوجہ ارجمند سے چڑ جاتا ہے۔ لیکن بلاوجہ کبھی کچھ نہیں ہوتا۔ بس آدمی کو وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

اس کے شعور میں ارجمند کے خلاف کچھ بھی نہیں تھا، کچھ بھی نہیں۔ اور یہ طے تھا کہ ماضی میں بھی وہ کبھی کبھی اس سے چڑتا رہا ہے، اور آج تو اس کی کدورت سامنے آئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی نہ کوئی خرابی کہیں نہ کہیں ہے۔ اگر وہ ارجمند میں نہیں ہے تو خود اسی میں ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کے معاملے میں کسی کے ضمیر پر کوئی بوجھ ہو، اور وہ اسے دُور نہ
پائے تو وہ اس شخص سے چڑنے لگتا ہے۔ درحقیقت وہ اس شخص سے نہیں، خود سے چڑ رہا ہوتا ہے
لیکن اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔

اسے وہ خرابی تلاش کرنی تھی، خواہ وہ اس میں ہو یا ارجمند میں۔

لیکن یہاں وہ حالت سفر میں تھا۔ نہ اس کے پاس گھر جیسی تنہائی تھی نہ ہی ارتکاز
اس کھوجنے کے عمل کے لئے نہایت ضروری تھا۔ یہاں وہ سطح سے آگے جا ہی نہیں سکتا تھا، اور
سے کچھ فائدہ نہ ہوتا۔

اس نے اس معاملے کو مؤخر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ابھی نوریز وغیرہ نہیں آئے تھے۔ اس لئے اس کے پاس وقت تھا۔ اس نے سوچا۔

''نوریز کو لے کر ایک پہاڑی ڈرائیو کے لئے نکلا جائے۔ پھر جانے وقت ملے
ملے......؟ بچے کے دل میں شکایت نہ رہے۔''

چنانچہ وہ نورالحق کو لے کر نکل کھڑا ہوا۔

نورالحق بہت خوش ہوا۔ پہاڑوں میں واقعی جادو ہوتا ہے۔ اس نے سوچا۔

''بابا کی بات درست تھی۔ پہاڑ قریب نظر آتے ہیں، لیکن اندازے سے بہت
ہوتے ہیں۔''

بہت دن بعد اس نے بابا کے ساتھ پورا دن گزارا تھا۔

❀❀❀

نوریز اور اس کے گھر والے آگئے تو گھر چھوٹا پڑ گیا۔ عبدالحق اس سلسلے میں پہلے
سے سوچتا رہا تھا۔ وہ ان لوگوں کو گھر کا پورا آرام اور آزادی دینا چاہتا تھا۔ یہ اس کی ذمہ داری
اور مسئلہ صرف رات کو سونے کا تھا۔ دن میں تو شادی کے گھر بارونق ہی اچھے
ہیں۔ یہ سوچ کر اس نے ایک اچھے ہوٹل میں تین بڑے کمرے حاصل کر لئے۔ ایک زبیر بھائی
رابعہ کے لئے، دوسرا اپنے اور ارجمند کے لئے، تیسرے میں حمیدہ کے ساتھ ساجد اور نورالحق
نوریز کے ساتھ صرف گھر کے لوگ آئے تھے۔ برات میں جن لوگوں کو شامل ہونا
انہیں تاریخ طے ہونے کے بعد مطلع کرنا تھا۔ اور یہ کام شمریز کے ذمہ تھا۔

پہلی رات ہوٹل کے کمرے میں ارجمند معمول کے مطابق اس کے پاؤں دبانے



وہ اٹھ بیٹھا اور اس نے ارجمند کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''تم بہت اچھی ہو ارجمند......! بہت اچھی......!''

اس نے آہستہ سے کہا۔

''مجھ میں ہی کوئی گڑبڑ، کوئی خرابی ہے یقیناً......!''

''یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ......؟''

ارجمند نے تیز لہجے میں کہا۔

''میں تو بس اچھا بننے کی کوشش کرتی ہوں، اور اسی کے لئے دُعا کرتی ہوں اللہ سے،
اور آپ نے جو کہا، وہ بس محبت ہے آپ کی، اور اپنے بارے میں ایسی بات نہ کیا کریں آپ......!
مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔ ایسے اپنی مذمت کرنا، اور وہ بھی بے وجہ......! یہ اچھی بات نہیں......!''

''بے وجہ نہیں کہا ہے میں نے۔''

''ایسی کیا بات ہوگئی......؟''

''ایک بات بتاؤ......! تم نے نورالحق کو نوربانو کے بارے میں بتایا......؟''

''جی ہاں......!''

''کیوں......؟''

''ضروری تھا۔ ایسی باتیں چھپائی نہیں جاتیں۔ بعد میں معلوم ہوگا تو اسے شکایت ہی
ہوگی ناں......؟ اور درست بھی ہوگی۔ یہ جاننے کا اسے حق ہے اور یہ آپی کا حق ہے کہ ان کا بیٹا ان
کے لئے دُعائے مغفرت کرے۔''

''یہی تو تمہاری اچھائی ہے، بڑائی ہے۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ اس طرح وہ تم سے
دُور ہو سکتا ہے......؟''

''اگر میں اچھی ماں ہوں تو وہ کبھی دُور نہیں ہوگا۔ اور اگر میں اچھی ماں نہ ہوں تو وہ
خود کو میرا بیٹا سمجھنے کے باوجود مجھ سے دُور ہوگا۔ یہ تو سیدھی سی بات ہے اپنے عمل کی۔''

''اور اگر وہ اس کے باوجود تم سے دُور ہو جاتا تو......؟''

''تو میں سوچتی کہ میرے عمل میں کوئی کھوٹ ہوگی، نیت کی کھوٹ......!''

''مجھے اس کو بتانا چاہئے تھا نوربانو کے بارے میں۔''

عبدالحق نے تاسف سے کہا۔

''مجھ سے کوتاہی ہوئی۔''

''تو پھر میری ذمہ داری کیا ہے......؟''

عبدالحق نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ کی تمام ذمہ داریوں میں آپ کا ہاتھ بٹانا۔ مصروفیت کی وجہ سے جو آپ سے رہ جائے، اسے پورا کرنا۔ آپ کو افسوس کی کیا ضرورت ہے......؟''

''لیکن یہ میری کوتاہی تھی۔ غیر ذمہ داری تھی۔ میں نے سوچا تک نہیں اس بارے میں۔''

''اب اسے چھوڑیں، اور لیٹ جائیں......!''

عبدالحق لیٹ گیا اور ارجمند اس کے پاؤں دبانے لگی۔

اچانک عبدالحق کو ایک اور بات یاد آئی۔

''اماں نہیں چاہتی تھیں کہ نورالحق کو اپنی ماں کے بارے میں معلوم ہو......؟''

''ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ......؟''

''نورالحق نے خود بتایا ہے مجھے......!''

''جی ہاں......! اماں چاہتی تھیں کہ اسے کچھ پتا نہ چلے۔''

''یہ تو کوئی اچھی بات نہیں......! یہ سچائی تو نورالحق کی امانت تھی ہم سب کے پاس......!''

''سنیں آغا جی......! یہ بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ دُنیا میں زیادہ تر لوگ اسی انداز میں سوچتے ہیں۔ آدمی جس سے محبت کرتا ہے، اسے ہر تکلیف، ہر دُکھ سے بچانا چاہتا ہے۔ اور جتنا زیادہ محبت کرتا ہے، اتنا ہی اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ محبت کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے سب کا۔''

''مگر اس میں دُکھ اور تکلیف کی کیا بات تھی نورالحق کے لئے......؟''

''یہ جاننا کہ کوئی ماں سے محروم ہو چکا ہے، کیا اس سے بڑا دُکھ کوئی ہو سکتا ہے......''

ارجمند نے کہا۔

''لیکن لوگ ایک بات نہیں سمجھتے۔ دُنیا میں کوئی کسی کو کسی دُکھ اور محرومی سے نہیں بچا سکتا، جو اللہ نے قسمت میں لکھ دی ہو، بعض اوقات لوگ بچانے کی کوشش میں اس کا دُکھ اور بڑھا دیتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت تو بالآخر کھل کر رہنی ہوتی ہے۔ مناسب وقت پر معلوم ہو جائے، مناسب انداز میں بتا دیا جائے تو بہتر ہوتا ہے۔ اماں کو یہی بات سمجھا کر میں نے قائل کیا تھا۔''

''نورالحق کو اس کی ماں کی تصویر دکھانا ضروری تھا......؟''



عبدالحق نے ''اس کی ماں'' پر خاص طور پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ یہ عجیب معاملہ تھا کہ وہ ارجمند کی نیکی کا قائل ہونے کے باوجود کوئی خرابی تلاش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

''جی......! بہت ضروری تھا۔''

ارجمند نے بے حد اعتماد سے کہا۔

''کیوں......؟''

''فطری طور پر نورالحق آپی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا، متجسس تھا۔''

ارجمند نے کہا۔ پھر اچانک پوچھا۔

''آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگی......؟''

''ہاں......! مجھے اچھی نہیں لگی۔''

''میں وجہ پوچھ سکتی ہوں......؟''

''تصویر نہ دکھائی گئی ہوتی تو وہ ہمیشہ اپنے تصور میں اپنی ماں کو خوب صورت دیکھتا، اپنی خواہش کے مطابق......!''

عبدالحق کا لہجہ الزام دینے والا تھا۔

ارجمند کچھ دیر خاموش رہی۔ وہ خاموشی اسے بتاتی تھی کہ اس کی بات نے اسے زخمی کیا ہے، تکلیف پہنچائی ہے۔

لیکن عبدالحق کو اس پر ملال ہوا نہ پچھتاوا۔ کبھی کبھی وہ ایسا ہی ہو جاتا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ ارجمند کو تکلیف پہنچائے۔ اور ایسا صرف نوربانو کے معاملے میں ہوتا تھا۔ جس عرصے میں وہ نوربانو کو بھولا ہوتا، اسے ارجمند اچھی لگتی تھی۔ اور جب وہ یاد آتی تو اس کی یہی کیفیت ہو جاتی۔ شاید اس کے پیچھے یہ شکایت تھی کہ ارجمند اسے نوربانو کے بارے میں مطلع کر کے اسے بلا سکتی تھی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

''تم نے جواب نہیں دیا......؟''

اس نے ارجمند کو چونکا دیا۔

''جواب دینا ضروری ہے......؟''

ارجمند نے سادگی سے پوچھا۔

''ہاں......! میں سب کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔''

ارجمند نے دل میں سوچا کہ بات میری تعریف سے شروع ہوئی، مگر ذرا سی دیر میں، میں ملزم کی حیثیت میں آ گئی۔

''یہ کیا ہے......؟''

''دیکھیں آغا جی......! اس بات کا جواب بہت تفصیلی ہے۔''

''میں سن رہا ہوں۔ تم بولو......!''

عبدالحق کے لہجے میں بے رُخی تھی۔

''خوب صورتی کسی نپے تلے معیار تک محدود نہیں۔ بلکہ خوب صورتی کے شاید اتنے ہی روپ ہیں جتنے دُنیا میں انسان ہیں۔ ہر شخص اپنے انداز میں خوب صورت ہوتا ہے اور ہر شخص خوب صورت ہوتا ہے۔ اب یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ہر شخص ہر شخص کو خوب صورت لگے۔ بلکہ یہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے۔ ورنہ دُنیا میں محبت کی جگہ فساد ہی فساد ہوتا۔ محبت ہوتی ہی نہیں۔''

''یہ تو کتابی بات ہے۔ جواب تو نہیں......!''

عبدالحق نے اعتراض کیا۔

''آپ تو مطالعے کے عادی ہیں آغا جی......!''

ارجمند نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''آپ تو جانتے ہیں کہ کتابی باتوں نے ہی دُنیا کے بڑے بڑے مسائل حل کئے ہیں۔ انہیں سے ناقابل فہم باتیں لوگوں کی سمجھ میں آتی ہیں اور آپ اس کتابی بات کو عملی زندگی پر منطبق کر کے سوچئے ذرا۔ اگر خوب صورتی کا کوئی طے شدہ معیار ہوتا تو دُنیا میں بہت تھوڑے مرد اور عورت خوب صورت ہوتے۔ اور دُنیا کے تمام لوگ ان کی آرزو کرتے اور سوائے محرومی کے انہیں کچھ نہ ملتا۔ کیونکہ وہ خوب صورت لوگ ایک دوسرے کے ہو جاتے۔ اور باقی دُنیا ناخوش رہ جاتی۔ تصور تو کیجئے اس دُنیا کا......!''

عبدالحق کچھ شرمندہ ہوا اور کچھ کھسیا گیا۔

''میں کسی بین الاقوامی معاملے پر بات نہیں کر رہا ہوں اس وقت......!''

''ٹھیک ہے......!''

ارجمند نے گہری سانس لے کر کہا۔

''اب میں آپ سے کچھ پوچھتی ہوں۔ مجبوری ہے، ورنہ ایسا کبھی نہ کرتی۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپی مرحومہ زیادہ خوب صورت تھیں یا میں خوب صورت ہوں......؟''



''دونوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں آپس میں۔ تم بہت خوب صورت ہو۔ جبکہ نور بانو واجبی صورت کی تھی۔''

''یہ جواب تو آپ نے ایک طے شدہ معیار کے تحت دیا ہے۔ میں آپ کی ذاتی رائے پوچھ رہی ہوں......؟''

''ذاتی رائے ہی تو بتائی ہے میں نے۔''

''یہ بتائیں کہ آپ کو آپی زیادہ پسند تھیں یا میں......؟''

عبدالحق ہچکچایا۔ جھوٹ تو وہ بولتا ہی نہیں تھا۔

''میری تالیفِ قلب کی فکر نہ کیجئے......! الحمدللہ......! میں ہمیشہ سے قانع بھی ہوں اور ین پسند بھی۔ اور آپی سے میں بہت محبت کرتی تھی، ان کی خاطر کچھ بھی کر سکتی تھی میں۔''

عبدالحق یہ جانتا تھا۔ لیکن ارجمند نے نور بانو سے محبت کو کبھی اس طرح بیان کیا ہو، یہ ے یاد نہیں آ رہا تھا۔

''جواب دیں ناں......!''

''سچ یہ ہے کہ میں نور بانو سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ مجھے تم سے زیادہ خوب صورت تی تھی۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے سامنے تو وہ قبول صورت بھی نہیں لگتی تھی، اللہ اسے ت نصیب کرے......!''

''اب آپ دیکھ لیں کہ خوب صورتی کی اہمیت کتنی ہے۔ آپی سے تو آپ نے محبت کر شادی کی۔ رہی میری بات......! تو یہ آپی کا سب سے بڑا احسان ہے مجھ پر۔ آپی کے مجبور نے پر ہی آپ نے مجھ سے شادی کی تھی۔''

''لیکن یہاں بات ایک بچے کی ہو رہی ہے، جسے اپنی ماں کو دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔''

''آپ نے ایک بات پر بھی غور کیا آغا جی......؟''

ارجمند نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

''اللہ نے آدمی کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا، بے شمار اختیارات دیئے اسے۔ لیکن کچھ ملات میں اسے پابند کر دیا۔ ان میں زندگی بھی ہے اور موت بھی۔ اللہ نے پیدا کرتے وقت سے یہ آپشن نہیں دیا کہ وہ جس گھر میں چاہے پیدا ہو، یا اپنی مرضی سے اپنے ماں باپ منتخب سکے۔''

عبدالحق کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس سے زیادہ یہ بات کون سمجھ سکتا تھا......؟ وہ تو

مشرکوں کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ اور اس کی ماں کفر کی حالت میں ہی مری تھی کہ وہ اس کے
دُعائے مغفرت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ کی رحمت تھی، اللہ نے کرم فرمایا کہ اسے اور اس کے باپ
ایمان لانا نصیب ہوا۔

''بیوی تو آپ منتخب کر سکتے ہیں، لیکن بچہ اپنے لئے ماں منتخب نہیں کر سکتا۔ اسی طرح
ماں باپ اپنے لئے بچہ منتخب نہیں کر سکتے۔ جو مل جائے، وہ ان کے لئے اللہ کی بہت بڑی نعمت
ہے۔ کیا کوئی ماں اپنے بچے کو کالا اور بدصورت کہہ کر اسے ردّ کر سکتی ہے......؟ یا باپ بھی......؟
اسی طرح بچے کو بھی دُنیا میں اپنے ماں باپ ہی سب سے اچھے لگتے ہیں۔ آپ
خیال میں نورالحق نے آپی کی تصویر دیکھ کر سوچا ہوگا کہ میری امی خوب صورت نہیں تھیں......؟
جی نہیں......! ایسا نہیں ہوا، اور نہ ہی ایسا ہو سکتا تھا۔ اور سنیں آغا جی......! بچے
طور پر یہ نہیں کہتے کہ میری امی خوب صورت ہیں۔ وہ کہتے ہیں، میری امی بہت اچھی ہیں۔ یہ
کی دی ہوئی محبت والے سچے رشتے ہیں آغا جی......!''

عبدالحق خاموش تھا۔

''ایک اور وجہ بھی تھی نورالحق کو آپی کی تصویر دکھانے کی۔''

ارجمند نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

''بدقسمتی سے اللہ نے اسے میری شکل پر پیدا کیا ہے۔''

یہ سن کر عبدالحق تڑپ گیا۔ ارجمند کے لہجے میں عجیب سا دُکھ اور بے بسی تھی۔
کر بیٹھا اور اس نے ارجمند کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ایسی بات آئندہ کبھی نہ کہنا۔ یہ تو اس کی خوش قسمتی ہے۔''

اور ارجمند اس لمحے واقعی بہت دُکھی ہوگئی تھی۔ جب وہ پیٹ میں تھا تو وہ
عبدالحق کے بارے میں سوچتی تھی، اس خیال سے کہ بچہ عبدالحق سے مشابہ ہوگا۔ یہی نہیں، اس
لئے وہ دُعائیں بھی کرتی تھی۔ لیکن ہر دُعا قبول تو نہیں ہوتی۔ اس میں بھی بہتری ہی ہوگی۔

''ایک بات بتائیں آغا جی......! اگر نورالحق ہو بہو آپی جیسا ہوتا تو آپ کو زیادہ
ہوتی ناں......؟''

عبدالحق نے چند لمحے غور کیا۔ پھر بولا۔

''سطحی طور پر سوچوں تو اس سوال کا جواب ہاں میں دوں گا۔ لیکن گہرائی میں
تو سمجھ میں آتا ہے کہ ایسا ہوتا تو میرے لئے بہت برا ہوتا۔ میں نوربانو کو کبھی بھول ہی نہیں



...وہ کرتا ہے، بے شک اس میں ہماری بہتری ہوتی ہے۔

مگر ارجمند......! تمہاری بات پوری نہیں ہوئی۔ تم مجھے ایک اور وجہ بتا رہی تھیں
نورالحق کو نوربانو کی تصویر دکھانے کی۔''

''بتا تو دی کہ وہ میرا ہم شکل ہے۔''

''میں سمجھا نہیں تمہاری یہ بات......؟''

''جب وہ سمجھ دار ہوتا، یہ بات کہ وہ مجھ پر پڑا ہے، دوسروں سے سنتا، اور خود بھی
دیکھتا تو آپی اسے ایک کہانی لگتیں، حقیقت نہیں۔ وہ سوچتا کہ وہ میرا ہی بیٹا ہے۔ اور میں نے کسی
ضرورت کے تحت اسے آپی کی کہانی سنائی تھی۔''

''واقعی......! یہ بات بھی تمہاری ٹھیک ہے۔''

عبدالحق نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کبھی کبھی وہ ارجمند سے چڑنے کیوں لگتا ہے......؟
یہ تو بہت بڑی نعمت ہے۔ بہت اچھی......! کیسے تربیت کر رہی ہے پرائے بچے کی۔ اور اسے خود سے
بڑھ کر دوسروں سے محبت کرنا سکھاتی ہے۔ نوربانو سے، اس سے، اماں سے، اور خود کو سب سے آخر
میں رکھتی ہے۔

اسے محسوس ہوا کہ ارجمند کی کچھ باتوں میں دبی دبی شکایت تھی، اور درست تھی۔
ارجمند کو اس نے کبھی وہ مقام نہیں دیا، جس کی وہ مستحق تھی۔ کبھی اسے وہ محبت نہیں دی جو وہ نوربانو
سے کرتا تھا۔ اور اس نے شادی نوربانو کے کہنے پر ہی کی تھی۔ اور شادی کے بعد نوربانو کی خواہش
کے مطابق وہ اس کی حق تلفی کرتا رہا، جو اس کے ساتھ زیادتی تھی۔

''تمہیں مجھ سے کچھ شکایتیں ہیں ارجمند......؟''

اس نے اچانک پوچھا۔

''آغا جی......! ایسا کبھی سوچئے گا بھی نہیں......! اللہ گواہ ہے کہ مجھے آپ سے کوئی
شکایت نہیں۔ اور میں پوری سچائی کے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ شکایت کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ آپ
نے کبھی مجھے موقع ہی نہیں دیا شکایت کا۔''

عبدالحق کو اس پر بڑی شدت سے پیار آیا۔ اس نے ارجمند کو اپنی طرف کھینچ لیا اور
اسے غور سے دیکھنے لگا۔

اسے حیرت ہوئی، وہ بھول ہی گیا تھا کہ وہ کتنی حسین ہے، خواب جیسی حسین......! اور
اسے احساس ہوا کہ اس عرصے میں وہ بھرپور عورت بن چکی ہے۔ حسن و شباب سے مالا مال، اور وہ

اس کی ہے۔

وہ بے تاب ہوگیا۔

اس کی بے تابی کا یہ عالم تھا تو دوسری طرف تو اس سے دیوانہ وار محبت کرنے والی ارجمند تھی، جسے اس کی قربت ملی ہی بہت کم تھی۔

بے خودی کے وہ لمحے طویل ہونے لگے۔ وہ آگے بڑھنے لگا۔ رُکنے جھجکنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ سر تا پا اس کی تھی، اس کے لئے تھی۔ اور اس کے انداز میں خود سپردگی تھی۔

مگر ایسے میں اچانک ہی اسے اپنی سزا یاد آ گئی۔ لمحوں میں اس کا تپتا ہوا جسم برف ہوگیا، جیسے کسی نے اس پر بالٹی بھر یخ بستہ پانی اُنڈیل دیا ہو۔ اس کا جی چاہا کہ ایک بار پھر تجربہ کر کے دیکھے۔

لیکن یہاں ایبٹ آباد میں......؟ اس صورتِ حال میں......؟

اس نے اپنی خواہش کو جھٹک دیا، اور اپنے ہاتھ کھینچ لئے۔

''سوری ارجی......!''

ارجمند نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ایسے نہ کہا کریں، چاہے کچھ بھی ہو۔ مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔''

اس نے بڑی محبت سے کہا۔

''اور کیا میں سمجھتی نہیں، میں تو خود آپ کو روک دیتی ذرا دیر بعد......!''

عبدالحق نے تشکر سے اسے دیکھا۔

''اب آپ سو جائیں......!''

وہ لیٹ گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن سونا آسان نہیں تھا۔

❀❀❀

اگلی بار وہ بفہ گئے تو نوریز اور اس کے گھر والے بھی ساتھ تھے۔ وہ بڑا مرحلہ تھا۔ دونوں طرف کے لوگوں کو شادی کی منظوری دینی تھی۔ یہ الگ بات کہ دونوں طرف کے لوگ صرف عبدالحق کی وجہ سے مطمئن تھے۔ اس لئے یہ منظوری محض رسمی تھی۔

عبدالحق نے سوچا تھا کہ بات طے ہوگئی تو تاریخ اور دیگر معاملات بھی طے کر جائیں گے۔



نوریز کے ساتھ اس کے ماں باپ کے علاوہ شمریز اور اس کے بیوی بچے اور اس کی بہن بہنوئی اور ان کے بچے بھی تھے۔

''سر......! میں ایک کیری ڈبے کا انتظام کر لوں......؟''

شمریز نے اس سے کہا۔ پہاڑی علاقے میں سوزوکی کیری کو کیری ڈبہ کہا جاتا تھا۔

عبدالحق اس سلسلے میں پہلے ہی سوچ چکا تھا۔

''نہیں......! اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

اس نے کہا۔

لاہور میں اس نے ایک سوزوکی کیری بک کرا لی تھی، اور ہدایت کر دی تھی کہ ڈلیوری اسے ایبٹ آباد میں چاہئے۔ اس کی ہدایت کے مطابق سوزوکی کو آج یہاں پہنچ جانا تھا۔

دوپہر کو ایبٹ آباد کے شوروم سے فون آ گیا کہ گاڑی آ گئی ہے۔ وہ خاموشی سے جا کر گاڑی لے آیا اور باہر ہی کھڑی کر دی۔ پھر وہ ارجمند کے پاس آیا اور گاڑی کی چابی اسے دی۔

''یہ تمہاری طرف سے نوریز کا تحفہ ہے ارجمند......!''

اس نے کہا۔

ارجمند نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''دیکھو ناں......! وہ بھائی ہے تمہارا۔ تم اپنے ہاتھ سے یہ چابی اسے دو گی تو وہ کتنا خوش ہوگا، اور تمہیں بھی خوشی ہوگی۔''

ارجمند نے بے حد شکر گزاری سے اسے دیکھا۔

عبدالحق کے کہنے کے مطابق ارجمند نوریز کو ساتھ لے کر بنگلے کے گیٹ پر گئی۔ نوریز سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ اسے کسی کام کا کہنے والی ہے۔

ارجمند نے گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ کیا ہے بی بی......؟''

وہ ہچکچا رہا تھا۔

''وہ تمہاری گاڑی ہے......!''

ارجمند نے باہر کھڑی نئی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

''میری طرف سے شادی کا تحفہ ہے تمہارے لئے......! اور یہ اس کی چابی ہے۔''

نوریز کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس کا ہاتھ چابی لینے کے لئے نہیں بڑھا۔

"آپ لوگوں نے مجھے، ہم سب کو جو عزت اور محبت دی ہے، وہی بہت ہے ہمارے
لئے بی بی......! یہ میں نہیں لے سکتا۔"

"بری بات میرے بھائی......!"

ارجمند نے اپنائیت سے کہا۔

"تحفہ لینے سے کبھی انکار نہیں کرتے۔ تحفوں سے تو محبت بڑھتی ہے۔"

"یہ بہت زیادہ ہے بی بی......!"

"بس......! زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں......! بہت بولنے لگے ہو تم......!"

ارجمند نے بڑی محبت سے اسے ڈانٹا۔

"یہ چابی لو، گیٹ کھولو اور اپنی گاڑی کو اندر لے آؤ......!"

نوریز نے جھجکتے ہوئے چابی لی۔

ارجمند پلٹی اور گھر میں چلی گئی۔ اس نے نوریز کے لئے آسانی کر دی تھی۔

اگلے روز وہ نئی سوزوکی اور دو گاڑیوں میں بفہ کے لئے روانہ ہوئے۔

رشیدہ تو ان لوگوں کو دیکھ چکی تھی، اور نوریز کو بھی جانتی تھی۔ لیکن اس کے گھر کے
دیگر لوگ ان سب سے پہلی بار مل رہے تھے۔ عبدالحق کو یہ دیکھ کر بہت اطمینان ہوا کہ دونوں طرف
ایک دوسرے کے لئے حقیقی پسندیدگی دیکھنے میں آئی ہے۔ اس کے دل پر سے بوجھ ہٹ گیا
دونوں طرف سے محض اسے خوش کرنے کے لئے اس شادی پر رضامندی ظاہر کی جا رہی ہے۔
پہلی بار اس شادی پر اسے دلی خوشی ہوئی۔ رشیدہ کا شوہر، اس کے بیٹے اور بہ
نوریز کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ نوریز انہیں بہت اچھا لگا ہے۔
مہر سمیت تمام معاملات خوش اسلوبی سے طے پا گئے۔ شادی کے لئے ایک ہفتے
کی تاریخ دی گئی۔

"برات کس وقت لائیں گے آپ......؟"

رشیدہ کے شوہر نے نوریز کے باپ سے پوچھا۔

"انشاءاللہ شام چار بجے......!"

عبدالحق کو خوشی ہوئی کہ اب وہ لوگ اپنے معاملات خود نمٹا رہے تھے۔ اس سے
بھی نہیں لیا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے......!"



"اور رخصتی مغرب کے بعد......!"

"ٹھیک ہے جناب......!"

وہ لوگ رخصت ہونے لگے تو رشیدہ کے شوہر نے عبدالحق سے کہا۔

"صاحب......! میں اکیلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، صرف دو منٹ......!"

سب لوگ باہر چلے گئے۔ عبدالحق ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اسے تشویش ہو رہی تھی۔

"آپ کو اس رشتے پر اعتراض ہے......؟"

اس نے پوچھا۔

"کیسی بات کرتے ہیں صاحب......؟"

رشیدہ کے شوہر نے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر بے تابانہ چومنے لگا۔

"یہ تو آپ کا ایک اور احسان ہے، مجھے اپنی بیٹی کے لئے اتنا اچھا رشتہ نہیں مل سکتا
تھا۔ مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا۔"

"اس میں میرا کوئی کمال نہیں......!"

عبدالحق نے عاجزی سے کہا۔

"آپ اللہ کا شکریہ ادا کریں۔"

"وہ تو میں کروں گا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ آپ سے ہمیں سب کچھ ملا ہے۔"

"سب اللہ کی طرف سے ہے۔"

عبدالحق شرمسار ہونے لگا۔

"اب مجھے اجازت......؟"

"جائیے......! اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے......!"

عبدالحق نکل آیا۔

گھر پہنچ کر بھی اسے تقریباً ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں نوریز کے
نے اس سے تنہائی میں بات کی۔ اس بار عبدالحق کو کوئی تشویش نہیں ہوئی۔

"میں آپ سے شرمندہ ہوں صاحب......!"

اس بار عبدالحق کو دوسری طرف کا شاک لگا۔

"ایسی کیا بات ہو گئی......؟"

"میں نے آپ سے پوچھے بغیر سب کچھ طے کر لیا۔"

"مجھے تو خوشی ہوئی اس سے۔ یہ سب کچھ آپ ہی کو طے کرنا چاہئے تھا۔"

"اسی لئے تو میں نے اس گستاخی کی ہمت کی صاحب......! آپ کو خوش کر
لئے، تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ ہم اس رشتے سے خوش ہیں، بہت خوش......! اور ہم
آپ کی وجہ سے یہ رشتہ نہیں کیا ہے۔"

"میں آپ کا شکرگزار ہوں خان صاحب......! اس سے میری خوشی بڑھ گئی۔"

"خدا کا شکر ہے صاحب......!"

"اب ایک بات پوچھوں آپ سے......؟ آپ کا پروگرام کیا ہے......؟"

"کل میں شمریز کے ساتھ مری جاؤں گا۔ رشتہ داروں کو دعوت دینی ہے۔"

"برات کے لوگ آئیں گے تو یہ گھر چھوٹا پڑے گا آپ لوگوں کو......؟"

"ارے نہیں صاحب......! اتنے لوگ تو نہیں آئیں گے۔ ولیمہ وہاں کری
سب لوگ شریک ہو جائیں گے۔ اور صاحب......! میرے لئے تو یہ بھی شرم کی بات ہے
لوگ اپنا گھر ہوتے ہوئے ہوٹل میں پڑے ہیں۔ میں تو آپ سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن
ضرورت نہیں تھی۔"

عبدالحق نے بات بدل دی۔

"اور رُخصتی کے بعد آپ کیا کریں گے......؟"

"میں چاہتا ہوں کہ وہاں سے ہم سیدھے مری جائیں، اپنے گھر......!"

"نتھیا گلی کے راستے جانا ہوگا۔ رات کے وقت مناسب نہیں۔ رات یہاں گ
میری مانیں تو......!"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر......!"

"اگلی صبح چلے جایئے گا......!"

"اور آپ لوگ......؟"

"اماں کا حکم ہے کہ کچھ دن ایبٹ آباد گزاریں۔ ویسے بھی پچھلی بار صورت
تھی کہ کوئی بھی یہاں گھوم پھر نہیں سکا۔ تو اس بار سب لوگوں کو یہاں کی سیر کرا دی جائے۔"

"تو کیا ولیمے میں نہیں شریک ہوں گے آپ لوگ......؟"

"ولیمہ کب ہوگا......؟"

"یہاں سے روانگی کے اگلے روز......!"



"ہم ضرور آئیں گے، مگر صرف ایک رات رُکیں گے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے صاحب......؟ وہاں بھی آپ کا اپنا گھر ہے۔ ہم نے اس کا ہر
طرح سے خیال رکھا ہے۔ آپ نے جو زمین لی تھی، اس کی میں خود دیکھ بھال کرتا رہا ہوں۔ سیب کا
باغ لگایا ہے وہاں۔"

عبدالحق کو یاد آیا، اور اسے حیرت ہوئی۔ اتنے برسوں میں اسے وہ مکان یاد ہی نہیں
رہا تھا، جہاں وہ اماں، نوربانو اور ارجمند کے ساتھ برف باری دیکھنے آیا تھا۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا، پھر بولا۔

"پہلے تو ہم صرف ولیمے میں شرکت کے لئے آئیں گے۔ پھر ایبٹ آباد آکر کچھ دن
گزاریں گے اور اس کے بعد پھر مری آکر کچھ دن رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے صاحب......! بہت شکریہ......!"

نوریز کے باپ کی خوشی دیدنی تھی۔

❀❀❀

نوریز اور آبیہ کی شادی خوش اسلوبی کے ساتھ ہوگئی۔ اگلی صبح وہ لوگ مری روانہ
ہوگئے۔ اور وہ سب لوگ گھر واپس آگئے۔

"کاکا......! اجازت ہو تو اب میں واپس چلا جاؤں......؟"

زبیر نے عبدالحق سے کہا۔

"کام کا حرج ہو رہا ہے۔"

"کام تو چلتے ہی رہتے ہیں بھائی......! ایسے موقع پھر کہاں ملتے ہیں......؟ مجھے تو
آزاد کر رکھا ہے آپ نے۔ مگر خود کو قید کر لیا ہے۔"

"آپ کے ذہن میں کیا ہے......؟"

"اب یہاں آئے ہیں تو اس علاقے کو اچھی طرح سے دیکھ کر ہی جائیں۔"

"جو آپ کی مرضی......!"

عبدالحق نے محمد حسین سے بات کی۔ اس نے کہا۔

"سر......! یہاں تو دُنیا آتی ہے گھومنے۔ یہاں آگے جھیل سیف الملوک تک جا سکتے
ہیں۔ دوسری طرف نکلیں تو سوات اور کالام وغیرہ ہیں۔"

"کل ولیمے میں شرکت کے لئے مری جانا ہے۔ یہ پروگرام وہاں سے واپس آ کر دیکھیں گے۔ آج کیا کریں......؟ قریب ہی کوئی جگہ ہے۔"

"جی سر......! ٹھنڈیانی ہے، وہاں چلیں......!"

محمد حسین نے کہا۔

"لیکن گرم کپڑے لے لیجئے گا سب کے لئے۔ وہاں گرمی میں بھی سردی ہوتی ہے۔"

عبدالحق نے سب کو تیار کرایا۔ اور وہ لوگ ٹھنڈیانی چلے گئے۔

ٹھنڈیانی واقعی بہت خوب صورت جگہ تھی۔ گرمی کا موسم تھا، مگر وہاں درختوں کی شاخوں پر اب بھی برف جمی تھی۔ ذرا سا ہلاؤ تو برف برسنے لگے۔ عبدالحق کو بہت اچھا لگا۔ ارجمند کیمرے سے تصویریں بناتی رہی۔

سبھی بہت خوش تھے۔ مگر اصل مزے تو نورالحق کے آ رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار اس نے ایک ناقابل تصور منظر دیکھا تھا۔ بادل جس طرح لوگوں کے درمیان اٹھکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے، انہیں دیکھ کر اسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ وہ بادل ہیں۔

"بابا......! یہ سچ مچ بادل ہیں......؟"

وہ بار بار عبدالحق سے پوچھتا۔

"خود سوچو......! اور کیا ہو سکتا ہے......؟"

پھر ایک بادل اس کے رُخسار کو چھو کر گزرا تو اسے نمی کا احساس ہوا۔ اس نے ہاتھ پھیر کر دیکھا تو نمی نہیں تھی۔ بس وہ نمی کا احساس تھا۔

"اب یقین آیا کہ یہ بادل ہے......؟"

عبدالحق نے پوچھا۔

"جی بابا......!"

نورالحق نے کہا اور ساجد کی طرف دوڑ گیا۔

ساجد بھی بہت خوش تھا۔ وہ اور نورالحق بار بار بادلوں کو مٹھی میں پکڑتے اور نعرے لگاتے۔

"پکڑ لیا......!"

پھر مٹھی کھولتے تو اس میں سے کچھ نہ نکلتا۔ بس ہاتھ میں نمی کا لمس سا ہوتا۔

"یہ مٹھی سے نکل کر کیسے بھاگ جاتے ہیں......؟"



نورالحق نے کہا۔

"میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔"

انہوں نے بہت اچھا دن گزارا۔ خوشیوں سے بھرپور......! اور شام کو گھر لوٹ آئے۔

اگلے روز وہ ولیمے میں شرکت کے لئے مری گئے۔ وہ نتھیا گلی کے راستے طے گئے تھے۔ نورالحق اور ساجد نے تو اسے بہت انجوائے کیا۔ پہاڑی راستوں کا ڈر ان کو نکل گیا تھا۔ لیکن نسیمہ اور اس کی بچیوں کا برا حال ہو گیا۔ محمد حسین نے ڈیش بورڈ سے سونف کی تھیلی نکالی اور بڑھا دی۔

"یہ منہ میں رکھ کر چوسیں۔ طبیعت بہتر ہو جائے گی۔ اور جنہیں ڈر لگے، وہ کھڑکیوں سے باہر نہ دیکھیں۔"

نسیمہ اور اس کی بچیوں کی تو طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ انہیں اُلٹیں نہیں لگیں۔ وہ لوگ ولیمے میں شریک ہوئے اور رات انہوں نے مری میں اپنے گھر میں گزاری۔ نوریز کے گھر والوں نے واقعی گھر کا اچھی طرح سے خیال رکھا تھا۔ ضرورت کی ہر چیز وہاں موجود تھی۔

نورالحق کو پتا چلا کہ وہ ان کا اپنا گھر ہے تو وہاں رُکنے کی ضد کرنے لگا۔ مری اسے ایبٹ آباد سے بھی اچھا لگا تھا۔ مگر عبدالحق نے اسے سمجھایا کہ واپس جائیں گے تو اور جگہیں گھومیں گے۔ پھر واپس آ کر یہاں کچھ دن رُکیں گے۔

اگلے روز ان کی واپسی ہوئی۔ نسیمہ کی وجہ سے انہوں نے لمبا راستہ اختیار کیا۔ مری سے اسلام آباد اور وہاں سے ایبٹ آباد۔

عبدالحق نے آگے کے لئے محمد حسین سے بات کی۔

"اس سفر کے لئے جیپ زیادہ مناسب رہے گی سر......!"

نسیمہ اور اس کی بچیوں نے آگے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کا یہیں رُکنا کوئی مسئلہ نہیں تھا، کیونکہ مقامی ملازمائیں بھی گھر میں موجود تھیں۔ عبدالحق نے انہیں خرچ کے لئے کچھ رقم دے دی۔

آگے جانے والوں کے لئے ایک جیپ کافی تھی۔ اس کا بندوبست کر لیا گیا۔ طے پایا کہ محمد حسین انہیں لے کر جائے گا۔

❀❀❀

وہ پندرہ دن ان میں سے ہر ایک کے لئے زندگی کے سب سے خوب صورت
تھے۔ نورالحق اور ساجد کو تو وہ اور ہی دُنیا لگی تھی۔ ان کے نزدیک لاہور اور حق نگر ایک دُنیا تھی
یہ پہاڑوں کی دُنیا دوسری تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے اتنی مختلف تھیں کہ کوئی مماثلت تھی ہی نہیں۔
حمیدہ کو ڈر بھی لگتا تھا اور اچھا بھی لگتا تھا۔ اور ارجمند بار بار عبدالحق سے کہتی۔
''پاکستان اتنا خوب صورت ہے، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''
''یہ اللہ کا دیا ہوا بیش بہا تحفہ، بہت بڑی نعمت ہے۔''
عبدالحق نے کہا۔
''کاش ہم اس کی قدر کر سکیں......!''
جھیل سیف الملوک نے تو ان سب پر سحر طاری کر دیا تھا۔ دوسری طرف کالام انہیں
بہت پسند آیا۔
''راستے اتنے ڈراؤنے نہ ہوتے پتر......! تو کتنا اچھا ہوتا......؟''
حمیدہ نے عبدالحق سے کہا۔
''اس سے ہمیں پتا چلتا ہے اماں......! کہ ہر اچھی چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ مفت
میں کچھ نہیں ملتا۔''
''یہ تو جنت ہے پتر......! جنت......!''
''یہ زمین کی جنت ہے اماں......! آسمان کی جنت کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔''
''اور اس کی قیمت بھی تو بہت زیادہ ہے پتر......!''
''کچھ بھی نہیں اماں......! صرف اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان اور اس کی
اطاعت......!''
''تو یہ کوئی معمولی بات ہے......؟ نفس بھی تو بندے کے ساتھ لگا دیا ہے اللہ نے۔''
حمیدہ نے شکایتی لہجے میں کہا۔
''تم تو شکایت کرنے لگیں اماں......!''
''اللہ مجھے معاف کرے......!''
حمیدہ اپنے رُخسار دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگی۔
''مجھے تو شکر ادا کرنا ہے۔ ریت کے علاقے میں پیدا ہوئی، عمر گزاری، جہاں سب مر
گئے۔ گاؤں کے گاؤں ختم ہو گئے۔ میرے ربّ نے مجھے زندہ رکھا۔ تجھ سے ملایا۔ آنکھیں وا





دیں۔ نعمتیں بخشیں۔ شہر دکھائے۔ وہ آرام دکھایا جو میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ پوتا دیا،
اور اب یہ جنت دکھائی۔ ارے......! میں کیسے شکر ادا کر سکتی ہوں اس کا......؟''
وہ رونے لگی۔
عبدالحق کو احساس ہو رہا تھا کہ ان کا گھر سے دُوری کا عرصہ کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا
ہے۔ زبیر بھائی بے چین ہو رہے تھے۔ لیکن باقی لوگ بہت خوش تھے۔
ایبٹ آباد واپس آ کر انہوں نے ایک دن وہاں قیام کیا۔ عبدالحق نے چوکیدار کو کچھ
رقم دی اور شاباش دی کہ اس نے بہت اچھی طرح گھر کا خیال رکھا ہے۔ اس نے مکان کی بہتری
کے لئے کچھ کام بتائے۔
اور اگلے روز وہ مری کے لئے روانہ ہو گئے۔

❀❀❀

مری کے اس بنگلے میں ان میں سے کچھ کے لئے قدم قدم پر یادیں بکھری ہوئی
تھیں۔ وہاں آنا انہیں بہت اچھا لگا۔
ارجمند کو وہاں آ کر خوشی بھی ہوئی اور وہ اُداس بھی ہو گئی۔ اُداس اس لئے تھی کہ یہاں
نوربانو اسے بڑی شدت سے یاد آئی۔ اس کے ساتھ گزارا ہوا ایک ایک لمحہ اسے یاد تھا۔
حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے ایبٹ آباد میں نوربانو کے ساتھ بہت زیادہ وقت
گزارا تھا۔ لیکن وہاں قیام کے دوران اسے نوربانو اس طرح یاد نہیں آئی تھی۔ شاید اس لئے کہ
ایبٹ آباد میں انہوں نے کوئی اچھا وقت نہیں گزارا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی وہ سوچتی تو وہ اسے کوئی ڈراؤنا
خواب لگتا۔ وہ بہت ناخوش گوار اور اعصاب شکن عرصہ تھا۔ حالانکہ اسے اس عرصے میں بہت خوش
رہنا چاہئے تھا۔ اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اللہ نے پوری کی تھی۔ پھر وہ ماں بننے والی تھی۔
لیکن اپنے لئے نہیں، نوربانو کے لئے۔ لیکن وہ اس میں بھی خوش تھی۔ ہر خوشی کی ایک قیمت ہوتی
ہے۔ اور جتنی بڑی خوشی ہو، اس کی قیمت بھی اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن عبدالحق کو پانے کی وہ قیمت
اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں تھی۔ وہ تو ہیرے کا سودا تھا، کوڑیوں کے مول۔
مری میں یہ عجیب بات ہوئی کہ پہلی بار اس نے ایبٹ آباد میں نوربانو کے ساتھ
گزرے ہوئے وقت کو یاد کیا۔ اس نے سمجھنے کی کوشش کی کہ وہ وقت اتنا سخت کیوں تھا......؟ اور اس
کی سمجھ میں آ گیا۔ اس کی کوئی ایک وجہ تو نہیں تھی۔ بے شمار وجوہات تھیں۔

سب سے پہلی تو یہ کہ وہ پورا سیٹ اَپ ایک بہت بڑا جھوٹ تھا، اور وہ جھوٹ سے نفرت کرتی تھی۔ پھر وہاں بات صرف ایک جھوٹ بولنے کی نہیں تھی۔ وہ ایک ایسا جھوٹ تھا، جس کا جسم تھا، وہ ایک مسلسل جھوٹ تھا۔ اور وہ جھوٹ ایسا تھا جو کئی برس گزرنے کے بعد بھی جاری تھا۔

اسے اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ اس کا بچہ آپی کا بچہ کہلائے۔ یہ کام تو وہ ہنسی خوشی کر سکتی تھی۔ لیکن جس طرح سے آپی نے اس کی منصوبہ بندی کی، اس ایک جھوٹ کے لئے جھوٹ پر جھوٹ بولتی رہیں، وہ اچھا نہیں تھا۔ سب سے بری بات یہ کہ اسے خود بھی جھوٹ بولنا پڑا، اور آج تک بول رہی ہے۔

اتنا سوچ کر وہ رُک گئی۔ وہ آگے مزید کچھ سوچنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اب اس کی سمجھ میں آگیا کہ وہ اس بارے میں سوچنے سے کیوں بچتی رہی ہے.....؟ وہ نور بانو سے بہت محبت کرتی تھی۔ وہ نور بانو کا احسان بھی مانتی تھی۔ لیکن نور بانو نے جس طرح وہ منصوبہ بنایا تھا، وہ عیارانہ اور مکارانہ تھا، اور منفی ذہنیت کا عکاس تھا۔ اور وہ نور بانو سے اتنی محبت کرتی تھی کہ اس نے اس وقت بھی نہ اس کی مذمت کی اور نہ ہی اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ تو اب تو نور بانو اس دُنیا میں تھی ہی نہیں۔ وہ اس کے بارے میں کیسے سوچ سکتی تھی.....؟

اس نے اس سوچ کو ذہن سے جھٹک دیا۔ سوچنے کو اچھا بھی تو بہت کچھ تھا۔

وہ برسوں پیچھے چلی گئی۔ اسے سب کچھ ایسے یاد تھا، جیسے کل کی بات ہو۔ مگر جب میں اور اب میں بہت فرق تھا۔

سب سے بڑا تو موسم کا فرق تھا۔ اس بار وہ برف باری دیکھنے کے لئے آئے تھے اور انہوں نے برف باری دیکھی تھی۔ جبکہ یہ موسم گرما تھا۔ اب مری میں بڑی رونق تھی۔ سڑکوں پر دوسرے شہروں سے تفریح کے لئے آنے والوں کی ٹولیاں تھیں۔ درخت پتوں سے آراستہ تھے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔

اس نے اپنے ذہن میں دونوں موسموں کا موازنہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ خوب صورتی اپنی جگہ اور یہ حسن اپنی جگہ۔ مگر اس کے دل کا جھکاؤ اس پچھلی رُت کی طرف تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ اس وقت نوعمری کی محبت کے سحر میں گرفتار تھی۔

وہ ماضی میں چلی گئی۔

برف باری سے پہلے فضاء پر کیسا سکوت طاری ہو گیا تھا۔ پھر چھت پر وہ دھب دھب کی آواز.....! جیسے کوئی چھت پر چل رہا ہو۔ کیسا ڈر لگ رہا تھا.....؟



اور پھر آغا جی نے انہیں دکھایا تھا۔ روئی کے بڑے بڑے گالے زمین پر گر رہے تھے۔ وہ جیسے اس دُنیا کا منظر نہیں تھا، کوئی آسمانی چیز تھی۔ اور اسے دیکھ کر دل کیسے پھول کی طرح کھل گیا تھا۔

اسے یاد تھا، اس نے اسنو مین بنایا تھا۔ اسے آغا جی کا کوٹ اور ہیٹ پہنایا تھا۔ اپنے بندوں کے نگ نکال کر اس کی آنکھوں کی جگہ لگائے تھے۔ پھر اس نیلی آنکھوں والے اسنو مین کی تصویریں بنائی تھیں۔ اور سب لوگوں کی تصویریں۔

پھر بعد میں اس نے ان تصویروں کو دیکھ کر اپنے ہاتھ سے وہ تصویریں بنائی تھیں، اور ان میں رنگ بھرے تھے۔

اس پر اسے یاد آیا کہ اسے مصوری کا کتنا شوق تھا.....؟ اور اسے قدرتی صلاحیت ملی تھی اس کی۔ اس پر اسے پھپھو یاد آئیں اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اللہ.....! میں کیسی بے درد ہوں.....؟ پھپھو کو بھول گئی.....؟ یاد بھی نہیں کرتی کبھی۔''

لیکن نہیں.....! وہ ہر روز ان کے لئے دُعائے مغفرت کرتی ہے۔

یادیں زینے کی طرح ہوتی ہیں، بہت بڑا زینہ.....! سیڑھیاں ہی سیڑھیاں.....! مگر ان عام سی سیڑھیوں میں کہیں کہیں کوئی خاص جادوئی سیڑھی بھی ہوتی ہے، جس پر پاؤں رکھ کر دے تو آدمی کسی بہت بھولی بسری دُنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ کچھ یاد آجاتا ہے اسے، جسے وہ برسوں سے بھولا ہوتا ہے۔

ارجمند کا پاؤں بھی ایک ایسی سیڑھی پر پڑ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے یادوں کے پوشیدہ دریچے کھل گئے۔

ایک دریچہ کوٹھے کی یادوں کا تھا، جسے وہ کھولنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ بہت تکلیف دہ یادیں تھیں، جنہیں وہ یاد کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اذیت یادوں کو کوئی بھی یاد نہیں رکھنا چاہتا۔ ہر شخص ایسی یادوں کو ہمیشہ کے لئے بھلا دینا چاہتا ہے۔

مگر اس وقت اسے احساس ہوا کہ یہ روّیہ غلط ہے۔ ایسی یادوں کو تو سنبھال کر رکھنا چاہئے۔ ورنہ آپ اللہ کا شکر کیسے ادا کریں گے.....؟ آپ یہ یاد ہی نہیں کرنا چاہیں گے کہ آپ کتنی بڑی تکلیف، کتنی بڑی ذِلت، کتنی بڑی پریشانی میں تھے اور اللہ نے کیسی سہولت اور آسانی کے ساتھ آپ کو وہاں سے نکال دیا۔ اگر آپ یہ سب بھول جائیں گے تو خود کو شکر کی نعمت سے محروم کر لیں

گے۔

دوسرا زاویہ یہ ہے کہ جب آپ، ایسی یادوں کو شٹ ڈاؤن کرتے ہیں تو ان سے قریب کی، ان سے منسلک بے شمار اچھی یادیں بھی مٹ جاتی ہیں، ایسی یادیں جو تھکن، اضمحلال اور مایوسی کے عرصے میں آپ کو تازہ دم کر سکتی ہیں۔

بہرحال اس نے ایسی ایک سیڑھی پر پاؤں رکھ دیا تھا اور ماضی میں پہنچ گئی تھی۔

اس ماضی میں پھپھو کی زندگی کا وہ کرب، اذیت اور ہولناکی تھی، جسے وہ اس وقت نہیں سمجھ سکی تھی۔ اور اب غور کیا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ بے شک پھپھو بڑی حوصلے والی تھیں۔ بلکہ یہ بات نہیں، شاید...... شاید نہیں یقیناً، صرف اسے بچانے کے لئے انہوں نے وہ حوصلہ اکٹھا کیا تھا۔ ورنہ وہ جو ہر رات مرتی اور ہر دن جیتی تھیں، ان کے لئے ایک بار مرنا کون سا دُشوار تھا......؟

اور کیسا مقامِ شکر تھا، اللہ کے فضل عظیم کی کھلی اور روشن نشانی تھی کہ کوٹھے پر ہی اس نے قرآن سیکھا اور پڑھا۔ اور اس نے ہی نہیں، نانا نے بھی۔ اچھو میاں، جنہوں نے زندگی کوٹھے پر گزار دی تھی۔

اسے دُھندلا دُھندلا سا یاد آتا تھا کہ شروع میں اسے ناچنا اور گانا سکھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن پھر وہی شکر کی بات کہ اللہ نے کیسے وہاں اسے محفوظ رکھا اور کیسے وہاں سے نکالا۔ کہاں سے کہاں پہنچا دیا......؟ کوئی شکر ادا کر سکتا ہے ایسے اللہ کا......؟

اور وہیں اس نے عبدالحق کو پہلی بار دیکھا اور اس کی تصویر بنائی۔ بہت کم عمر ہونے کے باوجود اس سے محبت کی، اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ مانا۔ اور اللہ نے اسے یقین دلا دیا کہ وہ اسے ضرور ملے گا۔

''کیسی کیسی پیاری یادیں بھی وابستہ ہیں کوٹھے کے ساتھ......!''

اس نے سوچا۔

آدمی کو اپنے ناخوش گوار اور کٹھن وقت کو یاد رکھنا چاہئے۔

وہ کتنی اچھی تصویریں بناتی تھی۔ عبدالحق کو صرف ایک بار دیکھ کر اس نے ان کی بے شمار تصویریں بنائی تھیں۔ اس نے پھپھو اور پھپھا جان کی تصویر بھی بنائی تھی۔ پھر اس نے یہاں مری کی تصویریں بھی بنائی تھیں۔

پھر جب اسے شعور آیا کہ تصویر نہیں بنانی چاہئے تو کچھ اس وجہ سے اور کچھ دادای



کے کہنے پر آپی کے ڈر سے کچھ تصویریں تو اس نے ضائع کر دیں، لیکن کچھ تصویریں اس نے چھپا دیں۔ مری کے تمام فوٹوگراف اور اس کی بنائی ہوئی تصویریں ان میں شامل تھیں۔ اسے یاد تھا کہ وہ سب اس نے اپنی الماری کے سیف میں رکھ دی تھیں۔ اور تصویریں ...ے اس نے توبہ کر لی تھی۔

اور اب تو نوربانو کی موت کو بھی سات سال ہو چکے تھے۔ مگر اسے ایک بار بھی ان ...وں کا خیال نہیں آیا تھا۔ اتنی اہم باتوں کو بھی آدمی کتنی آسانی سے بھول جاتا ہے۔

اسے یہاں گزارا ہوا ایک ایک لمحہ یاد تھا۔ ماں، باپ، دادا، دادی، چچا، سب سے ...وم ہو کر پاکستان آنے کے بعد پہلی بار سب سے خوب صورت وقت اس نے یہیں گزارا تھا۔ دُنیا ...ی خوب صورت ہے، یہ اس سے پہلے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

اور وہ اسے بھی بھول گئی تھی۔

وہ اسی کمرے میں تھی، جہاں وہ ان دنوں رہی تھی۔ وہ سارے لمحے اس کے لئے ...ہو گئے تھے۔

آدمی کو اللہ نے کیسا بنایا ہے۔ کچھ چیزیں مشترک، باقی صورتیں اور شخصیتیں الگ ...۔ اپنی اپنی کمزوریاں، اپنی اپنی مضبوطیاں۔ مگر سبھی خطاؤں کے پتلے۔ غلطیاں چھوٹی ہوں یا ...ی، ان کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اس وقت اس کی سمجھ میں آیا کہ آدمی آدمی کو سمجھے تو اس کی غلطیوں، اس کی زیادتیوں کو ...رگزر کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔

کچھ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے درگزر کی خو فیاضی سے دی تھی۔ اور کچھ اسے ...بانو سے بہن جیسی محبت بھی دی تھی۔ اس وقت نہ تو وہ نوربانو کو سمجھ سکتی تھی اور نہ اس نے اس کی ...ش کی۔ ضرورت بھی نہیں تھی۔ مگر اس کا نتیجہ تھا کہ وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے بارے ...ں گہرائی میں جا کر سوچنے سے ڈرتی تھی۔

لیکن یہاں وہ پہلی بار نوربانو کو پوری طرح سمجھ رہی تھی۔ اور اس کی سمجھ میں آ گیا تھا ...دادی اماں انہیں شروع ہی سے جانتی اور سمجھتی تھیں۔

اب وہ سمجھ سکتی تھی کہ نوربانو شدید احساسِ کمتری میں مبتلا تھی۔ اور اس کے نتیجے میں ...م تحفظ کا احساس بھی لازمی تھا۔ اس کی وجہ سے وہ ہر وقت اس خوف میں مبتلا رہتی تھی کہ کسی بھی ...کوئی خوب صورت لڑکی آغا جی کو ان سے چھین لے گی۔ چنانچہ وہ شک کرتی تھیں، ہر ایک پر

شک کرتی تھیں۔ آغا جی پر بھی اور ہر خوب صورت لڑکی پر بھی۔

وہ مسعود صاحب کی بچیوں سے خوف زدہ رہتی تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر تو
اس سے خوف زدہ تھیں۔ یہ تو اللہ کا بہت بڑا کرم تھا کہ اس کی صورت میں انہیں اپنی بہن کی صو
نظر آتی تھی، اور اللہ نے ان کے دل میں اس کی بے پناہ محبت ڈال دی تھی، ورنہ وہ اسے گھر
نکال کر ہی دم لیتیں۔

پھر ایک اور محرومی مل گئی انہیں۔ یہ کہ وہ ماں نہیں بن سکیں۔ یہ تو بہت بڑی م
تھی۔ عورت کی تو تکمیل ہی اس سے ہوتی ہے۔ اور اب وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس محرومی نے آپی کے
تحفظ کے احساس کو سوگنا بڑھا دیا ہوگا۔ ان کے خیال میں آغا جی کو ان کی اس محرومی نے جواز
کر دیا تھا۔

بدقسمتی سے وہ دین سے دُور ہوگئی تھیں۔ وہ یہ نہ سمجھ سکیں کہ مرد کو دوسری شادی
لئے کسی جواز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ مزید شادی کرنا چاہتا ہے۔

پھر وہ آغا جی کے ساتھ کراچی چلی گئیں۔ اس عرصے میں پہلی بار اس کی سمجھ میں
کہ آپی اس سے بھی ڈرتی ہیں۔ کیونکہ فون کی سہولت موجود تھی، لیکن آغا جی سے کبھی اس کی
نہیں ہوئی۔ بعد میں ایبٹ آباد میں اس بات کی پوری طرح تصدیق ہوگئی۔

کئی برس بعد وہ واپس آئیں تو ان کی صحت بہت خراب ہوگئی تھی۔ انہیں السر
تھا، لیکن وہ آپریشن کے لئے رضامند نہیں تھیں۔ اور آتے ہی انہوں نے آغا جی سے اس کی
کرا دی، خود اصرار کر کے۔ اس کے لئے انہوں نے اس کی خوشامد تک کی۔

اسے یاد تھا کہ باتوں باتوں میں دادی اماں اکثر کہتی تھیں کہ نور بانو عبدالحق کو لے
کراچی بھاگ گئی ہے، تاکہ میں عبدالحق کی دوسری شادی نہ کرا سکوں۔ وہ کہتی تھیں کہ پوتے
آرزو ہے انہیں، اور اسے پلتے بڑھتے دیکھنا ان کا خواب ہے۔

اور آپی آغا جی کو کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھیں۔

ارجمند نے سر جھٹکا۔ وہ اس سلسلے میں مزید نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ جو گزر گیا تو
گیا۔ آدمی دُنیا سے رُخصت ہوگیا تو سب ختم......! لیکن یادوں کا ریلا جب شعور کی ڈھلان
آجائے تو اس کے آگے کوئی بند نہیں باندھ سکتا۔

آغا جی کبھی عید بقرعید پر بھی دادی اماں سے ملنے نہیں آئے۔ ایسے موقعوں پر
آپی کی طبیعت خراب ہو جاتی تھی۔ دادی اماں کہتیں۔



"وہ بڑی مکار ہے۔ اس کبھی نہیں آنے دے گی۔ ڈرتی ہے کہ آتے ہی میں اس کی
دی کرادوں گی۔"

لیکن پھر آپی خود آغا جی کو لے کر آئیں، اور آغا جی کا ٹرانسفر نہیں ہوا تھا۔ وہ چھٹی
لے کر آئے تھے۔

اس لحاظ سے دادی اماں کی بات درست ثابت ہوئی کہ آپی نے آتے ہی اس کی اور
آغا جی کی شادی کا چکر چلا دیا۔ یعنی انہیں یقین تھا کہ انہوں نے خود سے کچھ نہیں کیا تو دادی اماں
قدم اُٹھائیں گی۔ اور پھر معاملات ان کے ہاتھ میں نہیں رہیں گے۔

لطف یہ کہ دادی اماں بھی اس میں خوش تھیں، جیسے یہ ان کی آرزو ہو۔ تب اس کی سمجھ
میں آیا کہ اس کے لئے فرحان کا رشتہ آنے پر دادی اماں اس سے زیادہ پریشان کیوں ہوئی
تھیں......؟ اور اس کے انکار پر انہوں نے سکھ کا سانس کیوں لیا تھا......؟

اب وہ سمجھ سکتی تھی کہ آپی کی نظرِ انتخاب اسی پر کیوں پڑی......؟ انہیں اس پر پورا
یقین تھا کہ وہ ان کی مطیع و فرمانبردار ہے اور ان سے اتنی محبت کرتی ہے کہ ان کے لئے کچھ بھی کر
سکتی ہے۔ دادی اماں کوئی بہو لے کر آتیں تو صورتِ حال مختلف ہوتی۔ آغا جی تو تقسیم ہو جاتے، اور
ماں بننے کے بعد تو اس کی بالادستی ہو جاتی، اور آپی پس منظر میں چلی جاتیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا،
آغا جی ان سے جتنی محبت کرتے تھے، وہ کبھی ایسا نہیں ہونے دیتے۔ مگر آپی کو ان پر یقین نہیں تھا۔
بڑے اعزاز کی بات ہے کہ سب سے بڑھ کر انہیں اس پر یقین تھا۔

آپی بہت ذہین تھیں۔ انہوں نے بہت دُور تک دیکھا اور سوچا تھا۔ بہت لمبی پلاننگ
کی تھی۔ لیکن اگر وہ ان کے بھروسے پر پوری نہ اُترتی تو وہ پلاننگ ناکام ہو جاتی۔ اس کا انحصار
صرف اور صرف اس پر تھا۔ انہوں نے اپنی ضرورت کے تحت اس کی شادی آغا جی سے کرائی تھی۔
انہوں نے اپنے ماں بن کر پوری طرح سرخ رو ہونے کا بندوبست کیا تھا۔ جبکہ وہ اس میں خوش تھی
کہ کسی قیمت پر سہی، اسے آغا جی مل تو رہے ہیں۔ وہ ان سے جڑ رہی ہے۔

لیکن اپنی محرومی دُور کرنے، اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے آپی نے کس کس کو کتنی
قربانیاں دیں......؟ کس کس کو کیسی کیسی مشکل میں ڈالا......؟ حتیٰ کہ خود کو بھی، یہ اچھی بات نہیں
تھی۔ بہت بڑی خودغرضی تھی۔

اس نے خود کو روکنا چاہا کہ جو مر چکے ہوں، ان کے بارے میں منفی باتیں نہیں سوچی
جاتیں۔ مگر سوچوں پر کس کا اختیار ہوتا ہے......؟ وہ خود کو اب روک نہیں سکتی تھی سوچنے سے۔

آپی نے آغا جی کو محروم کیا۔ وہ کراچی اکیلے گئے اور وہاں اکیلے رہے۔ دو بیویاں ہوتے ہوئے یہ بہت بڑی زیادتی تھی ان کے ساتھ۔ اور انہوں نے دادی اماں کے ساتھ زیادتی کی کہ انہیں اتنے بڑے معاملے سے، اتنی بڑی خوشی سے کاٹ کر رکھ دیا۔ اور انہوں نے اس کے ساتھ، جسے وہ سچ مچ اپنی مرحوم بہن کا درجہ دیتی تھیں، بلا ارادہ زیادتی کی۔ انہوں نے اسے آغا جی کی قربت سے محروم کر دیا۔ جبکہ اس کی شادی کو ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا۔ قربت تو دُور کی بات، انہیں اس کا آغا جی سے فون پر بات کرنا بھی گوارہ نہیں تھا۔ صرف اسی وقت انہوں نے اسے فون پر بات کرنے دی، جب اس کی ضرورت تھی۔

خیر......! اسے اس پر نہ کوئی اعتراض تھا نہ شکایت۔ جو اسے مل گیا تھا، وہ اس کے لئے دُنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ مگر انہوں نے رشیدہ اور نوریز کے ساتھ بھی زیادتی کی۔ ان پر وہ بوجھ ڈال دیا جو ان کا نہیں تھا، اور ان کی بساط سے زیادہ تھا۔ سب سے بڑھ کر انہوں نے اپنے ساتھ زیادتی کی۔ انہی چکروں میں لگی رہیں اور اپنے علاج کی طرف بھی توجہ نہیں دی۔ اور انہوں نے اس بچے کے ساتھ بھی زیادتی کی جس کی وہ دعوے دار تھیں، جس کی آمد کا کس کس کو انتظار تھا۔ انہوں نے اسے بھی خطرے میں ڈال دیا۔

اور انہوں نے اس کے ساتھ ایک اور بڑی زیادتی کی۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے بچے کو اپنا نہیں کہہ سکتی، کیونکہ اس کو تو خود اس نے ہنسی خوشی قبول کر لیا۔ ایک طرف انہوں نے اسے بہت سنگین اور مکروہ جھوٹ میں ملوث کر دیا، اور دوسری طرف اسے مجرم بنا دیا کہ وہ ان کی حالت سے کسی کو مطلع نہیں کر سکی، اس ڈر سے کہ کوئی آ گیا تو جھوٹ کھل جائے گا۔ وہ تو اللہ نے کرم فرمایا کہ اسے ٹائمنگ کے ذریعے جواز بھی فراہم کر دیا اور جھوٹ کھلنے سے بھی بچا لیا۔

اگر خدانخواستہ آپی کا انتقال پہلے ہو جاتا اور نورالحق چند روز بعد پیدا ہوتا تو کیا صورتِ حال ہوتی......؟ وہ کیا کرتی......؟ کیسے سنبھالتی اس صورتِ حال کو......؟ وہ تو آپی کی طرح ذہین بھی نہیں تھی۔ اور کچھ کیا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ آپی کی موت کی خبر دیتی تو جھوٹ کی وجہ سے آپی کی بھی رُسوائی ہوتی اور وہ بھی مطعون ہوتی۔ اور اطلاع نہ دیتی تو یہ اور بڑا جرم ہوتا۔

''بے شک اللہ عزت رکھنے والا ہے......!''

لیکن ایک نقصان تو اسے پھر بھی پہنچ گیا تھا۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ آغا جی اپنی اور دادی امی کی بے خبری کا الزام اسے دیتے ہیں۔ اور اس معاملے میں اسے قصور وار سمجھتے ہیں۔ اس نے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ان کے دل میں شکایت بیٹھ گئی تھی۔



بہر حال اللہ کا شکر ہے، یہ بہت چھوٹی سزا ہے۔ اس نے سوچا۔

''قصور تو میرا بہت بڑا تھا۔ میں اتنے بڑے جھوٹ میں، دھوکہ دہی میں شامل ہوئی، آلۂ کار بنی۔ یہ تو بڑی ذلت کی طرف لے جانے والی حرکت تھی۔

مگر اللہ نے بڑا کرم فرمایا کہ آپی کا پردہ رکھ لیا۔ کم از کم آغا جی کے سامنے......!''

یہ سب کچھ سوچنے کے بعد وہ ہلکی پھلکی ہو گئی۔ جیسے دل و دماغ پر سے کوئی بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔

اس کے دل میں، اس کے ذہن میں آپی کے لئے کوئی برا خیال، کوئی شکایت نہیں ابھری تھی۔ اس لئے کہ اس نے سمجھ لیا تھا کہ آپی مجبور تھیں۔ آدمی اپنی شخصیت خود نہیں بناتا، حالات اور واقعات، اس کی خوشیاں، دُکھ، اس کی محرومیاں، اس کی فطرت کے ساتھ مل کر اس کی شخصیت بناتی ہیں۔ اور ہر شخص میں کمزوریاں ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے اس سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ اور کوئی کسی دوسرے شخص کو سمجھتا اور جانتا ہو تو وہ اس کی مجبوری کو سمجھ کر اس کی غلطیوں اور زیادتیوں سے درگزر کرتا ہے۔

اس نے سوچا کہ وہ ہمیشہ آپی کے لئے دُعائے مغفرت کرے گی۔

❀❀❀

زبیر، رابعہ اور ساجد کے لئے تو وہ بہت بڑی خوشی تھی۔ وہ پہلی بار یہاں آئے تھے۔ انہیں تو علم ہی نہیں تھا کہ مری میں عبدالحق کی جائیداد ہے۔ رابعہ تو بہت خوش تھی۔ وہ حمیدہ کو مبارک باد دینے اس کے کمرے میں چلی گئی۔

عبدالحق، نورالحق، زبیر اور ساجد کو لے کر عقبی احاطے میں چلا گیا۔

ویسے وہ خود بھی حیران تھا۔ یہ اسے وہ کوٹھی لگ ہی نہیں رہی تھی۔ موسموں سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور مقام خوب صورت ہو تو ہر موسم کا حسن اپنا الگ ہی ہوتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس موسم میں وہ کچھ بھی اُجاگر ہو گیا تھا، جو موسم سرما میں سمجھ میں ہی نہیں آ سکتا تھا۔

دُور سے چشمے کی رل ترل سنائی دے رہی تھی۔

''یہ کیسی آواز ہے کاکا......؟''

زبیر نے پوچھا۔

''یہ پانی کے بہتے ہوئے چشمے کی آواز ہے بھائی......!''

"کہاں ہے......؟"

"اپنی زمین پر ہی ہے۔"

"تو دکھائیں ناں......!"

زبیر کے لہجے میں بے تابی تھی۔ صحرا کے آدمی کی تو پانی میں جان ہوتی ہے۔ پچھلی بار عبدالحق نے ایک لکیر سی دیکھی تھی، جو پانی کا راستہ تھا۔ چشمہ تو خود اس بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ آواز کی ڈور تھام کر چلتا رہا۔ پھر راہنمائی کے لئے اسے چشمے کا پانی آ گیا۔

ساجد نے تو فوراً کیمرہ سنبھال لیا۔ نورالحق خوشی سے اُچھل رہا تھا۔ اور زبیر کا چہ کھل اُٹھا تھا۔

عبدالحق کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ اتنا بڑا چشمہ ہوگا۔

اتنے میں نوریز کا باپ وہاں آ گیا۔ ارجمند نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ لوگ باہر ہیں وہ تیز قدم چلتا ہوا ان تک پہنچا اور سلام کرنے کے بعد بولا۔

"آپ کو یہ سب نیا نیا لگ رہا ہوگا صاحب......!"

"ہاں......! یہ چشمہ تو میں نے دیکھا ہی نہیں تھا۔"

عبدالحق نے کہا۔ پھر بولا۔

"خان صاحب......! آپ نے جس طرح یہاں ہر چیز کا خیال رکھا ہے، اس پر آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں صاحب......؟ آپ نے مجھے ذمہ داری دی تھی اس کی"

"پھر بھی......!"

زبیر، ساجد اور نورالحق پانی میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے۔ زبیر نے تو ہاتھوں میں پانی پی بھی لیا۔

"سبحان اللہ......! کیا ٹھنڈا میٹھا پانی ہے۔ الحمدللہ......!"

ساجد اور نورالحق نے بھی اس کی تقلید کی۔

عبدالحق کے چہرے پر ہچکچاہٹ تھی۔ وہ انہیں ٹوکنے ہی والا تھا کہ نوریز کے باپ مداخلت کی۔

"یہ تو بڑا پاک صاف پانی ہے صاحب......! اور بہت طاقت ور بھی ہے۔



کے سلسلے میں آپ سے ایک اجازت بھی لینا چاہتا ہوں۔"

"فرمائیں......! کیا بات ہے......؟"

"پانی یہاں بہت زیادہ نہیں ہوتا مری میں۔ اور سیزن میں پورے پاکستان سے لوگ تفریح کے لئے یہاں آتے ہیں تو پانی کی کمی ہو جاتی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں صاحب......! کہ چشمے سے پانی کے لئے ایک لائن بچھا دی جائے، اور آگے ایک ٹینکی بنا دیں، جہاں پانی جمع ہو"

"یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے خان صاحب......! ناران میں بھی میں نے یہ سسٹم دیکھا"

"جی صاحب......! میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ خرچہ تو ہوگا، لیکن پانی محفوظ ہو جائے گا۔"

"آپ فوراً کام کروا لیں۔ اچھا......! یہ بتائیں......! یہ کیا ہے......؟"

عبدالحق نے سیمنٹ کی بنی اونچی منڈیر کی طرف اشارہ کیا۔

"پانی تو ڈھلان کی طرف جاتا ہے، ناں صاحب......! اور اُدھر کھائی ہے۔ پانی ضائع ہونے سے بچانے کے لئے منڈیر بنوا دی۔"

"بہت اچھا کیا......!"

"اب میرے ساتھ چلیں، چھوٹ صاحب کو ان کے اپنے بچوں کے سیب دکھائیں......!"

"ہاں......! آپ نے ایبٹ آباد میں کہا تو تھا کچھ ایسا۔ مگر میں سمجھ نہیں پایا۔"

"ہمارا باغ بھی ہے سیب کا بابا......؟"

نورالحق کے لہجے میں ہیجان تھا۔

"اب خود چل کر دیکھ لو......!"

وہ سب نوریز کے باپ کے ساتھ چل دیئے۔ باغ انہیں دُور سے نظر آ رہا تھا۔ مگر وہ احاطے سے باہر تھا۔

"مگر وہ زمین تو اپنی نہیں......!"

عبدالحق نے کہا۔

"آپ کو یاد نہیں صاحب......! آپ کے کہنے پر یہ برابر والی زمین بھی خرید لی تھی ہم

نے......؟"

"ہاں......! یاد آگیا۔ مگر یہ سیب کا باغ......؟ اس کے لئے رقم کہاں سے آئی

"ایک غلطی کر بیٹھا صاحب......!"

نوریز کے باپ نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"کچھ رقم تو میرے پاس بھی تھی، پھر میں نے یہ سوچ کر آپ کی جیپ بیچ
رکھے رکھے خراب ہو جاتی ہے۔ آپ کبھی آئیں تو نئی خرید لیں گے۔ معافی چاہتا
صاحب......!"

عبدالحق نے اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں خان صاحب......! آپ مختار یہاں، اور آپ
وہی کچھ کیا، جو آپ کو کرنا چاہئے تھا۔ یہ بتائیں......! آپ نے کتنی رقم ملائی تھی......؟"

"وہ تو واپس بھی لے لی میں نے۔ ماشاء اللہ بہت پھل اُترتا ہے یہاں صاحب
ابھی میں آپ کو اس کا حساب بھی دوں گا۔ آپ کا کافی پیسہ جمع ہوگیا ہے۔"

باغ دیکھ کر ساجد اور نورالحق بہت خوش ہوئے۔ سرخ اور گلابی سیبوں سے
درخت بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔

"پھل تیار ہیں صاحب......! پر میں نے آپ لوگوں کی وجہ سے اُترنے
ابھی......!"

نوریز کے باپ نے کہا۔ پھر اس نے چن کر لال لال سیب توڑے اور ان کی
بڑھائے۔

"یہ آپ کے اپنے باغ کے سیب ہیں چھوٹے صاحب......!"

نورالحق بے صبری سے کھانے والا تھا کہ ساجد نے اسے روک دیا۔

"دھوئے بغیر نہیں کھانا......!"

اس نے کہا۔ نورالحق نے ہاتھ روک لیا۔

"خان صاحب......! آپ کا نام کیا ہے......؟"

"شیر خان......!"

"تو خان صاحب......! اب سارے معاملات آپ کے اور میرے بڑے
درمیان ہیں۔"



عبدالحق نے زبیر کی طرف اشارہ کیا۔

"ان سے فون نمبر لے لیجئے......! پانی کے سلسلے میں جو بھی خرچ ہو، یہ آپ کو دیں
گے۔ اور کوئی بات ذہن میں ہو تو بس آپ انہیں بتا دیں۔ اور یہاں کا سارا اختیار آپ کے پاس
ہے۔ ہم سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف رقم کی ضرورت کے بارے میں بتا دیں
آپ......!"

"میں آپ کو نمبر دے دوں گا۔"

زبیر نے کہا۔

"یہ سب دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ آپ بہت اچھے منتظم ہیں۔"

شیر خان خوش ہوگیا۔

"اب اندر چلیں بابا......!"

نورالحق نے کہا۔ اسے سیب کھانے کی جلدی ہو رہی تھی۔

"ایک بات اور......!"

عبدالحق نورالحق اور ساجد سے مخاطب ہوا۔

"یہ جگہ آپ دونوں کی ہے۔ اب مجھے یہ بتا دیں کہ باغ کون لینا چاہتا ہے، اور کوٹھی
کون......؟"

"میں تو چھوٹا ہوں بابا......!"

نورالحق نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"آپ دونوں ساجد بھائی کو دے دیجئے......! ان کی ہر چیز میری ہے، جیسے انہوں
نے اپنے کمرے میں مجھے حصہ دار بنایا ہے۔"

"چاچا......! یہ سب آپ اپنے ہی پاس رکھئے......! آپ کی ہر چیز میری بھی تو ہوتی
ہے۔ پھر مجھے کسی چیز کی کیا ضرورت......؟"

عبدالحق نے محبت سے دونوں کے سر تھپتھپائے۔

"مجھے نورالحق کی بات بہت اچھی لگی۔ بس یہ سب تمہارا ہوا۔"

عبدالحق نے کہا۔ پھر شیر خان کی طرف مُڑا۔

"خان صاحب......! میں جانے سے پہلے یہ کام کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے میری
موجودگی ضروری ہوگی ناں......؟"

"جی صاحب......! ایک دو دن میں یہ کام ہو جائے گا۔"

وہ سب کوٹھی کی طرف واپس چل دیئے۔

❀❀❀

جیناں اور فاطمہ بھی آ گئی تھیں۔ انہوں نے گیلری میں کرسیاں ڈال دیں۔ پھر جیناں چائے بنانے کے لئے چلی گئی اور فاطمہ عقبی احاطے میں کرسیاں لگانے لگی۔ اس وقت شمریز بھی آ گیا۔ اس نے دو میزیں باہر نکالیں اور لگا دیں۔ وہ شام کی چائے کی تیاری تھی۔

نوریز اور آبیہ بھی آنا چاہتے تھے، لیکن ارجمند نے بڑی سختی سے منع کر دیا۔

"ان کی تو کل دعوت ہے ہمارے ہاں......! اس سے پہلے انہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔"

اس پر حمیدہ نے کہا تھا۔

"نکی......! تو کتنی عقل مند ہے۔"

اب حمیدہ، ارجمند اور رابعہ گیلری میں بیٹھی تھیں۔ رابعہ تو سحر زدہ سی تھی۔

"کتنی خوب صورت ہے یہ جگہ......!"

اس نے کہا۔

"ابھی تم نے خوب صورتی کہاں دیکھی ہے......؟"

حمیدہ بولی۔

"تھوڑی دیر بعد دیکھنا......!"

تھوڑی دیر بعد جیناں انہیں بلانے کے لئے آ گئی۔

"چائے باہر لگا دی ہے بڑی بیگم صاحبہ......!"

اور جب وہ عقبی احاطے کی طرف کھلنے والے دروازے پر پہنچیں تو رابعہ کو خوب صورتی کا چیلنج دینے والی حمیدہ خود مبہوت ہو کر رہ گئی۔ وہ منظر تو اس کے تصور سے بالکل مختلف تھا۔

وہ دروازے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

"کیا ہوا دادی اماں......؟"

ارجمند نے گھبرا کر کہا۔

"نکی......! یہ سب...... یہ...... یہ......"





حمیدہ سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

ارجمند نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا اور وہ سمجھ گئی۔ موسم سرما اور برف باری کے دنوں میں عقبی احاطے کے منظر کو تصور میں رکھ کر خود اس نے جب یہ منظر دیکھا تھا، تو وہ خود بھی بُت بن کر رہ گئی تھی۔ اس وقت وہ نارمل تھی تو صرف اس لئے کہ وہ پہلے ہی عقبی احاطے کو دیکھ چکی تھی۔

"یہ...... یہ...... کیسا جادو ہے......؟"

حمیدہ بڑبڑائی۔ اس کی نظریں سامنے کے منظر پر جمی ہوئی تھیں۔

وہاں دُور دُور تک زمین نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ خاردار تاروں کی باڑھ کی طرف بلند و بالا درخت جھوم رہے تھے۔ ٹنڈ منڈ نہیں، ہرے بھرے درخت۔ یہ تو وہ جگہ ہی نہیں تھی۔

"نکی......! وہ وہاں تو وہ برف کا آدمی تھا ناں......؟ اور وہاں میرا گھروندا......؟"

"ہاں اماں......!"

"وہ کہاں گئے......؟ یہ کیا جادو ہے......؟"

حمیدہ کچھ سنبھل گئی تھی۔

"یہ دوسرا موسم ہے اماں......!"

"اتنا بڑا فرق......؟ میں تو دو ہی موسم جانتی تھی نکی......! ایک سوکھے کا موسم اور دوسرا بارش کا موسم......!"

"آئیں اماں......! اب آپ نے ہر موسم دیکھ لیا ہے۔"

ارجمند نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ نیچے اُتر کر میزوں کی طرف بڑھیں۔ اسی وقت نورالحق اور ساجد ہاتھوں میں سیب لئے بھاگتے ہوئے آئے۔ ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ بلکہ نورالحق کا چہرہ تو ہیجان سے تمتما رہا تھا۔

اس نے ایک سیب حمیدہ کی طرف بڑھایا۔

"یہ لیں دادی......! یہ ہمارے اپنے باغ کا سیب ہے۔"

اور دوسرا اس نے رابعہ کی طرف بڑھایا۔ پھر اس نے اپنے نیکر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ لیکن اس سے پہلے ہی ساجد ایک سیب ارجمند کی طرف بڑھا چکا تھا۔

"یہ لیجئے چاچی......!"

وہاں ان دونوں کی خوشی اور ہیجان کا سبب کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حمیدہ نے کہا۔

"تو کھانا پتر......!"

اس دوران ساجد اور نورالحق جیبوں سے اور سیب برآمد کر چکے تھے۔

"کیا کہا تم نے......؟ یہ اپنے باغ کا سیب ہے......؟"

ارجمند کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی امی......! اپنے باغ کا۔ وہ اُدھر اپنا باغ ہے۔"

نورالحق نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"کیا واقعی......؟"

ارجمند نے ساجد سے پوچھا۔

"ہاں چاچی......! بہت بڑا باغ ہے سیب کا......!"

"اور تم لوگ یہ درختوں سے توڑ کر لائے ہو......؟"

"جی چاچی......!"

"دھوئے بغیر نہیں کھاتے بیٹے......!"

"دھو لئے ہیں چاچی......!"

"کہاں سے دھو لئے......؟"

"اِدھر...... اِدھر پانی کا چشمہ بھی ہے امی......!"

نورالحق نے ہیجانی لہجے میں کہا۔

تب ارجمند کو چشمے کی رل ترل سنائی دی۔ اسے اب بھی یہ سب خواب لگ رہا تھا۔

اُدھر بات حمیدہ کی سمجھ میں بھی آ گئی تھی۔ وہ زیرلب "تیرا شکر ہے ربا......!" کی گردان کئے جا رہی تھی۔

اتنی دیر میں دوسری طرف سے عبدالحق اور زبیر بھی آ گئے۔ شیر خان بھی ان کے ساتھ تھا۔

اب ارجمند پر بھی ہیجانی خوشی طاری ہو گئی تھی۔

"یہ...... کیا یہ سچ ہے آغا جی......؟"





"کیا......؟ کس بارے میں پوچھ رہی ہو تم......؟"

"یہ چشمہ......؟ سیب کا باغ......؟"

وہ جوش میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔

عبدالحق نے کندھوں پر دباؤ ڈال کر اسے بٹھا دیا۔

"سکون سے چائے پلاؤ اور خود بھی پیؤ......! پھر یہ دونوں تمہیں دکھانے کے لئے لے جائیں گے۔"

"لیکن پھر شام ہو جائے گی۔ اندھیرا ہو جائے گا۔ دیکھیں ناں......! پانچ بجنے والے ہیں۔"

"یہ موسم گرما ہے ارجی......! سورج غروب ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔"

ارجمند بیٹھ گئی۔ مگر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چشمے کی طرف دوڑ لگا دے۔

چائے پینے کے بعد مرد اُٹھ گئے۔

"ہمیں کچھ کام نمٹانے ہیں۔"

عبدالحق نے کہا۔ پھر وہ ساجد اور نورالحق کی طرف مُڑا۔

"تم دونوں ان لوگوں کو سیر کرا دو یہاں کی، اور ہاں......! مغرب سے پہلے واپس آ جانا......!"

"جی......! ٹھیک ہے......!"

❀❀❀

حمیدہ تو چشمے پر فدا ہو گئی تھی۔ وہ پانی میں ہاتھ ڈالے بیٹھی تھی۔

"ہائے ربا......! ایسے دھرتی سے پانی بھی پھوٹتا ہے کوئی......؟"

رابعہ کی بھی کم و بیش یہی کیفیت تھی۔ پہلے حمیدہ اور پھر دونوں لڑکے مرکزِ نگاہ بن گئے تھے۔ اس کی طرف کسی نے توجہ ہی نہیں دی تھی۔ لیکن احاطے پر نظر پڑتے ہی وہ حمیدہ کی بات پر ایمان لے آئی تھی کہ ابھی اس نے خوب صورت دیکھی ہی کہاں ہے......؟

وہ سحر زدہ سی اس منظر کو دیکھتی رہی تھی، جو اسے حقیقت کے بجائے تصویر لگ رہا تھا۔ لڑکوں کی باتیں اور سیب کا تذکرہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ اس نے تو چائے بھی ایسے ہی پی تھی کہ ذائقے کا پتا نہیں چلا تھا۔

اور اسے نہیں معلوم تھا کہ ابھی دیکھنے کو اور بھی بہت کچھ ہے۔

"ہاں اماں......! اور اتنا ٹھنڈا، آئینے جیسا پانی، دیکھو تو اماں......! اس میں آسمان صاف نظر آ رہا ہے۔"

حمیدہ نے چلّو میں پانی لیا اور چہرے پر چھپکا مارا۔

"جی خوش ہو گیا، ربّا......! تیرا شکر ہے۔"

رابعہ نے چلّو میں پانی لے کر پیا۔

"بہت میٹھا پانی ہے اماں......! کیا یہ جنت ہے......؟"

حمیدہ نے بھی پانی پیا۔

"واقعی......! شہد جیسا پانی ہے۔"

"اب باغ دیکھنے چلیں......؟"

نورالحق بے تاب ہو رہا تھا۔

"ذرا رک جا پتر......! تھوڑی دیر بیٹھنے دے۔"

حمیدہ نے کہا۔ پھر لڑکے ہر دو منٹ بعد اصرار کرنے لگے۔ ان لوگوں کا وہاں سے اُٹھنے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا، لیکن لڑکوں نے کان کھا لئے۔ وہ ان کے ساتھ باغ کی طرف چل دیں۔

باغ بہت خوب صورت اور مرتب تھا۔ قطار میں درخت، اور درختوں کے درمیان ایک جیسا فاصلہ، پھلوں سے لدے درخت کی اپنی ہی شان ہوتی ہے۔ یہاں تو پھلوں سے لدا ہوا پورا باغ تھا۔

"یہ ہمارا اپنا ہے......؟"

رابعہ کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ......! یہ اللہ کا فضل اور اس کی عطا ہے۔"

ارجمند نے جلدی سے کہا۔

"بے شک......!"

حمیدہ نے تائید کی۔

"مجھے تو دیکھ کر ہی ایسا لگتا ہے کہ میرا پیٹ سیبوں سے بھر گیا ہے۔"

رابعہ نے کہا۔ نورالحق سے رہا نہیں گیا۔



"یہ سب ساجد بھائی کا ہے چاچی......!"

اس نے رابعہ سے کہا۔ رابعہ نے بیٹے کی طرف دیکھا۔ وہ شرمندہ نظر آنے لگا۔

"چاچا جی تو ایسی ہی محبت کرتے ہیں ناں اماں......!"

"ہاں......! آسمان جتنا بڑا دل ہے ان کا۔"

رابعہ نے کہا اور کن اکھیوں سے ارجمند سے کو دیکھا۔ ارجمند نے ساجد کو لپٹا لیا۔

"بہت بہت مبارک ہو ساجد......! جبھی تو مجھے اس سیب کی لذت کچھ زیادہ ہی محسوس ہوئی تھی۔"

اس کے لہجے میں خلوص تھا، محبت تھی۔

"ان کی جگہ نور بی بی ہوتیں تو اس وقت جلی کٹی باتیں کرتیں۔ کا کا سے لڑتیں، انہیں برا بھلا کہتیں۔"

رابعہ نے دل میں سوچا، مگر ارجی بی بی کا دل تو کا کا سے بھی بڑا ہے۔ ان لوگوں نے پورا باغ گھوم پھر کر دیکھا اور بہت خوش ہوئے۔ ساجد اور نورالحق ان کے لئے سیب توڑنا چاہتے تھے، لیکن حمیدہ نے انہیں روک دیا۔

"شام کے وقت پھل نہیں توڑتے بچو......!"

نورالحق نے امداد طلب نظروں سے ارجمند کی طرف دیکھا۔

"دادی نے کہا ہے تو ٹھیک کہا ہے ناں بیٹے......!"

ارجمند بولی۔ مگر حمیدہ تڑپ گئی۔ نورالحق کی بات ٹالنا اسے کہاں گوارہ تھا۔

"بہت جی چاہ رہا ہے تو دو چار سیب توڑ لے پتر......!"

"نہیں دادی......! میں تو آپ کے خیال سے کہہ رہا تھا۔"

"کل دوپہر کو کھانے کے بعد آئیں گے، پھر تم سیب توڑنا اور ہم انہیں چشمے کے پانی میں دھوئیں گے، اور مزے سے کھائیں گے۔"

"ٹھیک ہے دادی......!"

وہ لوگ باغ سے نکلے اور چشمے کے پاس جا بیٹھے۔ اس پانی میں ہاتھ ڈالنا حمیدہ اور رابعہ کو خاص طور پر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ مغرب سے ذرا دیر پہلے ہی وہ وہاں سے اُٹھ کر اندر گئے۔ مغرب کے بعد عبدالحق ان لوگوں کو جناح روڈ لے گیا۔ وہ بہت بڑا بازار تھا۔ انہوں نے شاپنگ کی۔ نو بیاہتا جوڑے نوریز اور آبیہ کے لئے مزید کچھ تحفے خریدے گئے۔

رات کو حمیدہ، رابعہ کو اپنے موسم سرما کے گزشتہ قیام کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس کے لہجے میں بچوں کا سا ہیجان تھا اور رابعہ کا منہ ایسے کھلا ہوا تھا جیسے کوئی بچہ پریوں کی کہانی سن رہا ہو۔

''وہ جہاں بیٹھ کر ہم نے چائے پی تھی ناں، وہاں سے دُور دُور تک برف ہی برف تھی رابعہ......!''

حمیدہ کہہ رہی تھی۔

''اور برف کی وجہ سے رات کا اندھیرا بھی اندھیرا نہیں لگ رہا تھا۔''

''اللہ......! کیسا لگ رہا ہوگا اماں......؟''

''مجھے تو لگ رہا تھا کہ خواب دیکھ رہی ہوں۔''

''پر اماں......! سردی کتنی ہوگئی ہوگی......؟''

''برف گرنے کے دوران سردی بالکل نہیں ہوتی۔''

حمیدہ نے کہا۔

''پھر برف باری رُکنے کے بعد جب ہوا چلتی ہے تو ایسی سردی ہوتی ہے کہ......''

حمیدہ نے آنکھیں بند کرلیں، جیسے یاد کررہی ہو۔

''ایسی سردی کبھی نہیں دیکھی میں نے۔ جسم کے اندر تک سردی لگتی ہے۔''

رابعہ نے جھرجھری لی۔

''اور پتا ہے، عبدالحق اور نکی نے مل کر وہاں برف کا آدمی بنایا تھا۔''

حمیدہ بولے جارہی تھی۔

''برف کا آدمی......!''

رابعہ نے بے یقینی سے دُہرایا۔

''ہاں......! میں نے برف کا گھروندا بنایا تھا، اور ان کا برف کا آدمی دُور سے سچ مچ کا لگتا تھا۔ نکی نے اسے عبدالحق کا کوٹ بھی پہنایا تھا، اور سر پر ٹوپا بھی رکھا تھا، انگریزوں والا۔''

''کاش......! میں بھی ہوتی آپ لوگوں کے ساتھ۔''

''اب کی سردیوں میں آجائیں گے۔''

ارجمند نے اسے دلاسا دیا۔

''ارے......! تو نے تصویریں نہیں دیکھیں رابعہ......؟''



حمیدہ نے پوچھا۔

''عبدالحق نے اور نکی نے بہت تصویریں بنائی تھیں۔''

''نہیں اماں......! میں نے تو نہیں دیکھیں۔''

رابعہ نے جواب دیا۔ حمیدہ نے وضاحت طلب نظروں سے ارجمند کو دیکھا۔

''لاہور پہنچ کر دکھادوں گی اماں......! الماری میں رکھی ہیں۔''

رابعہ کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر اس نے حمیدہ سے کہا۔

''ایک بات بتاؤ اماں......! یہ جگہ ہے ہی بہت خوب صورت، پر پچھلی بار زیادہ خوب صورت لگی تھی تمہیں یا اس بار......؟''

جواب میں حمیدہ بھی سوچ میں پڑگئی۔ مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پارہی تھی۔

''یہ تو بہت مشکل سوال ہے رابعہ......! بات یہ ہے کہ وہ خوب صورتی اپنی جگہ تھی، اور یہ اپنی جگہ ہے۔''

''اگلی برف باری میں خود ہی دیکھ کر لیجیے گا۔''

ارجمند نے کہا۔

❀❀❀

نسیمہ اور اس کی بچیاں مری میں اب تک مہمان کی حیثیت سے رہ رہی تھیں۔ لیکن اگلے روز نوریز اور آبیہ کی دعوت ہوئی تو وہ میزبان بن گئی۔ کیونکہ نوریز کے گھر والوں کی حیثیت بھی اس روز مہمان کی تھی۔ کھانا تو ارجمند نے ہی پکایا۔ وہ لوگ اس کا ہاتھ بٹاتی رہیں۔ پھر کھانا سرو کرنے میں انہوں نے بہت محنت کی۔

ویسے یہاں انہوں نے مالکوں سے فاصلہ رکھا تھا۔ ایسا بھی نہیں کہ وہ گھومی پھری نہ تھیں۔ انہوں نے چشمہ بھی دیکھا اور باغ بھی، لیکن جیناں اور فاطمہ کے ساتھ۔ عبدالحق نے انہیں کچھ شاپنگ کے لئے پیسے دیئے تھے۔ وہ شمریز اور فاطمہ کے ساتھ بازار گئی تھیں۔ سیب البتہ انہوں نے جی بھر کر کھائے تھے۔

دعوت میں ارجمند نے بہت اہتمام کیا تھا۔ سب بہت خوش ہوئے۔ پھر تحفوں کا دور چلا۔ نوریز کے سب گھر والوں کے لئے کئی کئی تحفے لئے گئے تھے۔ سب ہی بہت خوش تھے۔

اگلے دو دنوں میں جائیداد کی ساجد کے نام منتقلی کی کارروائی مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد

زبیر کی بے چینی بڑھ گئی۔ عبدالحق نے محسوس کر لیا کہ اب وہ محض اس کے لحاظ میں رُکا ہوا ہے۔ دوسرے لوگ ابھی جانے کے موڈ میں نہیں تھے۔ چنانچہ اس نے زبیر کو جانے کی اجازت دے دی۔ زبیر کے ساتھ نسیمہ اور اس کی بچیاں بھی لاہور چلے گئے۔

ان لوگوں نے وہاں ایک ہفتہ اور گزارا۔ پھر زبیر کا فون آیا۔ اس نے ایک اندوہ ناک خبر سنائی۔ اسے خود بھی بہت دیر سے پتا چلا تھا۔ منصور تو فوری طور پر اطلاع دینے کے لئے آئے تھے، مگر وہاں مالی اور چوکیدار کے سوا کوئی نہیں تھا، اور منصور کے پاس ان سے رابطے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا۔ پھر اب منصور دوبارہ اطلاع دینے آئے تھے اور اس بار ان کی زبیر سے ملاقات ہوگئی تھی۔

مسعود صاحب کا انتقال ہوگیا تھا۔ جو دُنیا میں آیا ہے، اسے جانا بھی ہے۔ اس اٹل حقیقت کے باوجود آدمی کو دُکھ تو ہوتا ہے۔ عبدالحق کا تو ان سے بہت گہرا تعلق تھا۔ وہ اس کے لئے بزرگ تھے، ہر قدم پر اس کی مدد اور راہنمائی کرتے تھے۔ ان سے بہت کچھ سیکھا تھا اس نے۔

سو لاہور واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔

❀❀❀

منصور عبدالحق سے لپٹ کر رونے لگا۔

''خود کو سنبھالیں منصور میاں......!''

عبدالحق نے شفقت سے اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔

''اب تو سنبھل گیا ہوں بھائی جان......! بس آپ کو دیکھ کر پھر سے بچہ بن گیا۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں رہا بھائی جان......! میں تو بالکل اکیلا ہوگیا۔''

''بھائی جان کہتے ہو، اور پھر اکیلے پن کی بات کرتے ہو......؟''

''معاف کر دیں بھائی جان......! آپ کو دیکھ کر تو تنہائی کا احساس دُور ہوا ہے، حوصلہ ملا ہے مجھے۔''

وہ اسے اندر لے گیا، لیکن ڈرائنگ روم میں نہیں، مسعود صاحب کے کمرے میں۔ وہاں منصور کے بچے موجود تھے، چپ چپ، اُداس اُداس، وہ اپنے شفیق دادا کو وہاں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔

بچے بہت سنجیدہ ہوگئے۔ انہوں نے اسے سلام کیا، ہاتھ ملایا اور کمرے سے



''ابا جان کی زندگی میں بچوں کو یہاں آنے کی اجازت نہیں تھی۔''

منصور نے کہا۔

''لیکن جاتے وقت وہ یہ پابندی ہٹا گئے۔''

''یہ کب کی بات ہے منصور میاں......؟''

عبدالحق نے پوچھا۔

''تین ہفتے...... بیس دن ہوئے ہیں بھائی جان......!''

''مجھے بہت افسوس ہے منصور میاں......! اس وقت میں، جب تمہیں مری سب سے زیادہ ضرورت تھی، میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکا۔''

''ایسا نہ کہیں بھائی جان......! میں سمجھتا ہوں۔ یہ تو نصیب کی بات ہے، اور اللہ کا حکم......!''

''ٹھیک کہتے ہو منصور میاں......! میں تو خود محروم رہ گیا۔ نہ ان کا آخری دیدار کر سکا، نہ ان کے جنازے کو کندھا دے سکا۔ تمہارا دُکھ بانٹنا تو بہت دُور کی بات ہے۔ میں تو ان کا دُکھ [illegible] نہ کر سکا۔''

عبدالحق کے آواز بھرا گئی۔

''بس بھائی جان......! سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

اسی وقت مسعود صاحب کی بہو اس کے لئے چائے لے آئی۔ چچی جان تو عدت میں تھیں۔ عبدالحق نے جلدی سے چائے کی پیالی خالی کر دی۔

''میں جانتا ہوں بھائی جان......! کہ آپ سے بڑھ کر کوئی بھی ابا جان کے قریب نہ تھا۔ وہ سب سے زیادہ آپ کو چاہتے تھے۔ مجھ سے ہمیشہ کہتے کہ عبدالحق میاں تمہارے بڑے بھائی ہیں، اور میرے بعد تمہارے لئے میری جگہ وہی ہوں گے۔''

یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگا۔

''اور یقین کرو منظور میاں......! ایسا ہی ہے۔''

عبدالحق نے کہا۔

''میں انشاء اللہ ایسا ہی ثابت ہوں گا۔''

عبدالحق نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ وہی

کتابیں، وہی ماحول، لیکن کمرہ غیر آباد لگ رہا تھا۔ مکان بھی تو اپنے مکینوں کا غم کرتے ہیں۔
صاحب کا کمرہ بھی سوگوار لگ رہا تھا۔

منصور اُٹھ کر میز کی طرف بڑھا۔ وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔
اس نے عبدالحق کی طرف بڑھایا۔

''ابا جان کے انتقال کے بعد ہم نے اس کمرے کا جائزہ لیا۔ میز کی دراز میں
لفافے تھے۔ ایک آپ کے اور دوسرا میرے نام۔ یہ آپ کی امانت ہے۔''

عبدالحق نے لفافے کو دیکھا، اس پر لکھا تھا۔

''بیٹے عبدالحق کے لئے......!''

''مجھے چند منٹ کی اجازت دیں گے بھائی جان......! میں ابھی آیا۔''

منصور نے کہا۔ اس لمحے عبدالحق کو اس پر بہت پیار آیا۔ وہ باپ کا الوداعی خط پڑھنے
کے لئے اسے تنہائی فراہم کر رہا تھا۔

''ضرور منصور میاں......!''

منصور کے جان کے بعد اس نے لفافہ چاک کیا۔ اندر سے ایک خط برآمد ہوا۔ اس
نے تہ کئے ہوئے خط کو کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔

''بیٹے عبدالحق......!

السلام علیکم......!

یہ خط تمہارے ہاتھوں میں اور اس کا مطلب ہے کہ میں اب اس دُنیا
میں نہیں ہوں۔ تمہیں حیرت ہوگی کہ مجھے یہ خط لکھنے کی ضرورت کیوں
پیش آئی......؟ جبکہ میں ہر چھوٹی بڑی بات پر تم سے تبادلۂ خیال کر لیا
کرتا تھا۔ لیکن خط پڑھ لو گے تو حیرت نہیں رہے گی۔ میں نے تم سے کہا
تھا ناں کہ بہت سی باتیں آدمی خود سے بھی کرتے ہوئے جھجکتا ہے۔

یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ میرے بے شمار شاگرد ہیں۔ لیکن ان
میں ایک تم ہی ہو، جسے میں نے بیٹے کا درجہ دیا۔ اب سمجھ میں آتا ہے
کہ یہ بے لوث محبتیں اللہ ہی عطا فرماتا ہے۔ وہی لوگوں کو ایک
دوسرے سے ملاتا ہے۔

تمہیں یاد ہوگا کہ کچھ ہی دن پہلے میری تم سے بہت طویل اور تفصیلی



گفتگو ہوئی تھی، دُعاؤں کے بارے میں۔ میرے لئے وہ بہت بڑی
اُلجھن تھی، اور میں اس پر صرف تم سے بات کر سکتا تھا۔ اللہ کے فضل
و کرم سے تم ہی اس سلسلے میں میری راہنمائی کر سکتے تھے، اور الحمدللہ
ایسا ہی ہوا۔

تم نے میرے ساتھ وہ سب کچھ شیئر کیا، جو شاید کبھی کسی کے ساتھ
نہیں کیا تھا۔ میں اس پر تمہارا شکر گزار ہوں۔ سوائے اس ایک بات
کے جو بقول تمہارے کسی کو بھی نہیں بتائی جا سکتی۔

مجھے شرمندگی تھی اور وہ یہ کہ میں نے جس بات کی وجہ سے تم سے وہ
گفتگو کی، وہ بات تمہیں نہیں بتا سکا۔ مگر مجبوری تھی۔ بتاتا تو اور زیادہ
شرمندگی ہوتی۔ لیکن بتانا بہت ضروری تھا۔ بتانا مجھ پر فرض تھا اور اس
بات کے بارے میں جاننا تمہارا حق۔ یہ سوچ کر وہ سب کچھ اس خط
میں لکھ دیا۔ یہ خط میرے مرنے کے بعد تمہیں ملے گا۔ یوں تمہارا حق
بھی ادا ہو جائے گا اور مجھے شرمندگی بھی نہیں ہوگی۔

میں نے تم سے پوچھا اور تم نے مجھے بتایا کہ بندے کو اللہ سے کس
طرح کی دُعائیں کرنے کا حق نہیں ہے......؟ اس سے میرا ذہن خوب
کھلا۔ اللہ نے جو نظام قائم فرمایا ہے، اس کے خلاف دُعا نہیں کرنی
چاہئے۔ مثلاً سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی دُعا۔ ایک بات
میری سمجھ میں آئی۔ دُعا آدمی اپنے لئے، اپنے بیوی بچوں، رشتہ
داروں، اپنے دینی بھائیوں یا تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کرتا
ہے یا ان کو کسی برائی، ضرر یا نقصان سے بچانے کے لئے۔ اور سورج
کے طلوع و غروب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ دُنیا کے نظام میں خلل
پڑنے سے تو انسان اور انسانیت کا کوئی نہ کوئی نقصان ہی ہوگا۔

ایک اور زاویہ یہ بھی میرے ذہن میں آیا۔ دُعا اللہ کی طرف سے ہوتی
ہے۔ اللہ کے اذن سے ہی ہوتی ہے۔ انسانی تاریخ اس کی گواہ ہے۔
آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی، وہ شرمندہ اور نادم ہوئے۔ لیکن اظہار
نہیں آتا تھا۔ اللہ نے مدد فرمائی اور توبہ عطا فرمائی۔ شاید یہی دُعا کا

آغاز تھا۔ اس لحاظ سے پہلی دُعا توبہ اور استغفار کی ہی تھی۔

پھر ہم قرآن میں دیکھتے ہیں کہ اللہ نے پیغمبروں کو دُعائیں عطا فرمائیں اور انہیں قرآن میں ذکر فرمایا۔ تاکہ عام بندے بھی ان سے استفادہ کریں۔ مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کو آیتِ کریم عطا ہوئی۔ لیکن قرآنِ حکیم میں عام بندوں کی دُعائیں بھی ہیں۔ ان میں دُنیا کے لئے دُعائیں بھی ہیں اور آخرت کے لئے بھی۔

اور اللہ نے معجزے بھی دکھائے۔ لیکن آدمی تو ہر چیز کو اپنی ہی مرکزیت، اپنے ہی ذہن کے مطابق دیکھتا اور سمجھتا ہے، تو معجزوں نے جہاں بے شمار لوگوں کے ایمان کو مستحکم کیا، وہیں بے شمار لوگوں کو بدترین گمراہی میں بھی مبتلا کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے معجزے ہی کو دیکھ لو۔ کچھ کو اللہ کی قدرت پر غیر متزلزل ایمان نصیب ہوا تو بہت سے بدنصیبوں نے اسے اللہ کے لئے بہتان بنا کر شرکِ عظیم کا ارتکاب کیا۔ یہ اپنے اپنے خمیر کی بات ہے، اور اللہ اپنے ہر بندے کو جانتا ہے۔ اسی لئے تو ہر معجزہ درحقیقت انسانوں کی آزمائش ہے۔ اللہ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی فرمائش پر آسمان سے خوانِ نعمت اُتارا تو انہیں خبردار کر دیا کہ اس معجزے کے بعد ان میں سے کوئی ایمان کا کچا ثابت ہوا تو اسے وہ سزا ملے گی، جو دُنیا میں کسی کو نہیں ملی ہوگی۔ یعنی یہ تنبیہ ہے کہ آدمی معجزوں کی دُعا نہ کرے کہ وہ اس کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

اللہ نے کم از کم دو پیغمبروں کو اس عالم میں اولادِ نرینہ سے نوازا کہ وہ دونوں ضعیف تھے اور ان میں سے ایک کی بیوی بانجھ اور ضعیف اور دوسرے کی بیوی ضعیف۔ ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے حضرت زکریا علیہ السلام۔ لیکن دونوں میں ایک فرق تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے بغیر مانگے بیٹا عطا فرمایا۔ جب فرشتوں نے یہ خوش خبری سنائی تو حضرت سارہ بے یقینی سے ہنس دیں کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے......؟ اس پر فرشتوں نے کہا کہ اللہ جو چاہے،



ہو سکتا ہے اور ہو کر رہتا ہے۔

یہ بہت اہم پیغام تھا کہ اللہ جو چاہے، وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا عطا فرمایا، جیّد پیغمبر، جس کی پشت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیاء اور پیغمبر پیدا ہوئے۔ کتنی بڑی عطا تھی۔ لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ عطا کس کے لئے تھی......؟ ابراہیم خلیل اللہ کے لئے، جو اللہ کی محبت میں اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ حضرت بی بی مریم ان کے زیرِ کفالت تھیں۔ آپ علیہ السلام جب بی بی مریم کے حجرے میں جاتے تو وہاں انواع و اقسام کی نعمتیں موجود پاتے۔ پوچھتے کہ یہ کہاں سے آئیں تو جواب ملتا، یہ میرے ربّ کی عطا ہے۔ وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔

ان نعمتوں میں بے موسم کے پھل ہوتے تھے۔ انہیں دیکھ کر زکریا علیہ السلام نے سوچا ہوگا کہ اللہ نے ہر پھل کے لئے ایک موسم مقرر کیا ہے۔ کوئی پھل اپنے موسم کے بغیر نہیں آتا۔ لیکن بی بی مریم کو وہ پھل اس کے موسم کے بغیر بھی عطا فرماتا ہے، اور وہ بھی مانگے بغیر۔

میں سوچتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظیر حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ اس کے حوالے سے وہ اپنے لئے دُعا کر سکتے تھے۔ لیکن شاید خشیت الٰہی کی وجہ سے ہمت نہیں ہوتی ہوگی۔ بی بی مریم کے پاس بے موسم کے پھل دیکھ کر سوچا ہوگا کہ انہیں اللہ مانے بغیر بے موسم کے پھل عطا فرماتا ہے تو ممکن ہے کہ مانگنے پر انہیں بھی مل جائے۔

اولاد بھی پھل ہے، اور اس کا بھی موسم ہوتا ہے۔ جب تک مرد ضعیفی کو نہ پہنچ جائے اور عورت کی زرخیزی بھی برقرار رہے، اولاد کا موسم رہتا ہے۔ وہ عوامل موجود نہیں تھے۔ اس لئے ان کے نزدیک اولاد بھی بے موسم کا پھل تھا۔

سو انہوں نے دُعا مانگی۔ اور کیونکہ اللہ بندوں سے کلام نہیں کرتا، انہوں نے دُعا کی قبولیت کی نشانی کی التجا کی۔ وہ اللہ نے عطا فرمائی، اور پھر اپنی خاص رحمت سے اولادِ نرینہ بھی۔ اور یہی نہیں، اللہ نے خود ان کے اس بیٹے کا نام تجویز فرمایا، جو پہلے کبھی کسی کا نہیں رکھا گیا تھا، یحییٰ......!

تو میں نے دیکھا کہ دُعا کے معاملے میں پیغمبر بھی محتاط رہتے ہیں۔ ہم عام بندوں کی تو اوقات ہی کیا ہے......؟ میں سوچتا تھا کہ دُعا مشیت کے خلاف نہ ہو۔ مگر مشیت کا کسے علم......؟ وہ تو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اور وہ نیتوں کا حال بھی جانتا ہے۔ تو بے خبری میں ایسی ویسی دُعا پر بھی وہ بخش دے گا۔

پھر بھی ڈر لگتا تھا۔ تو میں نے تم سے بات کی اور مجھے بہت کچھ حاصل ہوا۔ بہت کچھ سیکھا میں نے۔ بنیادی بات تو یہی ہے کہ دُعا بندگی ہے۔ لیکن دُعا کے بھی آداب ہیں۔ اللہ کو ناراض کرنے والی ہر دُعا سے اللہ اپنے ہر بندے کو محفوظ رکھے۔

میں نے اس پہلو پر بھی سوچا تھا کہ دُنیا کو اللہ نے اسباب کا کارخانہ بنایا ہے۔ اپنی مشیت پر عمل درآمد کے لئے بھی وہ اسباب یکجا فرماتا ہے۔ میں نے سوچا کہ ایسا تو نہیں کہ کبھی دُعا بھی مشیت کے اسباب میں شامل ہو۔ دُعا اللہ ہی کی طرف سے تو ہوتی ہے۔ لیکن ہمیشہ تو ایسا نہیں ہوتا ہوگا۔ شاید اضطراری دُعاؤں میں تو بالکل ایسا نہیں ہوتا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اضطراری کیفیت میں اللہ سے اپنے بیٹے کو عذاب سے بچانے کی دُعا کی تو اللہ نے آپ علیہ السلام کو تنبیہ فرائی۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے جو عرض کی، وہ تم نے مجھے بتائی۔ وہ بہت بڑی نعمت تھی۔ میں نے سوچ لیا کہ کتنی ہی دُعائیں کی جائیں، آخر میں وہ ضرور پڑھ لی جائے۔

رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَالَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ۝ وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝



اس سے مجھے اطمینان ہوگیا۔

میں جو دُعا کرنا چاہتا تھا، جانتا تھا کہ وہ میری اوقات سے بہت بڑھ کر ہے۔ تمہاری یہ بات بھی دل کو لگتی تھی کہ جب دینے والا اللہ ہے، جس کے قبضۂ اختیار سے باہر کچھ ہے ہی نہیں، تو بندہ کچھ بھی مانگ لے، وہ اس کی اہلیت سے بڑھ کر ہوا، تب بھی اللہ چاہے گا تو اہلیت عطا فرما دے گا۔ مگر دل مطمئن نہیں ہوتا تھا۔

بہرحال سورۂ ھود کی اس آیتِ مبارکہ کی آگہی کے بعد میرے دل نے مان لیا کہ میں وہ دُعا کرسکتا ہوں اور میں وہ دُعا کرنے لگا۔

تمہارا حق تھا کہ میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں۔ اور تم سے کیا پردہ......؟ تم سے تو میں بہت ذاتی باتیں بھی شیئر کرسکتا ہوں۔ لیکن کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جو خود سے بھی نہیں کی جاسکتیں۔

میں تمہیں روبرو بیٹھ کر نہیں بتا سکتا تھا۔ اس لئے لکھ کر بتا رہا ہوں۔ مگر پہلے تمہیں اس کا پس منظر بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس دُعا کا خیال مجھے کیوں آیا......؟

میں نے تفسیر میں پڑھا کہ آدمی کے لئے فیصلہ کن آخری لمحہ ہوتا ہے۔ کوئی پوری زندگی ایمان پر گزارتا ہے اور آخری لمحے میں بھٹک جاتا ہے تو پوری عمر رائیگاں۔ اور کوئی عمر بھر گناہوں میں بسر کرتا ہے، لیکن آخری لمحے میں اللہ کی رحمت اس پر مسکراتی ہے، اور انجام بخیر......!

اس بات نے مجھے ڈرا دیا۔ میں نے موت کا اذیت کے بارے میں پڑھا ہے کہ روح نکالے جانے کی تکلیف کیسی ہوتی ہے، جیسے نرم و نازک، ملائم کپڑا خاردار جھاڑی پر ڈال دیا گیا ہو، اور اب اسے نرمی سے نہیں، بلکہ کھینچ کر نکالا جا رہا ہو۔ اور میں سوچتا کہ اے اللہ......! مجھے تو معمولی سی چوٹ لگ جائے تو اس تکلیف کے سوا کسی بات کا خیال ہی نہیں رہتا۔ ذرا سا خوف طاری ہو تو سورۂ فاتحہ بھی بھول جاتا ہوں۔ موت کی تکلیف میں مجھے کلمہ پڑھنا کیسے یاد رہے گا......؟ اس بات کی گواہی دینا کہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ واحد، احد اور یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، کوئی اس کا مثل نہیں، نہ وہ کسی سے ہے، نہ کوئی اس سے ہے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔

اس اذیت میں مجھے کیسے یاد رہے گا یہ تو ممکن ہی نہیں۔ الاّ یہ کہ اللہ چاہے۔ اللہ کی کریمی کے بغیر یہ ممکن ہے ہی نہیں۔''

عبدالحق کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ وہ ضبط کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔ لیکن آنسو بہنے کے لئے بے تاب تھے۔ اس نے اپنی شدت سے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کمرے میں کوئی نہ تھا۔ منصور میاں عقل مند تھے۔ انہوں نے سوچ سمجھ کر کمرے میں اسے اکیلا چھوڑا تھا۔

اس نے آنسوؤں کو آزاد چھوڑ دیا۔ تب اسے پتا چلا کہ وہ تو سیلاب کو روکے بیٹھا تھا، اور سیلاب آجائے تو آسانی سے کب رُکتا ہے......؟

دیر تک وہ روتا رہا۔ وہ خوف سے بے حال ہو رہا تھا۔ پہلی بار پوری معنویت اور وضاحت کے ساتھ اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔ اسے صرف یہ خوف ستاتا ہے کہ کہیں اس کا رب اس سے خفا، اس سے ناراض تو نہیں۔ اب مہلت ختم ہو رہی ہے۔ اب کچھ کیا نہیں جا سکتا۔ اللہ اگر اس سے ناراض ہے تو وہ تباہ ہو گیا۔

اور پہلی بار اس کی سمجھ میں آیا کہ آدمی جہاد میں بے خوف کیوں اور کیسے ہو جاتا ہے......؟ اس سے زیادہ مطمئن اور بے خوف کون ہو سکتا ہے جس نے کائنات کے تمام خزانوں کے مالک سے سب سے نفع بخش سودا کر لیا ہو۔ زندگی کا، جان کا سودا، وہ زندگی اور جان جو اپنی ہے بھی نہیں، اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔ اور اس سے اس کے بدل میں اللہ نے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔ اللہ نے جو اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔

کچھ دیر بعد اس کی طبیعت سنبھلی تو اس نے آگے پڑھنا شروع کیا۔

''تب میری سمجھ میں آیا کہ

''اے اللہ......! میرا خاتمہ ایمان پر فرمانا، مجھے نیک اور اپنے پسندیدہ بندوں میں اُٹھانا''

کو سب سے بڑی دُعا کیوں کہا جاتا ہے......؟ میں نے وہ دُعا شروع کی، لیکن نہ جانے کیوں میرا خوف دُور نہیں ہوا۔ دل کو تسلی نہیں ہوئی۔





یہ یقین نہیں ہوتا تھا کہ مرتے وقت مجھے کلمہ شہادت پڑھنا نصیب ہوگا۔ میں اسی فکر میں گھلتا رہا۔ پھر ایک دن مجھے خیال آیا کہ مجھے یہ دُعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ......! مجھ پر کرم فرمایئے......! مجھے اس حال میں مرنا نصیب فرمایئے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں، سجدے میں ہوں، اور اس کے ساتھ ہی اپنی اوقات کا خیال بھی آ گیا اور میں خوف سے شل ہو گیا۔

''چھوٹا منہ بڑی بات......!''

میرے اندر سے کسی نے مجھے جھڑک دیا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اگر یہ دُعا قبول بھی ہو گئی تو بھی اس کا ایمان پر خاتمے کی ضامن ہونا تو ضروری نہیں۔ ہم کیا اور ہماری نماز کیا......؟ نماز ہی کھوٹی ہوئی تو کیا فائدہ......؟

میں پھر کچھ دن فکر مندی سے سوچتا رہا، اور میری سمجھ میں آیا کہ جماعت میں نماز پڑھتے ہوئے آدمی امام کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ یوں اپنی خرابی چھپ سکتی ہے۔

یہ دُعا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں تم سے بات چھیڑی۔ بہت کچھ سمجھا، بہت کچھ جانا اور بہت کچھ سیکھا۔ دل کو اطمینان ہو گیا اور میں یہ دُعا باقاعدگی سے کرنے لگا۔

اللہ تمہیں دونوں جہانوں میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ دُعا کی قبولیت کا کوئی اشارہ تو اب تک نہیں ملا ہے لیکن سوچتا ہوں کہ اگر میری طلب میں شدت اور سچائی ہے تو اللہ ضرور رحم فرمائے گا۔ تم بھی میرے لئے، میری مغفرت کے لئے دُعا کرتے رہنا۔ انشاء اللہ بہتری ہی ہوگی۔ میں اپنے بیوی بچوں اور تمہارے لئے اللہ سے ایمان کی زندگی اور ایمان پر خاتمے کی دُعا کرتا رہا ہوں۔ اللہ میری دُعا بھی قبول فرمائیں گے، انشاء اللہ......!

الوداع بیٹے......!

تمہارا چچا جان......!''

عبدالحق نے وہ خط کئی بار پڑھا۔ پھر منصور بھی آ گیا۔ عبدالحق نے خط کو تہ کر
لفافے میں رکھ دیا۔

"ابا جان نے ایک خط مجھے بھی لکھا تھا۔ ساتھ میں وصیت نامہ بھی تھا۔"

منصور نے کہا۔

"ویسے تو وہ خط بھی وصیت تھا، اس میں ان کی نصیحتیں تھیں۔ انہوں نے لکھا کہ
کمرے کو ایسے ہی آباد رکھا جائے۔ بچوں کو یہاں آنے کی اجازت دی جائے اور گھر کے تمام
خاص طور پر خواتین یہاں نماز پڑھیں اور قرآن اور تفسیر بھی۔ اور مناسب عمر پر بچوں کو بھی نماز
تلقین کی جائے۔"

"اور تمہاری امی جان کیسی ہیں منصور میاں......؟"

"جی ٹھیک ہیں۔ اللہ نے انہیں غیر معمولی صبر عطا فرمایا ہے۔ آپ کو دُعا کہلوائی
انہوں نے۔"

"اس بار تو میں عجیب کیفیت میں تھا۔ اکیلا ہی چلا آیا۔ اگلی بار سب کو لے کر آؤں
انشاء اللہ......!"

"جی ضرور......!"

"اب مجھے یہ بتائیں منصور میاں......! کہ یہ سب کیسے ہوا......؟"

عبدالحق نے کہا۔

"وہ جمعے کا دن تھا۔"

منصور نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں آفس گیا ہوا تھا۔ وہاں مجھے فون پر اطلاع ملی۔ بس بھائی جان......!
گزر گئی مجھ پر۔ میں گھر آیا تو بہنیں، بہنوئی اور دوسرے رشتہ دار آ چکے تھے۔ میں خود آپ کے
پر گیا، مگر وہاں چوکیدار اور مالی کے سوا کوئی تھا ہی نہیں اور رابطے کی کوئی صورت بھی نہیں تھی۔"

"طبیعت خراب ہوئی تھی چچا جان کی......؟"

منصور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نہیں بھائی جان......! بالکل بھی نہیں......! وہ تو جمعہ پڑھنے گئے تھے، جماعت
دوران دوسری رکعت میں وہ دوسرے سجدے میں گئے تو پھر نہیں اُٹھے۔"

عبدالحق کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ذہن شل ہو گیا، آنکھیں جلنے لگیں۔



"سلام پھیر کر ان کے برابر والے نمازیوں نے انہیں ہلایا تو وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔"

منصور کی آواز رُندھ گئی۔ اس بار عبدالحق خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ آنسو اس کی آنکھوں
سے برس رہے تھے۔ اس کی زبان "سبحان اللہ" کی تکرار کر رہی تھی۔ منصور نے کچھ نہیں کہا، خاموش
بیٹھا اُسے دیکھتا رہا۔

عبدالحق سوچ رہا تھا کہ مسعود صاحب اللہ سے کتنا ڈرتے تھے۔ دُعا کرتے ہوئے بھی
ڈرتے تھے۔ اللہ کی ناراضگی کا کتنا خیال تھا انہیں، اور اللہ کو یہ بات بہت پسند ہے۔ تو اللہ نے کیسے
ان کی دُعا قبول فرمالی۔ بے شک وہ تو ہے ہی دُعاؤں کو قبول کرنے والا۔ وہ تو پوری کائنات اُٹھا کر
دے دے تو اس کے خزانوں میں ایک ذرّے کی بھی کمی نہ ہو۔ وہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ کیسا
مہربان ہے، اپنے بندوں پر کرم فرمانے والا۔

بالآخر اس کے آنسو تھم گئے۔

"اللہ نے بڑا نوازا چچا جان کو۔"

اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی بھائی جان......! سبھی یہی بات کہہ رہے تھے۔ اور جنازے میں اتنے لوگ تھے
کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"یہ سب اللہ کے ہاں مقبولیت کی دلیل ہے۔"

عبدالحق نے کہا اور اپنا خط اس کی طرف بڑھایا۔

"اسے بھی پڑھ لو......!"

منصور جھجکنے لگا۔

"لیکن بھائی جان......! یہ ذاتی ہے، ورنہ ابا جان نے اس پر خاص طور پر آپ کا نام
لکھا ہوتا۔"

"تمہارے لئے ضروری ہے۔ تاکہ تم جان لو اور عمر بھر خیال رکھو کہ تم کس بات کے
لئے ہو۔ ویسے بھی تم میرے بھائی ہو۔"

منصور نے لفافے سے وہ اوراق نکالے۔ عبدالحق اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اب میں چلتا ہوں۔"

"بیٹھیں ناں بھائی جان......!"

"میں چاہتا ہوں کہ تم یہ خط اکیلے میں پڑھو۔ اس کے بعد چاہو تو چچی جان کو بھی

پڑھوا دینا۔ یہ خط تمہارے پاس میری امانت ہے۔ اگلی بار آؤں گا تو لے لوں گا۔ لیکن تم اس کی کا
اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔"

"شکریہ بھائی جان......!"

عبدالحق دروازے کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے منصور نے اسے پکارا۔ اس نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ابا جان نے آپ کے لئے کچھ چھوڑا ہے۔ اپنی وہ امانت لیتے جائیے۔"

منصور نے کہا۔ پھر وہ میز کی طرف بڑھا اور اس پر رکھا ہوا ایک تھیلا اُٹھا کر عبدالحق کی طرف آیا۔

"یہ لیجئے......!"

عبدالحق نے وہ لے لیا۔

"اس میں ابا جان کی خاص جاء نماز اور تسبیح ہے۔ ابا جان نے تاکید کی تھی کہ یہ دونوں چیزیں آپ کو دے دی جائیں۔"

عبدالحق کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔ وہ تو اس کے لئے بہت بڑی دولت تھی۔ مسعود صاحب کے تُرکے میں سب سے قیمتی چیزیں۔ وہ واقعی اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ منصور اسے رُخصت کرنے باہر تک آیا۔

❀❀❀

جانے کیوں ان کا حق نگر جانا بار بار ٹل جاتا تھا۔

عبدالحق بہت بے تاب ہو رہا تھا۔ خاص طور پر مولوی مہر علی اسے بڑی شدت سے یاد آ رہے تھے۔ لیکن ابھی وہ لاہور میں کم از کم ایک ماہ گزارنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ منصور میاں کے لئے زندگی نارمل ہو جائے، پھر حق نگر جائے۔

وہ سب لوگوں کو تعزیت کے لئے مسعود صاحب کے گھر لے گیا تھا۔ چچی جان ارجمند اور اماں سے مل کر خاص طور پر بہت خوش ہوتی تھیں۔ اور نورالحق کو بھی وہ بہت پیار کرتی تھیں۔

انہوں نے معمول بنا لیا کہ ہفتے میں دو بار ان کے پاس ضرور جاتے تھے۔

مگر ایک ماہ پورا ہونے سے چند دن پہلے ہی حق نگر سے فون آ گیا۔ مولوی صاحب کی طبیعت بہت خراب تھی، اور وہ اس سے ملنا چاہتے تھے۔ وہ بار بار کہتے تھے کہ پتر عبدالحق کو بلا دو۔



عبدالحق نے اس سلسلے میں حمیدہ سے بات کی۔ حمیدہ سوچ میں پڑ گئی۔

"وہاں جانا بھی ضروری ہے۔"

بالآخر اس نے کہا۔ لیکن اس کے لہجے میں تردّد تھا۔

"کوئی رکاوٹ ہے اماں......؟"

عبدالحق نے اس سے پوچھا۔

"مجھے بھابی کا خیال ہے۔"

حمیدہ کا اشارہ چچی جان کی طرف تھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ عدت تک باقاعدہ ان کے پاس جاتی رہوں۔"

"تو پھر......؟"

عبدالحق اُلجھ گیا۔

"ایسا کر پتر......! کہ مجھے یہیں چھوڑ جا۔ دیکھو ناں، تیرا جانا تو ضروری ہے۔"

عبدالحق نے ارجمند سے بات کی۔ اس کا دل تو چاہ رہا تھا حق نگر جانے کو، لیکن اس نے بھی حمیدہ کی تائید کی۔ لیکن پہلی بار ایسا ہوا کہ زبیر بھائی ڈٹ گئے۔ اس وقت وہ سب رات کا کھانا کھا کر بیٹھے تھے۔ عبدالحق نے زبیر بھائی کو بتایا تو وہ کہنے لگے۔

"نہیں کاکا......! میں تو چاہتا ہوں کہ سبھی چلیں۔"

سب نے حیرت سے زبیر کو دیکھا۔ وہ تو کبھی کسی بات پر اصرار کرتا ہی نہیں تھا۔

"میرے نہ جانے سے کیا فرق پڑے گا زبیر......؟"

حمیدہ نے کہا۔

"بہت فرق پڑے گا اماں......!"

"پر کچھ سمجھا تو سہی......!"

"میرے سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آئے گا اماں......! دیکھو گی تو خود ہی کہو گی کہ ہاں......! آنا ضروری تھا۔"

کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

"میں تو کب سے اس دن کی راہ دیکھ رہا تھا۔"

"مجھ سے زیادہ نہیں زبیر بھائی......! میں تو بہت پہلے جانا چاہتا تھا۔ لیکن آپ ہی مجھے روکتے رہے۔"

عبدالحق کے لہجے میں شکایت تھی۔

''اس کی وجہ تھی ناں کاکا......!''

عبدالحق کو یاد آیا کہ زبیر نے کسی سرپرائز کی بات کی تھی۔

''تو میں تو جا رہا ہوں ناں......!''

''میں چاہتا ہوں کہ سب چلیں۔''

زبیر نے اصرار کیا۔

''چلیں......! صرف تین دن کے لئے سہی......!''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر حمیدہ نے عبدالحق سے کہا۔

''ٹھیک ہے پتر......! یہ زبیر تو ضد کرنے والا نہیں۔ آج ضد کر رہا ہے تو کوئی بڑی بات ہی ہوگی، اور اس کی ضد پوری کرنے والی ایک میں ہی تو ہوں۔''

''ٹھیک ہے اماں......! لیکن مجھے لگتا ہے کہ مجھے کچھ زیادہ ہی رُکنا ہوگا۔''

''تیری بات اور ہے پتر......!''

یوں ان کی روانگی طے پا گئی۔

❁❁❁

وہ تین گاڑیوں میں تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زبیر نے نسیمہ اور اس کی بیٹیوں کو بھی ساتھ لے چلنے پر اصرار کیا تھا۔ اس کی وجہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی، اور زبیر کسی وضاحت پر آمادہ نہیں تھا۔ پہلی بار وہ سب کے لئے ناقابل فہم ہو گیا تھا۔

تو صورتِ حال یہ تھی کہ عبدالحق کی گاڑی میں نورالحق اور ساجد تھے۔ زبیر کے ساتھ حمیدہ، ارجمند اور رابعہ تھیں، اور نوریز کی گاڑی میں رشیدہ، آبیہ، نسیمہ اور اس کی بیٹیاں تھیں۔

وہ لوگ رات کو لاہور سے روانہ ہوئے تھے۔ صبح سات بجے وہ حق نگر کی حدود میں داخل ہوئے۔ حق نگر کا بازار شروع ہوا تو ذرا آگے کچھ کام ہو رہا تھا۔ آدھی سے زیادہ سڑک رسیوں کے ذریعے بند کر دی گئی تھی۔ کہیں کہیں کھدائی بھی ہوئی تھی اور کچھ فاصلے سے چند Work in Progress کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ تاہم اتنی سڑک کھلی تھی کہ ایک گاڑی آیا جا سکتی تھی۔

وہ کوئی پون میل لمبی سڑک تھی، جو آگے جا کر قدرے خم ہوتی تھی اور اس کے بعد مزید دو میل کے لگ بھگ وہ سڑک تھی۔ اس کے دونوں طرف دُکانیں تھیں۔ انہیں وہاں سے سائیڈ



...پر مُڑنا تھا۔ زبیر سب سے آگے تھا اور عبدالحق سب سے پیچھے۔ زبیر کو یہ بات عجیب سی لگی کہ ...سمت سے کوئی گاڑی نہیں آ رہی ہے۔ لیکن اس نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ وہ تو ان کے ...آسانی ہی تھی۔

مگر جب سڑک خم ہوئی اور آگے کا منظر دکھائی دیا تو اندازہ ہوا کہ صورتِ حال سنگین ...۔ وہاں شاید کوئی ترقیاتی کام ہو رہا تھا۔ زبیر نے گاڑی روکی اور نیچے اُتر کر جائزہ لیا۔ یہ بات تو ...تھی کہ آگے جانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اور مسئلہ یہ تھا کہ گاڑیوں کو موڑنے کی بھی کوئی ...گنجائش نہیں تھی، جبکہ واپس جانا ضروری تھا۔ وہاں سے دائیں جانب جا کر کھیتوں کے درمیان ایک ...راستہ تھا، جس کے ذریعے وہ گھر پہنچ سکتے تھے۔

اُدھر نوریز، عبدالحق، ساجد اور نورالحق بھی اُتر آئے تھے۔

زبیر، عبدالحق کو بات سمجھانے لگا کہ اتنی پریشانی کی بات نہیں۔ ویسے بھی وہ حق نگر ...ایسے واقف تھا، جیسے کوئی اپنے گھر کو جانتا ہے۔

''میری تو ٹانگیں اکڑ گئی ہیں نکی......!''

حمیدہ نے کہا۔ وہ جس طرف بیٹھی تھی، اُدھر دروازہ نہیں کھل سکتا تھا۔

''تو نیچے اُتر جاتے ہیں۔''

ارجمند نے دروازہ کھولا اور باہر نکلی۔ اس کے بعد رابعہ اور پھر حمیدہ بھی باہر آ گئیں۔

''یہ راستہ تو بند ہے۔''

حمیدہ نے کہا۔

''ہاں اماں......! اسی لئے تو گاڑی روکی ہے چاچا نے۔''

ادھر زبیر عبدالحق سے کہہ رہا تھا۔

''بس......! یہ مجبوری ہے کہ وہاں پیچھے تک ہمیں ریورس میں جانا ہوگا۔''

''سڑک سنسان ہے تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔''

مگر اسی وقت انہیں اپنے پیچھے عبدالحق کی گاڑی سے کوئی سو گز دور ایک ٹرک کھڑا نظر ...ڈرائیور بونٹ اُٹھائے یوں جائزہ لے رہا تھا جیسے انجن میں کوئی خرابی تلاش کر رہا ہو۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔''

نوریز نے کہا۔

''اگر اس کی خرابی دُور نہیں ہوئی تو مسئلہ بن جائے گا۔''

وہ سب لوگ ٹرک کی طرف چلے گئے۔ کوئی پانچ منٹ بعد یہ بات سامنے آئی
میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ اس کا پٹرول ختم ہوگیا تھا۔

''بڑی غیر ذمہ داری کی تم نے......؟''

عبدالحق نے ڈرائیور سے کہا۔

''رات بھر کا جاگا ہوا تھا صاب جی......! بھول ہوگئی۔ میں سمجھا تھا کہ پہنچ جاؤں

ڈرائیور نے عاجزی سے کہا۔ اس کے ٹرک پر سریا لدا ہوا تھا۔

''جانا کہاں تھا تمہیں......؟''

''چوہدری صاحب کی حویلی جانا تھا جی......!''

''اب کیا کرو گے......؟''

''کرنا کیا ہے صاب جی......! آگے جانے کا تو ویسے بھی راستہ نہیں ہے۔ اب
کریں گے۔ کوئی گاڑی آئی تو پیچھے جا کر پٹرول لے کر آئیں۔''

''مگر تمہاری وجہ سے ہم بھی پیچھے نہیں جا سکتے۔''

زبیر نے کڑے لہجے میں کہا۔

''میں کیا کر سکتا ہوں صاب جی......! مجبوری ہے۔''

زبیر عبدالحق کو ایک طرف لے گیا۔

''مجھے تو یہ کوئی سازش لگتی ہے کاکا......!''

اس نے سرگوشی میں کہا۔

''کیسی بات کرتے ہو زبیر بھائی......؟ کون سازش کرے گا......؟ اور کیوں
گا......؟''

''آپ نہیں سمجھیں گے کاکا......! چوہدری عبدالستار کو نہیں جانتے آپ۔''

''خیر......! یہ تو بعد میں پتا چل ہی جائے گا۔ ابھی اس مسئلے پر سوچیں۔
ہے......؟''

''ٹرک کو پیچھے لے جانے کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں......؟''

''مگر یہ ٹرک بہت بھاری ہے۔ سامان تو دیکھیں زبیر بھائی......!''

''میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے کاکا......! زیادہ دیر نہیں لگے گی اور
جائے گا۔ لیکن آپ کو محتاط رہنا ہوگا۔''



''کیا مطلب......؟''

''دیکھیں ناں کاکا......! گھر کی عورتیں ساتھ ہیں، اور واسطہ گھٹیا لوگوں سے پڑا ہے۔''

زبیر نے اسے غور سے دیکھا۔

''جانتا ہوں کہ دس بیس آدمی آپ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔''

''اگر لٹھیا ہو میرے پاس۔''

زبیر مسکرایا۔

''میری گاڑی کی ڈگی میں لوہے کا ایک پائپ موجود ہے۔ وہ نکال لیں اور چوکنے
رہیں۔ میں یہاں دیکھتا ہوں۔''

''زبیر بھائی......! ضروری تو نہیں......''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں کاکا......! لیکن محتاط رہنے میں کیا جاتا ہے......؟ اور آپ ان
لوگوں سے کہیں کہ گاڑی میں بیٹھ جائیں۔''

عبدالحق اگلی گاڑی کی طرف چل دیا۔ اس نے خواتین سے گاڑی میں بیٹھنے کو کہا اور
خود چابی لے کر ڈگی کھولی۔ لوہے کا وہ پائپ بڑے کام کی چیز تھا۔ اس نے اسے نکال کر ڈگی کے
اوپر رکھ دیا۔ زبیر ٹرک ڈرائیور کے پاس گیا۔

''تمہارے ٹرک کو پیچھے لے جانا ہوگا۔''

اس نے اس سے کہا۔

''پر کیسے صاب......؟''

''ظاہر ہے......! دھکا لگانا پڑے گا۔''

''پر اس وقت تو یہاں کوئی ہے نہیں صاب......!''

''دو تم ہو اور تین بندے ہمارے ہیں۔''

زبیر نے کہا اور ٹرک پر چڑھ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''یہ کیا کرتے ہو صاب......؟''

ڈرائیور نے احتجاج کیا۔

''تو کیا میں دھکا لگاؤں گا......؟''

زبیر نے درشت لہجے میں کہا۔

''غلطی تمہاری ہے، اب دھکا لگاؤ۔ میرے بچے تو بلاوجہ تمہاری غیر ذمہ داری کی سزا

بھگت رہے ہیں۔ چلو، شروع ہو جاؤ۔"

"پر صاب......! ٹرک پر بھاری مال لدا ہے اور تقریباً ایک میل پیچھے جانا ہوگا۔"

"یہ تو ایک میل آگے آتے وقت سوچنا تھا ناں......! چلو، دھکا لگاؤ۔"

ساجد اور نورالحق کو تو وہ تفریح لگی تھی۔ لیکن ٹرک بہت بھاری تھا۔

"ساجد......! نورالحق کو ہٹا دو۔"

زبیر نے چیخ کر ساجد سے کہا۔ وہ چار آدمی ٹرک کو پوری طرح وہاں تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔ لیکن زبیر کو یاد تھا کہ اس نے کوئی سو گز پیچھے سڑک کو روکنے والی رسّی کے درمیان ایک جگہ دیکھی تھی، جہاں رسّی زمین پر گری ہوئی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہاں ٹرک کو سڑک کے اس حصے میں اُتار دے گا۔ یوں ان کی گاڑیوں کے لئے سڑک صاف ہو جائے گی۔

لیکن صرف چار آدمیوں کے لئے سو گز کا وہ فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ اور اتنے سویرے وہاں ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ لوگ ذرا سی دیر میں ہی ہانپنے لگے تھے۔ زبیر نے نورالحق کو اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔

"چلو بھئی......! ہمت کرو......!"

اس نے ڈرائیور کو للکارا۔

"صاب جی......! نہیں پہنچا سکتے۔"

ڈرائیور گڑگڑایا۔

"بس تھوڑا اور پیچھے کر دو......! پھر میں خود اسے لے جاؤں گا۔"

ڈرائیور کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی۔ اگر زبیر کے لہجے میں تحکم نہ ہوتا تو وہ ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہو جاتا کہ صاحب جو بن پڑے کر لو، ہمارے بس کی بات نہیں۔ لیکن وہ لہجوں پر انسانوں کو تولنے والا تھا۔ اسے تو زبیر کوئی بادشاہ لگا، جس کی بات ٹالی نہیں جا سکتی۔

وہ پھر ٹرک کو پیچھے دھکیلنے لگے۔ ادھر عبدالحق گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ اچانک اس نے کھدی ہوئی مٹی کے لگے ڈھیر کے اس پار کچھ لوگوں کو نمودار ہوتے دیکھا۔ وہ دس بارہ افراد ہوں گے۔ ان میں دو کے ہاتھوں میں کلہاڑیاں تھیں اور باقی کے ہاتھوں میں ڈنڈے۔ زبیر کا اندازہ درست ثابت ہو رہا تھا۔ ٹرک اچھا خاصا دُور جا چکا تھا اور وہ اسے اکیلا دیکھ کر کسی غلط ارادے سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ارادہ کیا تھا......؟ یہ وہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔

ان لوگوں نے سڑک پار کر لی تھی۔ عبدالحق نے پائپ اُٹھا لیا اور جھک کر ارجمند سے کہا۔



"آپ لوگوں میں سے کوئی باہر نہ نکلے اور پریشان نہ ہوں۔ اماں کو سنبھالنا۔"

ارجمند کچھ گھبرا گئی تھی۔ تاہم اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ عبدالحق پائپ ہاتھ میں لئے آگے بڑھا اور ان لوگوں کو للکارا۔

"کون ہو تم لوگ......؟ کیا چاہتے ہو......؟"

"ابھی بتاتے ہیں۔"

اُدھر ٹرک زبیر کے مطلوبہ مقام پر پہنچ گیا تھا۔ زبیر کی توجہ ٹرک کو موڑنے پر تھی۔ وہ یہ سب کچھ نہیں دیکھ سکا۔

آنے والوں نے پائپ کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن جب عبدالحق خود ان کی طرف بڑھا اور اس نے پائپ کو لٹھیا بازوں کے انداز میں گرفت میں لیا تو وہ کچھ ہراساں ہوئے۔

"رُک جاؤ......!"

عبدالحق نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

"اب آگے اپنی ذمہ داری پر بڑھنا۔"

بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے۔ لیکن کلہاڑی والے آگے بڑھے۔

"ڈر گئے......!"

انہوں نے ساتھیوں سے کہا۔

"اکیلا آدمی ہے، چلو، مارو اسے، اور اپنا کام کرو۔"

وہ سب آگے بڑھے اور عبدالحق نے پائپ کو لاٹھی کی طرح گھمانا شروع کر دیا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ آنے والوں میں سے دو آدمی کار کی دوسری طرف جانا چاہتے ہیں، جہاں ارجمند بیٹھی تھی۔

عبدالحق کو اپنے لڑکپن کا وہ معرکہ یاد آ گیا، جب ندی کے کنارے ڈاکوؤں نے اسے اور ویر جی کو گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا، بس وصال دین ساتھ نہیں تھا۔

اس کے اندر جوش سا بھر گیا۔ لوہے کا پائپ محض ایک متحرک لکیر بن گیا۔ یہاں اتنی دیر بھی نہیں لگی۔ حملہ آوروں کو احساس ہو گیا کہ اگر وہ نہیں بھاگے تو یہاں سے انہیں اُٹھا کر لے جانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ دو منٹ میں میدان صاف ہو گیا۔ شاید ان میں سے دو زخمی بھی ہوئے تھے، اور وہ کلہاڑیوں والے تھے، کیونکہ ان کی کلہاڑیاں یہیں رہ گئی تھیں۔

مگر عبدالحق اب بھی پائپ ہاتھ میں لئے چوکنا کھڑا تھا۔ یہ ناممکن نہیں تھا کہ حملہ آور اپنی تعداد بڑھا کر واپس آئیں اور پہلے سے بہتر طور پر مسلح ہوں۔ ادھر سڑک کو مڑتے دیکھ کر ڈرائیور چلایا۔

"کیا کرتے ہو صاب......؟"

مگر ٹرک دوسری طرف پہنچ چکا تھا۔ زبیر نے نورالحق کو اُتارا اور پھر خود اُترا۔

"لو بھئی......! اب تم جانو اور تمہارا ٹرک۔ ہمارا تو کام ہوگیا۔ اور تمہارا ٹرک بھی محفوظ ہے۔"

زبیر ان تینوں کو لے کر واپس چل دیا۔ عبدالحق گاڑی کے پاس جس انداز میں کھڑا تھا، اس سے زبیر سمجھ گیا کہ کچھ ہوا ہے۔ پھر اسے سڑک پر گری کلہاڑیاں نظر آئیں۔

"میرا اندازہ درست ثابت ہوا ناں کا کا......؟"

اس نے کہا۔ عبدالحق نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا کا کا......!"

"آپ کی توجہ اس وقت ٹرک پر ہوگی زبیر بھائی......!"

"بس......! ٹرک کو دوسری سڑک پر ڈالتے ہوئے نظر ہٹی تھی۔ ورنہ میں تمام وقت آپ کو دیکھتا رہا تھا۔"

"بس......! اتنی ہی دیر میں یہ کام ہوا ہوگا۔"

"ایک منٹ لگا ہوگا......!"

"زیادہ سے زیادہ دو منٹ......!"

نوریز اور دونوں لڑکوں کی سمجھ میں تو کچھ آیا ہی نہیں تھا۔

"اب کیا کرنا ہے......؟"

عبدالحق نے زبیر سے پوچھا۔

"ریورس میں وہاں تک چلیں گے، جہاں سڑک بند کی گئی تھی۔ وہاں سے دوسرا راستہ مجھے معلوم ہے۔"

"اب یہ گاڑی میں چلاؤں گا زبیر بھائی......!"

"ٹھیک ہے کا کا......! ویسے بھی راستہ کیونکہ مجھے معلوم ہے، اس لئے مجھے ہی آگے ہونا چاہئے، یعنی پیچھے۔"



زبیر نے کہا۔

"میں آپ کی گاڑی میں جاتا ہوں۔"

وہ اس ترتیب میں واپس ہوئے کہ اب زبیر سب سے پیچھے والی گاڑی چلا رہا تھا۔ الحق نے گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈالا اور عقب نما میں دیکھا۔ حمیدہ پُرسکون تھی۔ اتنی دیر بعد پہلی ے احساس ہوا کہ جس دوران وہ حملہ آوروں سے نمٹ رہا تھا، گاڑی کے اندر سے کوئی پریشانی آواز نہیں اُبھری تھی۔

"یہ سب کیا تھا پتر......؟"

حمیدہ نے اس سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں بھی سکون تھا۔

"پتا نہیں اماں......! ڈاکو ہوں گے، بھاگ گئے۔"

عبدالحق نے بے پرواہی سے کہا۔

"وہ ڈاکو تو نہیں لگ رہے تھے آغا جی......!"

ارجمند بولی۔ عبدالحق نے بات کا رُخ بدل دیا۔

"تمہیں ڈر لگ رہا تھا ارجمند......؟"

"جی......! ڈر تو لگا تھا، پھر اللہ سے دُعا کی اور مدد مانگی، ڈر ختم ہوگیا۔"

"بہت خوب......!"

"لیکن آغا جی......! آپ اس راڈ کو اتنی تیزی سے کیسے گھما رہے تھے......؟"

ارجمند کے لہجے میں ستائش تھی۔

"یہ ایک فن ہے، جو چاچا جی نے مجھے سکھایا تھا۔"

"میرے وصال دین کے ابا نے۔"

حمیدہ نے جلدی سے وضاحت کی۔

"دس بیس آدمیوں کی تو حیثیت ہی نہیں ایک لٹھیا باز کے سامنے۔"

عبدالحق نے کہا۔ وہ واپس اسی مقام پر پہنچ گئے تھے۔ زبیر گاڑی سے اُتر کر ان کی

"وہ دیکھیں کا کا......!"

اس نے بورڈ کی طرف اشارہ کیا، جس پر لکھا تھا۔

"سڑک بند ہے......!"

''جب ہم آئے، اس وقت یہ بورڈ موجود نہیں تھا۔ یہ بعد میں یہاں رکھا گیا ہے۔''

عبدالحق نے اثبات میں سر ہلایا۔ بات سمجھ میں آ رہی تھی۔

''اب آپ اپنی گاڑی سنبھالیں کاکا......!''

''لیکن زبیر بھائی......''

''آپ فکر نہ کریں کاکا......! میرے پاس دو ریوالور ہیں۔ ایسے میں خطرات کے
رکھتا ہوں اپنے پاس۔ ہاں......! لوہے کا پائپ آپ لے جائیں۔''

''ٹھیک ہے کاکا......!''

عبدالحق کو اطمینان ہوگیا۔

❀❀❀

حق نگر کے مین بازار کے دکانداروں پر وہ افتاد اچانک ہی نازل ہوئی تھی۔
صبح وہ دکانیں کھولنے بازار پہنچے تو انہیں لگا کہ وہ راستہ بھول کر کہیں اور آ گئے ہیں۔

کچھ کچھ فاصلے سے پوری سڑک پر اُفقی کھدائی کر دی گئی تھی۔ یوں بہت سی دکانوں
کے سامنے مٹی کے انبار لگ گئے تھے۔ بہرحال وہ کھدائی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ پورا بازار اس
متاثر ہوتا۔ لیکن پون میل کے قریب لمبی اس سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس کے ایک حصے
پوری طرح بلاک کر دیا گیا تھا۔ یہی وہ حصہ تھا، جس میں جابجا کھدائی کی گئی تھی اور اس حصے کو
کے صاف حصے سے علیحدہ کرنے کے لئے درمیان میں رسّی تان دی گئی تھی اور درمیان میں
جگہوں پر Work in Prograss کے بورڈ رکھ دیئے گئے تھے۔

دکانداروں کو زیادہ حیرت یوں بھی ہوئی کہ جب انہوں نے رات کو دکانیں بند کی
تھیں تو ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ گویا یہ کارروائی راتوں رات ہوئی تھی۔ اور یہ کسی کو بھی معلوم نہیں
کہ یہاں کسی نوعیت کا ترقیاتی کام ہو رہا ہے۔ اور بتانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ وہاں تو اب کوئی
مزدور بھی نہیں تھا۔

دن بھر انہیں پریشانی رہی اور ستم یہ کہ انہیں کوئی کام ہوتا بھی نظر نہیں آیا۔ کچھ لوگ
معلوم کرنے کے لئے ڈی سی آفس گئے۔ وہاں بھی کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ کافی ردّ و قدح کے
یہ پتا چلا کہ یہ اونچی سطح پر ہونے والی کارروائی ہے، اور شاید حق نگر کو گیس فراہم کرنے کا منصوبہ
گیا ہے۔





مقامی اخبار نوائے حق کے فوٹوگرافر آئے اور کھدی ہوئی سڑک کی تصاویر بنائی گئیں۔
لوگ خوش ہوگئے کہ حق نگر کو ایک بڑی سہولت ملنے والی ہے۔ اس کے لئے تکلیف تو اُٹھانا پڑے
گی۔ ڈی سی آفس سے بتایا گیا کہ پیر کو سب کچھ معمول کے مطابق ہوگا۔

لیکن یہ گیس والی بات کسی کے حلق سے نہیں اُتری۔ سلطان پور سے گزرے بغیر گیس
کی لائن حق نگر نہیں پہنچ سکتی تھی اور سیانے لوگ کہتے تھے کہ سلطان پور والوں کو گیس صرف اس لئے
نہیں ملی کہ اس کے بعد حق نگر کو بھی گیس فراہم کرنی پڑے گی۔ جبکہ چوہدری صاحب یہ نہیں
چاہتے۔ وہ حق نگر والوں سے اپنے بیٹے کاشف چوہدری کی شکست کا بدلہ لے رہے ہیں۔ کہنے
والے یہ بھی کہتے تھے کہ اس منتقم مزاجی کے نتیجے میں چوہدری صاحب کا اثر و رسوخ سلطان پور میں
بھی کم ہو رہا ہے۔

بہرحال دکاندار خوش تھے کہ یہ ایک دن کی تکلیف ہے۔ اگلے روز اتوار ہے اور پیر کو
تو سب کچھ بحال ہو ہی جانا ہے۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ کسی محکمے کی کارروائی نہیں ہے اور نہ ہی
کوئی ترقیاتی کام ہو رہا ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ حق نگر کی صوبائی اسمبلی کی سیٹ ہارنے
والے کاشف چوہدری کی ذاتی کارروائی ہے، اور یہ سب کچھ اس کے ذاتی کارندوں نے کیا ہے۔
اور کاشف کی اس کارروائی کا چوہدری عبدالستار اور اس کے بڑے بیٹے آصف چوہدری کو بھی علم نہیں
تھا۔

کاشف کو جمعے کے دن اس بات کا علم ہوا کہ عبدالحق اپنی فیملی کے ساتھ ہفتے کے دن
یا اتوار کی صبح حق نگر پہنچے گا۔ منصوبہ اس نے پہلے ہی سے بنایا ہوا تھا۔ لیکن اب اس پر عمل کرنے کے
لئے زیادہ وقت نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے جمعہ کو آدھی رات کے بعد اپنے آدمیوں سے یہ سارا کام کرا
دیا۔

لاہور میں اس کا آدمی اس سے مسلسل رابطے میں تھا۔ ویسے ایک رابطہ اس کا حق نگر
میں بھی تھا۔ ہفتے کا دن انتظار میں گزر گیا۔ رات کو بالآخر اسے عبدالحق کی روانگی کی اطلاع ملی۔ اس
کا اندازہ تھا کہ عبدالحق صبح چھ اور آٹھ بجے کے درمیان حق نگر پہنچے گا۔ یہ اور اچھا تھا کہ وہ اتوار کی
صبح ہوتی۔ اتوار کو لوگ دیر سے ہی اُٹھتے ہیں، اس لئے یہ امکان بھی نہیں تھا کہ اسے باہر سے کوئی
مدد مل سکے گی۔

کاشف کا صرف ایک ہی مقصد تھا، حق نگر میں، جہاں عبدالحق کی حیثیت بادشاہ کی سی
ہے، اسے اور اس کے گھر والوں کو احساسِ بے بسی میں مبتلا کر کے انہیں مشقت سے دوچار کرنا۔

گاڑیاں ان کی پھنس جاتیں اور انہیں بہت طویل فاصلہ پیدل طے کرنا ہوتا۔ یوں وہ عبدالحق کو اس کے اپنے گھر میں ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ اور اس بات کی اتنی زیادہ اہمیت تھی اس کے نزدیک کہ برسوں کے بعد اس روز اس نے سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ورنہ وہ تو عیش و عشرت میں رات گزار کے، فجر کی اذان سے پہلے خوابِ خرگوش کے مزے لینے والا آدمی تھا۔

اور اس کا منصوبہ بے داغ تھا۔

ٹرک والے کو اس نے خوب اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ وہ راستہ بلاک کر دیتا اور عبدالحق کی تینوں گاڑیاں پھنس کر رہ جاتیں۔ یہ اطلاع اسے لاہور سے مل چکی تھی کہ عبدالحق تین گاڑیاں لے کر آ رہا ہے۔ ان میں ایک گاڑی زبیر کی ہے۔ وہ خود اپنے غلاموں کے ساتھ اس جگہ جہاں سڑک خم کھاتی تھی، دُکانوں کی اوٹ میں موجود تھا۔ وہاں آ کر ان لوگوں کو پتا چلتا کہ یہاں آگے جانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ آگے سڑک کئی جگہوں پر بہت گہری کھودی گئی تھی اور بھاری رکاوٹ بھی کھڑی کر دی گئی تھی اور جب تک وہ لوگ اس صورتِ حال کو سمجھتے، پیچھے سے آنے والا ٹرک ان کے لئے ریورس میں واپسی کا راستہ بھی روک دیتا۔

کاشف چوہدری کا اصل منصوبہ ان لوگوں سے تعرض کرنے کا نہیں تھا۔ ان لوگوں کے لئے یہ سزا بھی بہت تھی کہ انہیں اپنی گاڑیاں چھوڑ کر اپنی حویلی تک پیدل جانا پڑتا، جو وہاں سے کم از کم چار میل دُور تھی۔ اور جس دوران وہ اس مشقت میں مبتلا ہوتے، اس کے آدمی کلہاڑیوں اور لاٹھیوں سے ان کی گاڑیوں کو پوری طرح تباہ کر دیتے۔

اس کے اپنے آدمی بھی دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ کس قدر بچکانہ، لیکن خطرناک حد تک مجرمانہ دماغ ہے چھوٹے چوہدری کا۔ لیکن کوئی یہ بات تصور میں بھی اس سے کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

کاشف اس لئے بھی مطمئن اور پُراعتماد تھا کہ پاپا جی اور بھائی، دونوں ہی اس وقت حق نگر میں نہیں تھے۔ پاپا جی تو اسلام آباد میں تھے، اور بھائی سلطان پور میں۔ اور اس وقت حق نگر میں وہ بادشاہ تھا۔

اس نے ایک طویل جماہی لی اور بند ہوتی ہوئی آنکھوں کو زبردستی کھول کر کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ پونے سات بجے تھے۔ اس وقت تک تو ہر روز وہ دو گھنٹے کی نیند لے چکا ہوتا تھا۔ اب ایک منٹ مزید جاگنا بھی اس کے لئے دوبھر ہو رہا تھا۔ لیکن آنے والی خوشی اتنی بڑی تھی کہ اس کی خاطر وہ یہاں خوار ہو رہا تھا۔ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لطف اندوز ہونا





چاہتا تھا۔

"کاش وہ جلدی آ جائے، آٹھ بجے تک تو شاید میں یہیں لیٹ کر سو جاؤں گا۔"

اس نے دل میں سوچا۔

اور اسی وقت سامنے سے سڑک پار کر کے اس کا جاسوس بھاگتا ہوا آیا۔ اسے اس نے مین روڈ پر تعینات کر رکھا تھا۔

"کیا خبر ہے شیرو......؟"

اس نے پوچھا۔

"وہ آ گئے ہیں چوہدری جی......!"

"مجھے تو نظر نہیں آئے ابھی تک......!"

اس نے کڑے لہجے میں کہا۔

"میرا مطلب ہے جی......! کسی بھی وقت وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"خبر پکی دیا کر......!"

اس نے شیرو کو ڈپٹا۔

"آ گئے ہیں کا مطلب "آنے والے ہیں" نہیں ہونا چاہئے۔"

"غلطی ہو گئی مالک......! بھاگتا ہوا آیا ہوں ناں......!"

"اور ٹرک کا کیا ہوا......؟"

وہ ان کے پیچھے لگ گیا ہے چوہدری جی......!"

کاشف چوہدری کی نظریں سڑک کے خم پر جم گئیں۔

پانچ منٹ گزر گئے نیند سے بے حال کاشف چوہدری کے لئے وہ پانچ گھنٹوں سے بھی بڑھ کر تھے۔ وہ شیرو کی خبر لینے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اچانک اس نے خم کی جانب سے پہلی گاڑی کو نمودار ہوتے دیکھا۔

تینوں گاڑیاں آگے پیچھے تھیں۔ آگے والی گاڑی رُکی اور پھر دوسری دو گاڑیاں بھی رک گئیں۔ پہلی گاڑی سے زبیر اُترا۔ اس نے آگے جا کر پہلے تو کھدی ہوئی سڑک کا جائزہ لیا، پھر آگے کی سمت دیکھا اور سر جھٹکا۔ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ آگے جانا ناممکن ہے۔

درمیان والی گاڑی سے ایک جوان آدمی اُترا، اور پیچھے والی گاڑی سے عبدالحق، اس کے ساتھ سات آٹھ سال کا ایک بچہ تھا، اور زبیر کا بیٹا، جسے کاشف چوہدری پہچانتا تھا۔

وہ سب زبیر کی طرف گئے۔ ان کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی۔ فاصلہ اتنا تھا کہ کاشف چوہدری ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ کاشف، زبیر کی گاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے گاڑی میں ایک بوڑھی عورت نظر آئی۔ اس کے برابر میں دو عورتیں تھیں، لیکن وہ انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ بوڑھی عورت کچھ بے چین ہو رہی تھی، اس نے برابر بیٹھی ہوئی عورت سے کچھ کہا۔

گاڑی جہاں کھڑی تھی، وہاں کھدائی کے نتیجے میں برآمد ہونے والی مٹی تھی، جس کی وجہ سے بوڑھی عورت کی جانب والا دروازہ نہیں کھل سکتا تھا۔ پھر کاشف چوہدری نے اس گاڑی کو دوسری طرف کا دروازہ کھلتے دیکھا۔ اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں کنکروں کی طرح چبھتی ہوئی نیندیں یوں غائب ہوئی، جیسے تھی ہی نہیں۔

گاڑی سے جو لڑکی اُتری تھی، اسے دیکھ کر وہ مبہوت ہو گیا۔ حسن کاشف چوہدری کے لئے کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں تھا۔ لیکن ایسا بے پناہ حسن اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ چہرہ چودھویں کے چاند سے بڑھ کر روشن تھا کہ اس پر نظر جمانا آسان نہیں تھا۔ آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔

لڑکی کے بعد ایک اُدھیڑ عمر عورت اور پھر بوڑھی عورت اُتری۔ وہ تینوں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگیں۔ مگر کاشف چوہدری کی نظریں تو اس لڑکی پر ہی جمی تھیں۔ وہ سحر زدہ سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

لڑکی دراز قد تھی، اس نے خود کو بڑی سی چادر میں بڑے سلیقے سے لپیٹا ہوا تھا۔ مگر کاشف چوہدری کی تجربہ کار اور آوارہ نگاہوں نے دیکھ لیا کہ وہ صرف حسین نہیں، ایسی پُرشباب بھی ہے کہ جس کی مثال نہیں دی جا سکتی۔ اس نے ایسا مکمل حسن کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس ایک لمحے میں کاشف چوہدری نے پورا منصوبہ تبدیل کر دیا۔ اسے یہ لڑکی ہر حال میں، ہر قیمت پر چاہئے تھی۔ وہ اسے اپنی خواب گاہ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اب اسے اپنے آدمیوں کو سمجھانا تھا۔

پھر اس نے ان لوگوں کو پیچھے جاتے دیکھا۔ شاید انہیں ٹرک نظر آ گیا تھا۔ اب وہ لوگ اس میں اُلجھے رہتے۔ وہ اپنے نوکروں کی طرف مڑا۔ وہ سب بے فکری سے زمین پر بیٹھے تھے۔ ان کے ڈنڈے اور کلہاڑیاں جیپ میں تھے اور وہ بے فکر تھے، کیونکہ ان کے خیال میں ان کی حرکت میں آنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔

"اوئے...... کیا حرام خوروں کی طرح بیٹھے ہو۔ اُٹھو اور تیار ہو جاؤ......!"





کاشف چوہدری نے سرگوشی میں ان سے کہا۔ وہ بری طرح بوکھلا گئے۔

"لیکن چوہدری جی......! ہمیں تو ان کے جانے کا انتظار کرنا ہے ناں......!"

"نہیں......! پروگرام بدل دیا ہے میں نے۔"

مگر ان میں سے کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ خالی خالی نظروں سے کاشف چوہدری کو دیکھتے رہے۔

"میدے......! میری بات دھیان سے سن......!"

کاشف چوہدری نے اپنے منہ چڑھے غلام سے کہا۔ وہی ان لوگوں کا سرغنہ تھا۔

"حکم چھوٹے چوہدری......!"

"اب گاڑیوں کو بھول جاؤ۔ اس لڑکی کو اُٹھا کر لانا ہے۔ لا کر جیپ میں ڈالو اور نکل چلو......!"

میدا بوکھلا گیا۔

"کون سی لڑکی چوہدری جی......؟"

"اندھا ہے کیا......؟"

کاشف چوہدری پھنکارا۔

"وہاں ایک ہی لڑکی ہے۔ ہاں......! اپنے لئے جی چاہے تو بڑھیا کو اُٹھا لا......!"

ان بے فکروں نے گاڑی کی طرف دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ تو انتظار کر رہے تھے کہ حکم ملے تو جا کر گاڑیوں کو تباہ کر دیں۔ لیکن میدا چھوٹے چوہدری کے لہجے کی اس ہوس ناک بے تابی کو خوب پہچانتا تھا۔ اس نے سامنے دیکھا۔ لڑکی اسے نظر آ گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"چلو......! جیپ سے کلہاڑیاں اور ڈنڈے نکالو۔"

کاشف چوہدری نے دیکھا کہ پیچھے والی گاڑی کے پاس عبدالحق اور زبیر کھڑے کچھ عجیب انداز میں باتیں کر رہے ہیں۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا لگا کہ ان لوگوں کو خطرے کا احساس ہو گیا ہے۔

پھر اس نے زبیر کو پیچھے جاتے اور عبدالحق کو آگے والی گاڑی کے پاس آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چابی تھی۔ اس نے ڈِگی کھول کر کچھ نکالا اور ڈِگی بند کر کے اس پر رکھ دیا۔ عورتیں اس سے پہلے ہی دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔

کاشف چوہدری نے جیپ کی طرف دیکھا۔ اس کے آدمی ڈنڈے اور کلہاڑیاں لئے

اس کی طرف آرہے تھے۔ وہ اس کے پاس آئے تو اس نے میدے سے کہا۔

''میری بات سمجھ گیا ہے ناں تو......؟ بس اس لڑکی کو اُٹھا کر لانا ہے اور جیپ میں ڈال کر حویلی کی طرف نکل چلنا ہے۔ پرانا پروگرام کینسل......!''

میدے نے سامنے دیکھا۔ وہاں عبدالحق کے سوا کوئی نہیں تھا۔

''بس دو منٹ لگیں گے چوہدری جی......! آپ بے فکر ہو جائیں۔''

میدے کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی، اور اس کے ساتھ دس آدمی تھے۔ صابر کے ہاتھ میں بھی کلہاڑی تھی۔ باقی کے پاس ڈنڈے تھے۔ وہ سب سڑک کی طرف چل دیئے۔ وہ مٹی کے ڈھیر سر چڑھے اور سڑک کی طرف چلنے لگے۔

عبدالحق کے ہاتھ میں لوہے کا ایک پائپ تھا۔ وہ آگے بڑھا اور اس نے بلند آواز میں کہا۔

''کون ہو تم لوگ......؟ اور کیا چاہتے ہو......؟''

''ابھی بتاتے ہیں۔''

میدے نے کہا۔

عبدالحق کا انداز بدل گیا۔ اس نے پائپ کو لٹھیا کی طرح تھام لیا۔ اس کا انداز ماہر لٹھیا بازوں کا سا تھا۔

میدا اور صابر آگے تھے۔ انہیں احساس ہوا کہ ان کے ساتھی رُک گئے ہیں اور جھجک رہے ہیں۔ میدے نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

''کیا ہو گیا تمہیں......؟''

اس نے سرگوشی میں کہا۔

''اُستاد میدے......! یہ ماہر لٹھیا باز لگتا ہے۔''

ڈنڈے والوں میں سے کسی نے کہا۔

''رُک جاؤ......!''

ادھر عبدالحق نے انہیں للکارا۔

''اب آگے اپنی ذمہ داری پر بڑھنا۔''

اس چیلنج نے انہیں اور ہراساں کر دیا۔ وہ رُک گئے۔ یہ تماشہ چھپ کر دیکھتے ہوئے کاشف چوہدری دانت پیسنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اتنے سارے لوگ ایک بندے سے



کیوں ڈر رہے ہیں......؟ وہ خود نہ آگے بڑھ سکتا تھا، نہ انہیں پکار سکتا تھا۔ بس وہ تو اس لڑکی کو اپنی جیپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔

میدے اور صابر کا منصوبہ یہ تھا کہ ان کے ساتھی عبدالحق سے نمٹیں اور وہ لڑکی کو اُٹھا لیں۔ وہ گاڑی کے دوسری طرف جانا چاہتے تھے۔ مگر عبدالحق کا پائپ والا ہاتھ اور پورا جسم لٹو کی طرح گھومنے لگا تھا۔ رفتار ایسی تھی کہ پائپ نظر ہی نہیں آرہا تھا۔

جو لوگ عبدالحق کا اندازہ دیکھ کر جھجکے تھے، وہ فائدے میں رہے۔ کیونکہ انہوں نے بڑھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ میدا اور صابر پائپ کی لپیٹ میں آگئے۔ کلہاڑیاں ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں اور وہ گر گئے۔ باقی لوگوں نے ان دونوں کو اُٹھا کر بھاگنے ہی میں عافیت جانی۔

انہیں واپس آتا دیکھ کر کاشف چوہدری تیزی سے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ وہ عبدالحق کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ ویسے اس بات کا امکان نہیں تھا کہ عورتوں کو چھوڑ کر عبدالحق ان لوگوں کے پیچھے آئے گا۔

غصے اور مایوسی سے اس کا برا حال تھا۔ میدے نے سچ ہی کہا تھا کہ بس دو منٹ لگیں گے۔ واقعی دو منٹ بھی نہیں لگے تھے اور وہ واپس آرہے تھے، اور خالی ہاتھ بھی نہیں تھے۔ بس یہ ہوا کہ لڑکی کی جگہ وہ اپنے دو آدمیوں کو اُٹھا کر لا رہے تھے۔

❁❁❁

کاشف چوہدری کی نیند اُڑ چکی تھی۔ وہ حویلی میں زخمی شیر کی طرح ٹہل رہا تھا۔ نو آدمی مجرموں کی طرح سر جھکائے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ صابر کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور میدے کے سر پر ضرب لگی تھی، اور وہ بے ہوش تھا۔ کاشف چوہدری نے انہیں دو آدمیوں کے ساتھ سلطان پور بھجوا دیا تھا۔

ٹہلتے ٹہلتے وہ ان کے سامنے رُکا۔

''تم نے لڑنے کی کوشش ہی نہیں کی بزدلو......!''

وہ دہاڑا۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سب سہمے ہوئے تھے۔ جانتے تھے کہ اس طرح کی ناکامی چھوٹا چوہدری برداشت نہیں کرتا۔

''بولو......! جواب دو......!''

وہ سب منمنانے لگے۔

"انسانوں کی طرح بولو، تو بتا، امیر علی......!"

"آپ کے لئے جان بھی حاضر ہے چوہدری صاحب......!"

"وہ بھی لے لوں گا میں، پر پہلے جواب تو دے دو میری بات کا۔"

"ہم نے دیکھ لیا تھا چوہدری جی......! کہ وہ ماہر لٹھیا باز ہے۔ ہم جیسے بیس بھی کم پڑتے اس کے لئے۔"

"تو اس لئے تم نے لڑنے کی تکلیف ہی نہیں اُٹھائی......؟"

"ہم لڑتے تو میدے اور صابر کی طرح وہیں پڑے ہوتے مالک......!"

امیر علی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"اور پکڑے جاتے تو بات آپ تک پہنچ جاتی ناں، تھانہ میں آپ کا نام آتا۔ بس یہ سوچ کر ہم دُور دُور رہے۔ اور مالک......! یہ بھی بڑی بات ہے کہ ہم میدے اور صابر کو نکال لائے۔"

"ہاں......! یہ بہت بڑا کارنامہ ہے تمہارا......!"

کاشف چوہدری نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میرا تو خیال ہے مالک......! اس نے خود ہمیں موقع دیا، انہیں جانے کا۔"

"تو اب تم میرے دُشمن کے قصیدے بھی پڑھو گے۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

چھوٹے چوہدری نے کہا اور خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ لیکن بستر پر لیٹتے ہی اس کے تصور میں وہ دل کش سراپا اُبھر آیا۔ ایسے میں نیند آنا آسان نہیں تھا۔

❀❀❀

زبیر سب سے آگے تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی اس راستے کو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ کھیتوں کے درمیان کچے راستے سے گزر رہے تھے۔ گرد وغبار کی وجہ سے گاڑیوں کے شیشے چڑھا لئے گئے تھے۔

نوریز کو تو کچھ اندازہ ہی نہیں تھا۔ لیکن عبدالحق اُلجھ رہا تھا۔ اس کی دانست میں یہ راستہ ان کے گھر کی طرف نہیں جاتا تھا، بلکہ مخالف سمت میں تھا۔ لیکن یہ بھی تھا کہ انہیں اصل راستہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

پھر اچانک اس نے زبیر کی گاڑی کو رُکتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت تک دھوپ





نکل آئی تھی۔ پھر اس نے زبیر کو اُترتے ہوئے دیکھا اور خواتین بھی اُتر آئیں۔

عبدالحق نے بھی گاڑی روک دی۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی کہ زبیر نے وہ گاڑی کیوں روکی ہے......؟ بہر حال وہ بھی دروازہ کھول کر گاڑی سے نکل آیا اور زبیر کی طرف بڑھنے لگا۔ ساجد اور نورالحق بھی اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ زبیر پیچھے آیا اور اس نے نوریز اور اس کی گاڑی میں موجود خواتین کو بھی اُترنے کو کہا۔

"کیا بات ہے زبیر بھائی......؟"

عبدالحق نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"خیر تو ہے ناں......؟ مجھے تو یہ اپنے گھر کا راستہ ہی نہیں لگ رہا ہے۔ کیا آپ راستہ بھول گئے ہیں......؟"

"نہیں کاکا......! یہاں میں راستہ کیسے بھول سکتا ہوں......؟"

زبیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ دکھانا ہے آپ لوگوں کو......! گاڑی میں وہ لطف نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے سوچا پہلے یوں دکھا دوں، پھر گاڑی میں چلیں گے۔"

عبدالحق کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ زبیر کے ساتھ آگے بڑھا، جہاں حمیدہ، رابعہ اور ارجمند کھڑی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے چہرے سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا ہے۔

زبیر نے گاڑی جہاں روکی تھی، وہاں آگے جانے کا راستہ نہیں تھا۔ سامنے کھیت تھے، لیکن عبدالحق کو اندازہ ہو گیا کہ دائیں جانب راستہ ہے۔

"آیئے میرے ساتھ......!"

زبیر نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ سب اس کے ساتھ دائیں جانب مُڑے۔ زبیر مُڑتے ہی رُک گیا۔

"کاکا......! اماں......! اب سامنے دیکھیں۔"

سب نے سامنے دیکھا اور مبہوت ہو کر رہ گئے۔ سامنے راستے کے اختتام پر کوئی آدھے میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑی حویلی نظر آ رہی تھی۔ دُور سے دیکھنے پر بھی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بالکل نئی ہے۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ وہ بہت قدیم ہونے کا تاثر چھوڑ رہی تھی۔ حویلی کا شاندار اور پُرسکون ہونا اپنی جگہ، لیکن ارجمند کی سمجھ میں نہیں آیا کہ چاچا نے گاڑی پیچھے کیوں

روکی......؟ اور اتنے اہتمام سے انہیں یہ حویلی دکھانے کے لئے کیوں لائے......؟

عبدالحق، حمیدہ اور رابعہ کو چھوڑ کر سبھی یہی بات سوچ رہے تھے۔ بالآخر رشید
خاموشی کو توڑا۔

''بی بی صاحبہ......! یہ آپ لوگوں کی حویلی ہے......؟''

اس نے ارجمند سے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم......!''

ارجمند نے بے بسی سے کہا۔

''مگر لگتا تو یہی ہے۔''

اور اس وقت اس کی نظر حمیدہ پر پڑی۔ وہ سحرزدہ سی ٹکٹکی باندھے حویلی کو تک رہی تھی
اور شاید اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس نے حمیدہ
برابر کھڑی رابعہ کو دیکھا۔ اس کی کیفیت بھی حمیدہ جیسی ہی تھی، اور عبدالحق روتو نہیں رہا تھا، لیکن
بھی گرد و پیش سے بے خبر حویلی کو دیکھے جا رہا تھا۔

''ایسی کیا بات ہے اس حویلی میں......؟''

ارجمند نے سوچا۔ وہ یہ بات پوچھنا چاہتی تھی، لیکن جن سے پوچھنا تھا، وہ
کیفیت میں تھے کہ انہیں ڈسٹرب کرنے کی وہ ہمت نہیں کرسکی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ
نورالحق کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، اور وہ اشارہ سب کے لئے تھا، اور سب نے اسے سمجھ بھی لیا۔
طویل لمحے گزرتے رہے۔ ان چار افراد کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وقت جیسے ٹھہر گیا ہے۔

پھر حمیدہ چونکی اور اس کے منہ سے بے ساختہ صاف اور واضح الفاظ نکلے۔

''زبیر......! کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں......؟''

اور اس کے ساتھ ہی جیسے کوئی طلسم ٹوٹ گیا۔ وہ عبدالحق کی طرف مڑی۔

''پتر......! تو ہی بتا......! یہ سب کیا ہے......؟''

''مجھے کچھ نہیں معلوم اماں......!''

عبدالحق نے کہا۔

''یہ تو زبیر بھائی ہی بتا سکتے ہیں۔''

''اماں......! کاکا......! یہ خواب نہیں ہے۔ یہ اپنے بڑے ٹھاکر کی حویلی ہے۔''

زبیر نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی، جیسے وہ بھی اپنے جذبات



دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

''تو اس لئے آپ مجھے حق نگر آنے سے روکتے رہے......؟ اور اس لئے آپ نے
ب کو ساتھ لانے پر اصرار کیا......؟''

عبدالحق نے زبیر سے کہا۔

''معاف کر دیں کاکا......! میں بچہ بن گیا تھا۔''

زبیر کا گلا رُندھ گیا۔ رابعہ اب بھی چپکے چپکے روئے جا رہی تھی۔

''اب چلیں......؟''

زبیر نے کہا۔

''اندر سے نہیں دیکھیں گے......؟''

عبدالحق خاموشی سے مڑ گیا۔ چند منٹ بعد تینوں گاڑیاں حویلی کے دروازے پر
رکیں۔ نوریز کے اُترنے سے پہلے ہی زبیر اس کی گاڑی کی طرف لپکا۔

''تم اپنی گاڑی اُدھر لے کر جاؤ، حویلی کی دیوار کے ساتھ ساتھ۔ آگے ایک گیٹ
آئے گا۔ وہاں ان لوگوں کو لے جاؤ اور ان سے کہو کہ گھر کو ٹھیک ٹھاک کر دیں۔ ویسے وہاں
ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ ناشتہ تیار کراؤ۔ ہم لوگ حویلی دیکھ کر آتے ہیں۔''

کسی کی سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آئی۔ مگر نوریز نے خاموشی سے اس کی ہدایت پر عمل
کیا اور گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

اب وہاں صرف عبدالحق، حمیدہ، ارجمند، رابعہ، ساجد اور نورالحق رہ گئے تھے۔

''یہ آپ کے دادا جان کی حویلی ہے چھوٹے صاحب......!''

زبیر نے نورالحق کا ہاتھ چومتے ہوئے اس سے کہا۔ پھر اس نے گاڑی کا ہارن بجایا۔
اندر سے کوئی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے حویلی کا دروازہ کھول دیا۔

''چلیں کاکا......! بسم اللہ کریں۔''

زبیر نے عبدالحق سے کہا۔ عبدالحق نے حمیدہ سے کہا۔

''اماں......! سب سے پہلے آپ اندر داخل ہوں گی۔''

حمیدہ کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔ اس نے نورالحق کو پکارا۔ وہ پاس آیا تو اس نے اس کا
ہاتھ تھام لیا۔

''چل پتر نورالحق......! تو میرے ساتھ چل، اور دیکھ اندر قدم رکھتے ہوئے بسم اللہ

پڑھنا نہ بھولنا۔"

"جی دادی......!"

اور وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔عبدالحق نے ارجمند کا ہاتھ تھام لیا۔ زبیر، راب
ساجد ان کے پیچھے تھے۔ وہ بہت بڑا احاطہ تھا اور اس کے بعد حویلی اور اس کا صدر دروازہ احا
میں داخل ہوتے ہی دس بارہ کرسیاں پڑی تھیں۔

"اماں......! پہلے یہاں بیٹھ کر دیکھیں۔"

زبیر نے حمیدہ سے کہا۔حمیدہ کا دل تو چاہ رہا تھا کہ بچوں کی طرح دوڑتی ہوئی حو
میں چلی جائے۔لیکن زبیر کے کہنے پر وہ بیٹھ گئی۔ اردگرد سب لوگ بیٹھ گئے۔

"اماں......! آپ کو حویلی یاد ہے ناں......؟"

زبیر نے حمیدہ سے پوچھا۔

"میں بھول سکتی ہوں پتر......؟"

حمیدہ نے کہا۔

"کوئی فرق تو نہیں رہ گیا ہے اماں......؟"

حمیدہ نے غور سے عمارت کا جائزہ لیا اور نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں زبیر پتر......! یہ بالکل ویسی ہی ہے۔ پر تو نے یہ بنوائی کیسے......؟"

"بس اماں......! ایک نقشہ نویس رکھ لیا تھا۔ یاد کر کے اسے بتاتا تھا، وہ بناتا تو
میں اسے دیکھ کر ذہن پر زور دیتا، کمی بیشی یاد کرتا۔ دو سال لگے اس کا نقشہ مکمل ہونے میں۔ اور
کی رحمت سے چھ مہینے میں یہ بن کر تیار ہوگئی۔"

"تو نے تو کمال کر دیا زبیر......!"

حمیدہ کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ بڑی محبت سے زبیر کو دیکھ رہی تھی۔

عبدالحق بہت غور سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ جگہ تو
وہ نہیں ہے۔لیکن سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہ اس احاطے کو اسی طرح دیکھ رہا تھا، جیسے آخری بار دیکھ
تھا۔ جب وہ آخری بار یہاں آیا تھا، اس وقت یہ احاطہ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ ان لاشوں میں زیا
تر تو حملہ آوروں کی تھیں، اور باقی ابا جان کے وفاداروں کی تھیں۔

"یہ وہ جگہ ہے جہاں ویر جی شہید ہوئے تھے۔"

اس نے ایک مقام پر نظریں جماتے ہوئے سوچا۔



"اور وہاں چاچا جی تھے۔"

اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔ لیکن اسے زبیر کا اس پرانی حویلی کو دوبارہ زندہ کرنا اچھا
نہیں لگا تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اسے بہت برا لگا تھا۔ لیکن وہ اس کا اظہار کرنے سے گریز کر رہا
تھا۔ زبیر کے نزدیک وہ اس کی طرف سے ان لوگوں کے لئے، خاص طور پر اس کے، حمیدہ اور
لی کے لئے ایک بہت بڑا، بہت قیمتی تحفہ تھا، اور زبیر کے خلوص پر تو شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تو
وہ اس کی دل آزاری کیسے کر سکتا تھا......؟

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"بس زبیر......! میں اب اندر سے دیکھنا چاہتی ہوں حویلی کو۔"

حمیدہ نے کہا۔

"تو دیکھیں اماں......! آپ ہی کی ہے۔"

زبیر نے کہا۔

"چل عبدالحق پتر......! اندر چل کر دیکھیں۔"

حمیدہ نے ہیجانی لہجے میں عبدالحق سے کہا۔ وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

"آپ جائیں اماں......! میں پھر دیکھ لوں گا۔"

عبدالحق نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔ حمیدہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ
وہ آخری دن کو یاد کر کے دُکھی ہو رہا ہے۔ اس نے زبیر سے کہا۔

"زبیر......! تو یہیں رُک......!"

یہ کہتے ہوئے اس نے آنکھ سے عبدالحق کی طرف اشارہ کیا، جیسے اس کا خیال رکھنے کو
رہی ہو۔

"میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ برسوں پرانی حویلی مجھے اب بھی یاد ہے یا نہیں......؟ چل
چل نکی......! نورالحق......! میرا ہاتھ تھام لے۔"

ارجمند جھجک رہی تھی، مگر اس لمحے عبدالحق نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"جاؤ ناں......! تم بھی جاؤ، اماں کے ساتھ......!"

اس کے لہجے میں عجیب سا تحکم تھا۔ وہ چاروں لپکتے ہوئے، پُرشوق انداز میں صدر
ے کی طرف بڑھے۔

"اماں......! آپ کو اندر حویلی میں اکیلے ڈر تو نہیں لگے گا......؟"

زبیر نے پکارا۔ حمیدہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"اپنے گھر میں کون ڈرتا ہے پتر زبیر......؟"

اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ پھر پلٹ کر آگے بڑھ گئی۔ زبیر نے عبدالحق طرف دیکھا جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ حمیدہ کے برعکس، حویلی میں جانے سے انکار کر ہوئے، اس نے عبدالحق کے لہجے میں ناگواری محسوس کر لی تھی۔ اس سے اسے مایوسی بھی ہوئی تھی شرمندگی بھی۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر زبیر نے ڈرتے ڈرتے عبدالحق سے پوچھا۔

"کاکا......! آپ کو اچھا نہیں لگا......؟"

عبدالحق نے اس کی طرف دیکھا اور بہت نرم لہجے میں بولا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں زبیر بھائی......؟"

"آپ کو سمجھتا ہوں، آپ کو سمجھنے کی کوشش ہی تو کرتا رہتا ہوں کاکا......!"

"تب تو آپ کو میری ناپسندیدگی کی وجہ بھی سمجھ لینی چاہئے۔"

"اگر سمجھ لی ہوتی تو یہ کام ہی نہ کرتا۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ بہت خوش ہوں گے اسے دیکھ کر......؟"

زبیر روہانسا ہو رہا تھا۔

"آپ دل چھوٹا نہ کریں زبیر بھائی......!"

"پر آپ مجھے وجہ تو بتا دیں کاکا......!"

"وجہ نہیں......! وجوہ ہیں۔"

عبدالحق کے لہجے میں بے رُخی در آئی۔

"آپ نے اتنا پیسہ ضائع کیا، صرف چوہدری سے مقابلے بازی میں، محض دکھاوے کے لئے، شان و شوکت کے مظاہرے کے لئے......؟"

"میں شرمندہ ہوں کاکا......! کہ آپ کو ایسا لگا۔"

"پھر آپ نے اس عمارت کو زندہ کیا، جو ہمارے لئے کوئی اچھی یادگار نہیں تھی، اللہ نے اسے مٹا دیا تھا۔"

اب عبدالحق کے لہجے میں برہمی تھی۔

"مجھے یاد ہے کہ اس حویلی میں میری ماں کا مندر بھی تھا، جہاں بتوں کی پوجا





زبیر کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"اگر میں نے برا کیا تو میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں اس پر۔ مغفرت اور بخشش مانگتا اور کاکا......! میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے بھی معافی مانگتا ہوں۔"

ایک تو زبیر کا ہاتھ جوڑنا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو، عبدالحق تڑپ گیا۔ وہ اُٹھا اس نے زبیر کو کھینچ کر کھڑا کیا اور سینے سے لپٹا لیا۔

"زبیر بھائی......! میں نے ہمیشہ آپ کو بڑے بھائی کا درجہ دیا۔ میں آپ کا دل نے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے معاف......"

زبیر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"وہ بات نہ کریں کاکا......! جس کے بعد زندہ رہنے کو دل نہ چاہے۔"

"کاش......! آپ نے مجھ سے پوچھ لیا ہوتا زبیر بھائی......!"

"مجھے یقین تھا کاکا......! اور اب بھی یقین ہے، آپ ایک بار اندر چل کر دیکھ تو

"ابھی رہنے دیں زبیر بھائی......! ایک دو دن میں ذہن بن ہی جائے گا۔"

"کاش...... کاش......!"

زبیر کے لہجے میں حسرت تھی۔ عبدالحق کا دل کٹنے لگا۔ اس نے زبیر کو بہلانے، اس کا شرمندگی کم کرنے کے لئے باتیں شروع کر دیں۔

"آپ تو یہاں تھے نہیں زبیر بھائی......! میں آخری دن، لال آندھی سے بمشکل ایک پہلے حویلی میں پہنچا تھا۔"

اور وہ گیٹ کے باہر کا حال اور پھر احاطے کا نقشہ بیان کرنے لگا۔ زبیر کی آنکھوں سو بہنے لگے۔

"اور زبیر بھائی......! وہاں......"

عبدالحق نے صدر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"ابا جان شدید زخمی حالت میں گرے ہوئے تھے، اور وہیں مولوی صاحب بھی تھے۔ ہو چکے تھے۔"

زبیر کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ وہ خود پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ عبدالحق اسے

تھپکنے لگا۔ مگر وہ طوفان رُکنے والا نہیں لگتا تھا۔ وہ اسے تھپکتا رہا۔ یہاں تک کہ حمیدہ سب لوگوں کے ساتھ باہر آگئی۔

''ارے......! زبیر پتر......! تجھے کیا ہوا......؟''

حمیدہ کے لہجے میں شفقت تھی۔

''کچھ نہیں اماں......! پرانی یادیں......''

زبیر سے جملہ پورا نہیں کیا گیا۔ لیکن ان لوگوں کو دیکھ کر وہ کھسیا گیا تھا، اور اس کے نتیجے میں اس کی طبیعت سنبھل گئی۔

عبدالحق غور سے ان سب کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ اماں اور رابعہ کی خوشی تو سمجھ آ رہی تھی، لیکن ارجمند کا چہرہ جس خوشی اور جوش سے تمتما رہا تھا، وہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ ارجمند کی تو وہاں کوئی جذباتی وابستگی بھی نہیں تھی۔

''اب چلیں اماں......؟''

زبیر نے حمیدہ سے پوچھا۔ وہ باہر نکلنے لگے تو ارجمند نے عبدالحق کا ہاتھ تھام لیا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ عام حالات میں وہ سب کے سامنے ایسا کرنے والی نہیں تھی۔ پھر اس نے جو کچھ کہا، اس نے عبدالحق کو اور حیران کر دیا۔

''آپ کو مبارک ہو آغا جی......! بہت بہت مبارک ہو......!''

ارجمند نے کہا۔

''انشاء اللہ چاچا جی کو اللہ دونوں جہانوں میں اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔ الحمدللہ انہوں نے آپ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔''

عبدالحق کو جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ مگر وہ اب خود پر قابو رکھنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زبیر کو اور شرمندگی ہو، اور تکلیف پہنچے۔

باہر نکل کر وہ گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ حویلی کی دیوار کے ساتھ پکی سڑک تھی، جو بالکل نئی لگ رہی تھی۔ حویلی کی حد ختم ہوئی تو ایک پختہ مکان کی دیوار شروع ہوگئی۔ کچھ ہی آگے جا کر مکان کا گیٹ تھا۔ گیٹ کھلا تھا، نوریز کی گاڑی اندر کھڑی تھی۔ وہ لوگ بھی گاڑی اندر لے گئے۔

عبدالحق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حویلی میں ٹھہرنے کی بجائے وہ یہاں کیوں آئے ہیں......؟ بہرحال اس کے نکتہ نظر سے تو یہ بہتر ہی تھا۔ حویلی میں قیام اس کے لئے بہت اذیت ناک ہوتا۔ دم گھٹ کر رہ جاتا وہاں اس کا۔





وہ لوگ اندر پہنچے، بہت بڑا، کشادہ ڈرائنگ روم تھا۔ وہ لوگ وہیں بیٹھ گئے۔ وہاں صوفے بھی تھے اور کرسیاں بھی۔ مگر وہاں کا بنیادی عنصر سادگی تھی۔ فرنیچر بھی سادہ تھا اور کمرے کی آرائش کا بھی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

وہ بیٹھے ہی تھے کہ نسیمہ لپکتی ہوئی آئی۔

''ناشتہ تیار ہے بیگم صاب......! لگا دیں......؟''

اس نے حمیدہ سے پوچھا۔

''ابھی نہیں......! ابھی تو جا......! میں آواز دے لوں گی تجھے۔''

حمیدہ نے کہا۔ پھر وہ زبیر کی طرف مُڑی۔

''زبیر......! میرے پتر......! تو اِدھر آ میرے پاس......!''

زبیر کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اُٹھا اور جا کر حمیدہ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''کیا حکم ہے اماں......؟''

''حکم کیا کرنا ہے پتر......! تجھے پیار کرنا ہے۔''

حمیدہ نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ بھر کر اوپر اُٹھایا اور اس کی پیشانی پر طویل بوسہ دیا۔

''جو کچھ تو نے کیا ہے، اس کا اجر تو تجھے اللہ ہی دے گا، اور انشاء اللہ قیامت تک دیتا رہے گا۔''

عبدالحق حیرت سے وہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ اس کی جھنجلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

''تو نے حویلی کو نئی زندگی دی۔ میرے شہید بھائی کی روح خوش ہوگئی ہوگی۔''

حمیدہ اپنی کہے جا رہی تھی۔

''اور میرے ربّ کا شکر ہے، آج مجھے پتا چلا کہ اللہ نے ایک پتر لے کر مجھے دو پتر دیئے تھے۔ تو میرا پتر ہے زبیر......! عبدالحق کا سچ مچ کا بھائی......!''

عبدالحق سے رہا نہیں گیا۔

''وہاں ماتا جی کا مندر بھی موجود ہے ناں اماں......؟''

حمیدہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ابھی یہاں آتے ہوئے تو نے دیکھا نہیں اس جگہ کو......؟''

"مندر کو......؟"

زبیر کا سر اور جھک گیا۔

"پگلا نہ ہو تو......!"

حمیدہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"اب اس جگہ مسجد بنوائی ہے زبیر نے پتر......!"

اور عبدالحق کو یوں لگا جیسے اس کی جان نکل گئی ہو۔ اس سے بولا بھی نہیں گیا۔

"اور بڑی خوب صورت مسجد ہے آغا جی......!"

ارجمند بولی۔

"مسجد......؟"

"ہاں پتر......! مندر کی جگہ مسجد......!"

حمیدہ بولی۔

"تو، تو اندر گیا ہی نہیں، دیکھتا تو دل خوش ہو جاتا تیرا۔ پر یہاں آتے ہوئے بھی تیری نظر نہیں پڑی مسجد پر......؟"

"یہاں آتے ہوئے......؟"

عبدالحق کی حیرت ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"ہاں......! حویلی کے اور اس گھر کے دروازے کے درمیان مسجد کا دروازہ ہے آغا جی......!"

ارجمند نے کہا۔

"باہر بھی دروازہ رکھا ہے تاکہ باہر کے لوگ بھی آ کر نماز پڑھ سکیں۔"

زبیر اُٹھنے لگا، مگر حمیدہ نے اسے پھر بٹھا دیا۔

"بیٹھا رہ زبیر پتر......! تو نے مجھے وہ خوشی دی ہے کہ میں......"

اور حمیدہ رونے لگی۔ عبدالحق کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ذہن اُلجھ گیا تھا۔

"مسجد کا دروازہ اندر سے بھی ہے......؟"

اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اندر سے نہ ہوتا......؟"

"حویلی ہی سہی......!"



عبدالحق نے حیرت سے سوچا۔

"گھر اور مسجد کو ایک کر دیا گیا، اور اماں اور ارجمند اس پر خوش ہو رہی ہیں۔"

پھر اسے یہ خیال آیا کہ حویلی کے ہوتے ہوئے اس گھر کی کیا ضرورت تھی......؟ کیا زبیر کو اندازہ تھا کہ وہ حویلی کو مسترد کر دے گا......؟

مگر اب وہ سوال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"پتر زبیر......! تجھے یہ خیال کیسے آیا......؟"

حمیدہ نے زبیر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"سب اللہ کی طرف سے ہے اماں......!"

زبیر کے لہجے میں عاجزی تھی۔ یہ گتھی آسانی سے سلجھنے والی نہیں۔

"وہ جو بڑے ٹھاکر کا دیوان خانہ تھا ناں، جہاں وہ فیصلے کرتے......"

ارجمند نے بہت تیزی سے حمیدہ کی بات کاٹ دی۔

"نہیں اماں......! آغا جی کو خود دیکھنے دیں، انہیں بتا کر خوشی کم نہ کریں ان کی۔"

اور یہ بڑی غیر معمولی بات تھی۔ ارجمند کبھی ایسا نہیں کرتی تھی۔ عبدالحق کے دل کی کیفیت بدل گئی۔ وہ حویلی دیکھنے کو بے تاب ہونے لگا۔ مگر ابھی وہ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

ان باتوں میں کسی کو احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ ساجد اور نورالحق اندر چلے گئے ہیں اور گھر کا جائزہ لے رہے ہیں۔ لیکن اسی وقت وہ واپس آئے۔ دونوں نے ایک بڑا بورڈ اُٹھایا ہوا تھا اور بڑے جوش میں بھرے ہوئے تھے۔

"آپ نے بڑا پیارا نام رکھا ہے تایا جی......!"

نورالحق نے بورڈ دکھاتے ہوئے زبیر سے کہا۔

"واہ......! بڑا پیارا نام ہے، ماشاء اللہ......!"

ارجمند نے بے ساختہ کہا۔ عبدالحق نے بورڈ کی طرف دیکھا۔ اس پر بڑے حروف میں لکھا تھا۔

"مدینۃ الاسلام......!"

ایک لمحے میں اس کا ذہن روشن ہو گیا۔ بات پوری طرح اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس کی شرمندگی کی کوئی حد نہیں تھی۔ کتنی خوف ناک بدگمانی کی تھی اس نے۔ زبیر بھائی کو کتنا دُکھ ہوا ہوگا کہ تعریف کی بجائے وہ ان کی مزمت کر رہا ہے۔ اور وہ کیسے مروّت والے ہیں کہ انہوں نے صفائی

بھی پیش نہیں کی۔ خاموشی سے ملعون ہوتے رہے۔

اس نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر وہ زبیر بھائی کی محبت سے سرشار ہو گیا۔ اسے تو کبھی خیال بھی نہیں آیا۔ اور اللہ نے اس سعادت سے زبیر بھائی کو نوازا۔ اس نے کبھی زبیر بھائی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ تو بس انہیں ایک امین اور وفادار کاروباری شریک سمجھتا رہا۔

''ارے......! مجھے بھی تو بتاؤ......! کیا نام ہے......؟''

حمیدہ پوچھ رہی تھی۔

''مدینۃ الاسلام......!''

ساجد نے اسے بتایا۔

''مدینہ......؟''

حمیدہ اُلجھنے لگی۔

''یہ کیا......؟''

''مدینہ عربی زبان میں شہر کو کہتے ہیں دادی اماں......!''

ارجمند نے وضاحت کی۔ حمیدہ ذہن پر زور دے رہی تھی۔

''اسلام کا شہر......!''

وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ پھر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''واہ زبیر......! بہت پیارا نام رکھا ہے پتر......!''

اس نے پھر زبیر کا سر تھپتھپایا۔

''میں کہاں رکھ سکتا تھا یہ نام اماں جی......؟''

زبیر نے بہت عاجزی سے کہا۔

''مولوی صاحب نے تجویز کیا تھا یہ نام......! میں نے بورڈ تو لکھوا لیا۔ پر سوچا کہ پہلے کاکا سے اس کی منظوری لوں گا۔''

اب عبدالحق سنبھل گیا تھا۔ اس نے حمیدہ سے کہا۔

''اب زبیر بھائی کو چھوڑ دیں اماں......! انہیں میرے پاس بیٹھنے دیں۔''

''ٹھیک ہے پتر زبیر......! اب تو عبدالحق سے بھی شاباش لے......!''

زبیر اُٹھا اور عبدالحق کے پاس جا کھڑا ہوا۔ عبدالحق نے اُٹھ کر اسے لپٹایا۔

''جزاک اللہ زبیر بھائی......! آپ کو بہت بہت مبارک ہو......!''



''مبارک باد تو آپ کے لئے ہے کاکا......!''

زبیر نے نظریں اُٹھائے بغیر کہا۔ عبدالحق نے اسے صوفے پر اپنے ساتھ بٹھا کر لپٹا لیا۔ دونوں ہی نظریں نہیں اُٹھا رہے تھے۔

''میں دیکھوں گا بعد میں۔ پہلے آپ اپنی خوشی پوری طرح مجھے سنائیں اماں......!''

عبدالحق نے حمیدہ سے کہا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی بدگمانی اور جلد بازی میں اس نے خود کو دیکھ کر خوش ہونے سے محروم کر لیا ہے۔ حمیدہ تو جوش میں بھری ہوئی تھی۔ ارجمند سے بولی۔

''تو بتا نکی......! میں تو نہیں بتا سکتی۔''

''آپ خود دیکھ لیجئے گا آغا جی......!''

''نہیں ارجمند......! بتاؤ، یوں مجھے دو خوشیاں ملیں گی۔''

''جہاں ابا جان گاؤں کے معاملات دیکھتے اور فیصلے کرتے تھے، وہاں اب دارالافتاء ہے۔''

ارجمند نے کہا۔

''اور جو آپ کا کمرہ تھا، وہاں انشاء اللہ بچے قرآن پاک حفظ کیا کریں گے۔''

عبدالحق کی آنکھیں آنسوؤں سے جلنے لگیں۔ وجود احساسِ ندامت سے بھر گیا۔

''اور جہاں ابا جان کی خواب گاہ تھی، وہاں دورِ قرآن ہوگا۔ ایک بہت بڑا ہال دورِ حدیث کے لئے ہے۔ جہاں کچن تھا، وہاں اب بہت بڑا کچن ہے، جہاں طلباء اور اساتذہ کے لئے کھانا پکے گا، اور جس عقبی احاطے میں دادا ابا آپ کا گھوڑا بنتے تھے، وہاں اب اساتذہ اور طلبا کی اقامت گاہ ہے۔ ایک بہت بڑا ہال اور ہے۔ اس کے ساتھ کلاس رومز ہیں۔''

''اور جہاں مندر تھا، وہاں مسجد ہے۔''

حمیدہ سے رہا نہیں گیا۔

''پر پتر......! مندر بہت چھوٹا تھا، اور مسجد اللہ کے فضل و کرم سے بہت بڑی ہے۔''

''اور آپ قبول کر لیں تو جو ٹھاکروں کی حویلی تھی، وہ اب ''جامعہ مدینۃ الاسلام'' ہو گی۔''

''میری کیا جرأت کہ قبول نہ کروں......؟''

عبدالحق نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ تو میرے ربّ کا فضل ہے۔ الحمد للہ......! الحمد للہ......! الحمد للہ......!"

"بس......! تو سب کو مبارک ہو یہ نام......!"

حمیدہ نے کہا۔

"چلو......! اب ناشتہ کرلیں۔"

عبدالحق اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ پہلے نمازِ استغفار پڑھنا چاہتا تھا اور پھر شکر کے نفل۔

"آپ لوگ ناشتہ کریں، میں ابھی آتا ہوں۔"

"نہیں پتر......! ناشتہ تو ہم سب ساتھ ہی کریں گے۔"

حمیدہ نے کہا۔

❀❀❀

عبدالحق کی عجیب کیفیت تھی۔ زبیر نے اس بات کو سمجھتے ہوئے اس سے کہا۔

"کاکا......! مجھے چوکیدار سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ آپ اطمینان سے یہ سب دیکھ لیں۔ جلدی کوئی نہیں ہے۔ میں باہر آپ کا انتظار کرلوں گا۔"

عبدالحق نے تشکر سے اسے دیکھا، لیکن کہا کچھ نہیں۔

سو اب وہ وہاں اکیلا تھا۔ ماضی کے منظر اس کی نگاہوں میں پھر رہے تھے۔ اللہ کیسے کیسے کرم فرماتا ہے۔ جسے جو چاہے، عطا کرتا ہے۔ شاید یہ وہ جگہ نہیں تھی، لیکن سب کچھ بالکل ویسا ہی تھا۔ البتہ اس عمارت کی باطنی تبدیلی بہت بڑی تھی۔

"اللہ اکبر......! اللہ اکبر......! اللہ اکبر......!"

وہ جس کمرے، جس ہال میں داخل ہوتا۔ اس پر گریہ طاری ہو جاتا، ہچکیاں بندھ جاتیں اور وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہ رہتا۔ وہ وہیں بیٹھا جاتا۔ وقت کا اسے احساس ہی نہیں رہا تھا۔ اور مسجد دیکھ کر تو وہ بے قابو ہوگیا تھا۔ اس کا جی ہی نہیں چاہتا تھا مسجد سے نکلنے کو۔ وہ متورم آنکھوں اور بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ باہر آیا۔ زبیر کرسی پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے زبیر کو لپٹا لیا۔

"زبیر بھائی......! میں آپ سے شر......"

زبیر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خدا کے لئے کاکا......!"





پھر وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ عبدالحق نے اسے کرسی پر بٹھایا اور خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"دیکھیں زبیر بھائی......! میں اللہ سے توبہ کر چکا، لیکن آپ سے......"

زبیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اللہ دلوں کا حال جانتا ہے کاکا......! پھر لفظوں کی کیا ضرورت ہے......؟ اور مجھے تو آپ کی کوئی بات کبھی بری لگ ہی نہیں سکتی۔"

"پھر بھی، مجھے تو......"

"اس کی ضرورت نہیں کاکا......!"

اب عبدالحق عمارت کو بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی زبان پر "سبحان اللہ" کا وِرد تھا۔ پھر وہ زبیر کی طرف مُڑا۔

"آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں زبیر بھائی......؟"

"میرا دماغ ہی بے کار ہوگیا تھا کاکا......! میں تو سمجھا تھا کہ آپ خوش ہوں گے۔ آپ کو ناراض دیکھا تو سوچنے اور سمجھنے کے قابل بھی نہیں رہا۔ لیکن میں نے آپ سے کہا تھا کہ ایک بار اندر چل کر تو دیکھ لیں۔"

"میری سوچ ہی ایسی تھی کہ میں اندر نہیں جا سکتا تھا۔"

"مگر کاکا......! آپ کی سوچ غلط تھی۔"

"میں جانتا ہوں، تسلیم کرتا ہوں۔"

"آپ میری بات نہیں سمجھے۔ اگر یہ دینی مدرسہ نہ ہوتا، تب بھی آپ کی سوچ غلط ہی تھی۔"

عبدالحق نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"کیسے......؟ وضاحت کریں۔"

"یہ جتنا میں نے کہا، یہ بھی گستاخی تھی۔ میں اس پر بھی شرمندہ ہوں، اور آپ مزید بات کرنے کو کہہ رہے ہیں......؟"

"ہاں زبیر بھائی......! یہ ضروری ہے۔"

"نہیں کاکا......! ممکن ہے، میں غلطی پر ہوں۔"

"مگر میں سننا چاہتا ہوں۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ آپ کی بات درست ہو۔"

"نہیں کاکا......!"

"اور اگر میں حکم دوں تو......؟"

زبیر نے ایک گہری سانس لی۔

"آپ کے حکم سے تو انکار ممکن نہیں ہے کاکا......! لیکن بس پہلے سے ہی معذرت کر لوں۔"

"ٹھیک ہے، اب بتائیں......!"

"آپ نے سے دکھاوا، مقابلہ بازی، شان وشوکت کا مظاہرہ سمجھا، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس بات کا امکان تو تھا ناں، لیکن جب آپ نے کہا کہ یہ عمارت ہمارے لئے اچھی یادگار نہیں تو آپ غلطی پر تھے۔"

"کیسے......؟"

"دیکھیں، ریت میں دفن ہونے سے پہلے ٹھاکروں کی گڑھی اللہ کی رحمت اور فضل و کرم سے بدل چکی تھی۔ میرے آقا اور آپ کے والد نے اس حویلی میں ہی قرآن پڑھا تھا۔ اور یہیں انہوں نے اللہ کو سمجھا تھا اور ہدایت پائی تھی۔ اس حویلی میں ہی انہوں نے آپ سے بھی پہلے اسلام قبول کیا تھا، ایمان لائے تھے، اور میرے نزدیک اس کی قبولیت کی دلیل ان کی شہادت ہے۔ جہاں اللہ کا کوئی مومن بندہ شہید ہوا ہو، وہ جگہ کسی مسلمان کے لئے بری یادگار کیسے ہوسکتی ہے......؟ اگر میرا دماغ اس وقت کام کر رہا ہوتا تو میں آپ سے یہ بات ضرور کہتا، گستاخی ہونے کے باوجود۔ کیونکہ آپ میرے آقا زادے ہیں، اور یہ معاملہ میرے آقا کی عزت اور مرتبے کا تھا، میرے شہید آقا کی عزت کا۔"

عبدالحق کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے زبیر کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور انہیں چوم لیا۔ پھر اس نے اس کے ہاتھوں سے اپنے دونوں رُخساروں پر تھپڑ لگائے۔

"میں تو آپ کو بڑا بھائی سمجھتا ہوں زبیر بھائی......! آپ اپنی فطرت کے مطابق میرا غیر ضروری احترام کرتے ہیں۔ میں اسے آپ کی خوشی کے لئے برداشت کر لیتا ہوں۔ لیکن اس بات پر تو آپ کا حق تھا کہ آپ مجھے مارتے، بے شک میری بات غلط تھی، اور آپ کی سوچ درست تھی۔"

زبیر صدمے اور حیرت سے دوچار، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عبدالحق نے جلدی سے بات کا رُخ بدل دیا۔





"اب بتائیں، کیا ارادہ ہے......؟"

"اگر نام آپ کو پسند ہے تو پھر رجسٹریشن کرائیں گے......؟"

"کتنے دن لگیں گے اس میں......؟"

"زیادہ سے زیادہ دو دن......! کاغذات جمع ہو چکے ہیں، رجسٹریشن میں بس نام کی بات ہے۔"

"اس سے اچھا نام کیا ہوسکتا ہے......؟ جبکہ یہ مولوی صاحب نے تجویز کیا ہے۔"

زبیر کھل اُٹھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے کاکا......!"

"اور اس کے بعد کتنے دن لگیں گے......؟"

"سب تیاری ہے کاکا......! مولوی صاحب اساتذہ کا انتخاب کر کے ان سے بات کر چکے ہیں۔ مدرسے کا خدمت گار اسٹاف بھی افتتاح کا منتظر ہے۔ اب آپ یہاں سے اس مدرسے کا افتتاح کر کے ہی جائیں گے۔"

عبدالحق چند لمحے سوچتا رہا، پھر بولا۔

"زبیر بھائی......! یہ پروجیکٹ آپ کا ہے۔ اللہ نے آپ کو یہ سعادت عطا فرمائی ہے۔ اس معاملے میں ہر فیصلے کا حق صرف آپ کو ہے۔"

"میں نے تو سب آپ کی طرف سے کیا ہے کاکا......!"

زبیر روہانسا ہوگیا۔

"اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ مگر اختیار تو آپ ہی کا ہے۔ میں دو تبدیلیاں تجویز کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ قبول کریں......؟"

"کیسی بات کرتے ہیں کاکا......! آپ حکم کریں۔"

عبدالحق جانتا تھا کہ زبیر کا یہ انداز بدلنے والا نہیں۔ بحث کرنے میں محض وقت ضائع ہوگا۔ اس نے کہا۔

"بورڈ میں نے دیکھا تھا مدرسے کا، اس پر مدرسے کے نام کے نیچے "بیاد عبداللہ ٹھاکر" لکھا ہے۔"

"جی کاکا......!"

زبیر نے کہا۔ لیکن وہ بھڑکنے کے لئے تیار تھا۔

"میں اسے تبدیل کرانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن کاکا......! یہ تو ان کا حق تھا۔"

"میں نے کہا ناں زبیر بھائی......! کہ میں صرف تجویز کر رہا ہوں۔ قبول کرنا یا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔"

زبیر چند لمحے گومگو کی کیفیت میں رہا۔ وہ بڑی اور دیرینہ وفاداری اور ورثے میں ملنے والی چھوٹی وفاداری کے درمیان جنگ تھی۔ لحاظ اور مروّت کا امتحان تھا۔ بالآخر اس نے سر اُٹھایا اور آہستہ سے کہا۔

"آپ حکم کریں کاکا......! انشاء اللہ اس پر عمل ہوگا۔"

"اس بورڈ پر ابا جان کے نام کی بجائے "جمال دین شہید" ہونا چاہئے۔"

زبیر نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں سمجھا نہیں کاکا......!"

"آپ کو شاید یہ نام یاد نہیں رہا زبیر بھائی......!"

زبیر ذہن پر زور دیتا رہا۔ پھر اس نے بے بسی سے سر ہلایا۔

"آپ بتائیں کاکا......! مجھے یاد نہیں آ رہا ہے۔"

"آپ کو مجھ سے بہتر طور پر اور زیادہ یاد ہوگا زبیر بھائی......!"

عبدالحق جذباتی ہوگیا۔

"ہمارے گاؤں ٹھاکروں کی گڑھی میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ میں نے وہاں کبھی اذان کی آواز نہیں سنی۔ وہاں کوئی مسجد بھی نہیں تھی۔ اس زمین پر جس نے پہلی بار نماز قائم کی، یہ اس ہستی کا نام ہے۔ اللہ نے اس کے ذریعے اس زمین کو عزت اور سرفرازی عطا فرمائی۔ میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ جہاں میں پیدا ہوا، وہاں میری پیدائش سے پہلے نماز پڑھی جاتی تھی۔"

زبیر نے سر اُٹھایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اسے یاد آگیا تھا۔

"آپ نے ٹھیک کہا کاکا......!"

"اور زبیر بھائی......! اس حویلی میں چار آدمیوں کو اللہ نے شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا۔ میرے ابا جان، چاچا جمال دین، ویر جی وصال دین اور میرے مولوی صاحب، جن کے ہاتھ پر ہان نے اسلام قبول کیا۔"

"بے شک کاکا......!"



"میں ابا جان کی نشانی ہوں، اور اللہ کو منظور ہوا تو نورالحق ابا جان کی نسل کو صراطِ مستقیم ... بڑھائے گا۔ مولوی صاحب الحمدللہ کثیر العیال تھے، کئی بیٹے تھے ان کے۔ لیکن چاچا جمال دین کی نسل رُک گئی۔ تو یہ ضروری ہے کہ انہیں یاد کیا جاتا رہے، اور اس کے لئے اس مدرسے سے اچھا کیا ہو سکتا ہے......؟ اور یہ حق ہے ان کا۔"

"بے شک کاکا......! مجھے افسوس ہے کہ میں انہیں بھول گیا۔"

"اس تبدیلی پر تو افسوس نہیں ہوگا آپ کو......؟"

"بالکل نہیں کاکا......! آپ نے سچ کہا۔ میرے آقا کا نام تو انشاء اللہ آپ اور آپ کی اولاد روشن کرتی رہے گی۔ لیکن آپ نے یہ حق صحیح معنوں میں حق دار کو پہنچا دیا ہے۔"

عبدالحق خوش ہوگیا۔

"اور دوسری تبدیلی کاکا......؟"

"اب وہ آپ خود ہی سوچ لیں تو بہتر ہے۔"

زبیر نے صرف چند لمحے سوچا، پھر بولا۔

"میں سمجھ گیا کاکا......! آپ کی دوسری بات بھی درست ہے۔ اس مدرسے کا افتتاح ... کرائیں گے۔"

"جزاک اللہ...... زبیر بھائی......!"

"راستہ تو آپ نے مجھے دکھایا ہے کاکا......!"

"اللہ کی رحمت سے راستہ آپ نے بنایا ہے زبیر بھائی......!"

عبدالحق نے کہا۔

"آیئے......! اب چلیں۔"

"ایک بات اور ہے کاکا......!"

"وہ بھی بتا دیجئے......!"

"ہم یہاں صرف مدرسے کی وجہ سے آئے تھے۔ اب ہم اپنے اسی پرانے گھر میں رہیں گے۔ یہ گھر میں نے مولوی صاحب کے لئے بنوایا ہے۔ بڑی مشکل سے انہیں راضی کیا۔ وہ یہاں نہیں رہے تھے کسی طرح۔ یہ فرنیچر وغیرہ انہوں نے خود ہی پسند کیا ہے۔"

"آپ نے میرا دل اور خوش کر دیا زبیر بھائی......! جزاک اللہ......!"

❁❁❁

وہ لوگ مغرب سے پہلے ہی حق نگر میں اپنے پرانے مکان میں پہنچ گئے۔ نماز پڑھنے کے لئے وہ مسجد گئے تو نورالحق بھی ساتھ تھا۔ عبدالحق کو حیرت ہوئی، کیونکہ امامت مولوی صاحب کرا رہے تھے۔

نماز کے بعد وہ مولوی صاحب سے ملے۔ عبدالحق انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا... چھ سال بعد مل رہے تھے، لیکن مولوی صاحب تو نورالحق کو تکے جا رہے تھے پھر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب کیا اور لپٹا لیا۔

"ماشاء اللہ......! ماشاء اللہ......! اللّٰھم بارک علیہ......! اللہ ایمان، صحت، عزت، سلامتی کے ساتھ بڑی عمر عطا فرمائے۔ بہت خوب صورت بچہ ہے۔"

اور انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"الحمدللہ......!"

عبدالحق نے آہستہ سے کہا، پھر بولا۔

"آپ کی علالت کا سنا تھا، اب طبیعت کیسی ہے آپ کی......؟"

مولوی صاحب مسکرائے۔

"قرأت کرتے ہوئے میری آواز میں کمزوری محسوس ہوئی تمہیں......؟"

"جی نہیں......!"

"اللہ کا کرم ہے، تمہاری آمد کا سنتے ہی طبیعت سنبھل گئی میری۔"

"میں شرمندہ ہوں، اتنے برسوں......"

"مولوی صاحب نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ ملاقاتیں، یہ صحبتیں بھی رزق ہوتا ہے پتر عبدالحق......! اور اللہ کی طرف سے ہے، اور تم نہیں جانتے کہ تمہارے بیٹے کو اتنا بڑا دیکھنا میرے لئے کتنی بڑی خوشی ہے۔"

عبدالحق سے کچھ بھی نہیں کہا گیا۔ نورالحق مولوی صاحب کو بہت محبت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"میں آپ کو دادا کہہ سکتا ہوں......؟"

"کیوں نہیں شہزادے......؟ یہ تو میرے لئے بڑی عزت کی بات ہوگی۔"

"شکریہ دادا جان......!"





نورالحق نے معصومیت سے کہا۔ عبدالحق نے اس کا سر تھپتھپایا۔

"جو میں چاہتا تھا بیٹے......! وہ تم نے خود ہی کہہ دیا۔"

مولوی صاحب، نورالحق سے اس کے بارے میں پوچھتے رہے۔ پھر وہ عبدالحق کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ملنے کے لئے تڑپ رہے تھے پتر عبدالحق......! پر تمہیں ائشوں سے گزرنا تھا ناں، یہ زبیر پتر مجھے بتاتا رہتا تھا، اور میں بس دُعا ہی کرسکتا تھا تمہارے لئے۔"

"دُعائیں ہی تو کام آگئیں مولوی صاحب......!"

"اللہ بڑا کارساز ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا۔

"اچھا......! اس بار کچھ دن تو رُکو گے ناں......؟"

"جی ہاں......! انشاء اللہ......!"

"پھر اب عشاء کے بعد بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

❀❀❀

مولوی صاحب بوڑھے اور کمزور ہوگئے تھے۔ لیکن آواز ماشاء اللہ ویسی ہی تھی۔ زبیر نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ نماز وہ اسی شان سے پڑھاتے ہیں۔ عبدالحق کچھ مطمئن ہوگیا۔

بڑھاپے اور کمزوری پر تو پچھلی بار چھ سال پہلے اس کی ان سے بات ہوئی تھی۔ اور [illegible] صاحب کی بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ سب کچھ اللہ کی رحمت ہے۔ اللہ کی رحمت محیط ہے پوری کائنات پر۔

اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مولوی صاحب کے بچے جوان ہو چکے ہیں۔ پہلے دو ان کے بیٹے تھے، پھر دو بیٹیاں تھیں۔ مولوی صاحب نے اس سے نورالحق کی تعلیم کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا تو وہ مسکرائے۔

"بہت خوب......! میں تو سمجھا تھا کہ تم نے اسے حفظ کرایا ہوگا۔"

عبدالحق شرمندہ ہوگیا۔

"میری اور اماں کی تو یہی خواہش تھی مولوی صاحب......! لیکن......"

"تم سمجھ رہے ہو کہ مجھے اعتراض ہے اس پر......؟"
مولوی صاحب نے اس کی بات کاٹ دی۔
"نہیں پتر عبدالحق......! مجھے تو یہ سن کر خوشی ہوئی۔ پر یہ بتاؤ کہ تمہاری اور اماں کی مرضی تھی تو پھر اس کے خلاف کیسے ہوا......؟"
عبدالحق نے انہیں ارجمند سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ وہ بہت ... ہوئے۔
"یہ تمہاری بیوی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے پتر عبدالحق......! اس عمر میں سمجھداری......؟ ماشاء اللہ......!"
"اور ویسے ماشاء اللہ نورالحق نے ناظرہ مکمل کرلیا ہے۔"
عبدالحق نے کہا۔
"آپ اپنے بچوں کے بارے میں بھی بتائیں ناں......!"
"بڑے بیٹے نے بی اے کرلیا ہے اور چھوٹا بی اے کرنے والا ہے۔"
مولوی صاحب بولے۔ پھر چند لمحے سوچتے رہے۔
"تم یہی جاننا چاہتے تھے ناں کہ میں نے انہیں قرآن حفظ کرایا ہے یا نہیں...؟"
عبدالحق نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔
"نہیں کرایا پتر......! اور میری بھی وہی سوچ تھی، جو تمہاری بیوی کی ہے۔ ہاں میں نے انہیں قرآن پڑھایا، اپنے طور پر دینی تعلیم بھی دیتا رہا۔ لیکن دُنیا کی تعلیم بھی دلوائی۔"
مولوی صاحب نے ایک گہری سانس لی۔
"دیکھو پتر......! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھانے کی اُجرت، بلکہ اس کے عوض تحفہ قبول کرنے کو بھی منع فرمایا۔ یہ تو مسلمان پر فرض ہے ناں، حق ہے ناں قرآن کا کہ ... نے پڑھا ہو، وہ دوسروں کو پڑھائے۔ تو دینی خدمت کی اُجرت لینا اچھا نہیں۔ امامت کا بھی ... معاملہ ہے۔"
عبدالحق کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن خلافِ ادب ہونے کی وجہ سے خاموش رہا۔ مو... صاحب نے یہ بات بھانپ لی تھی۔ انہوں نے کہا۔
"میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی پتر......! بے شک، میں تم سے، زبیر سے جو کچھ ... ل کرتا رہا۔ مگر میں نے اسے اُجرت کبھی نہیں سمجھا۔ اللہ کی عطا اور تم لوگوں کا احسان سمجھا۔



... موجود ہیں کہ پرانے زمانے میں بزرگ علماء سب کچھ بھول کر علم حدیث میں گم رہے، فاقے ... کرتے رہے، اللہ نے کسی مقتدر بندے کو ان کی امداد پر مامور کر دیا۔ سو میں تمہارا ہدیہ قبول کرتا ... گر پھر یہ مسجد محکمہ اوقاف کے حوالے ہوگئی۔ تب میں نے تنخواہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ... تم لوگوں سے بھی کچھ لینا اچھا نہیں لگا۔ زبیر نے بہت اصرار کیا، مگر میں نہ مانا۔"
عبدالحق پریشان ہوگیا۔ اسے کچھ علم ہی نہیں تھا۔
"تو پھر مولوی صاحب......؟"
"مجھے تو کچھ بھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ بس اللہ پر بھروسہ تھا، اور اللہ نے زبیر کے دل ... ڈال دی۔ اللہ اسے اور تمہیں دونوں جہانوں میں اجر عطا فرمائے۔ اس نے مجھے عزت کا راستہ ... کھایا۔ اس نے مجھے قرضِ حسنہ دیا کاروبار کے لئے۔ الحمدللہ......! اللہ نے اس میں برکت عطا ... کی، اور میرے تمام معاملات سیدھے ہوگئے۔"
"لیکن آپ ظہر اور عصر کے درمیان بچوں کو قرآن پڑھاتے تھے......؟"
"اب بھی پڑھاتا ہوں۔ مگر وقت بدل دیا ہے۔ اب فجر کی نماز کے بعد پڑھاتا ...ں۔ پھر ناشتے کے بعد دُکان پر جاتا ہوں۔ ظہر اور عصر کے لئے دُکان بند کرتا ہوں اور مغرب کے بعد دُکان نہیں کھولتا کہ اللہ نے دن کام کے لئے اور رات آرام کے لئے بنائی ہے۔"
"لیکن مولوی صاحب......! کاروبار کے لئے تو یہ وقت بہت کم ہے۔"
"وقت تو اللہ کا تابع ہے پتر عبدالحق......! اللہ اس میں برکت ڈال دے تو کم کیسے ہو سکتا ہے......؟ پھر رزق بھی اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ تم تو بڑے شہر میں رہتے ہو۔ کیا ایسا نہیں ... تم نے کہ ایک ہی بارونق اور مصروف بازار میں سب سے نمایاں اور موقع کی دُکان پر گاہک ... کم ہوتے ہیں، اور اسی بازار کی ایک دبی ہوئی دُکان پر گاہکوں کا ہجوم رہتا ہے۔ وہاں خریداری میں دیر بھی لگتی ہے، مگر وہ وہاں سے ہٹتے نہیں۔ اللہ نے فرمایا ناں کہ وہ جسے چاہتا ہے نپا تلا ... دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، بے حساب عطا فرماتا ہے۔ نہ تو دُکان چھ گھنٹے کھولنے سے رزق کم ... ہے، نہ سولہ گھنٹے دُکان کھولنے سے رزق بڑھتا ہے۔ دُکان کھولنا تو بس حیلہ ہے پتر......! ... اللہ سے ڈرے، اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ اللہ کا بہت کرم ہے پتر......! کاروبار کا ... بھی میں اُتار چکا ہوں۔"
"الحمدللہ......! اب بچے بھی آپ کا ہاتھ بٹاتے ہوں گے......؟"
"نہیں پتر......! بڑے کو تو کوئی دلچسپی نہیں کاروبار سے۔ اسے تو بس سرکاری ملازمت

میں دلچسپی ہے۔ چھوٹا ساتھ دینا چاہتا ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ تم اپنی تعلیم مکمل کرو، یکسوئی کے ساتھ......!"

عبدالحق نے دل میں حساب لگایا۔ وہ جانتا تھا کہ مولوی صاحب تہجد گزار ہیں۔ سویرے اُٹھتے ہوں گے۔ پھر فجر کے بعد بچوں کو قرآن پڑھانا، ناشتہ کر کے دُکان پر جانا، پھر ساڑھے بارہ بجے تو دُکان بند کرتے ہی ہوں گے۔ گھر آ کر نماز کی تیاری، ظہر کی امامت، پھر کھانا، دو ڈھائی بجے دُکان کھولنا۔ پھر عصر کے لئے بند کرنا۔ پھر مغرب سے پہلے۔ یہ تو بہت مصروف شیڈول تھا۔ دن میں بھی انہیں آرام کا وقت نہیں ملتا ہوگا۔ اب اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ اتنے کمزور اور بوڑھے کیسے ہو گئے......؟

"ابھی چند روز پہلے آپ کی طبیعت خراب ہوئی تھی......؟"

اس نے پوچھا۔

"نہیں......! الحمدللہ......! زبیر کو غلط فہمی ہوگئی۔ میں جمعہ کی نماز سے پہلے دُکان نہیں کھولتا ناں......! اس لئے۔"

"اچھا......! یہ بتائیں، دُکان کس چیز کی ہے آپ کی......؟"

عبدالحق نے موضوع بدلا۔

"کتابوں کے علاوہ اور کیا پسند آتا ہے مجھے......؟"

مولوی صاحب مسکرائے۔

"بہت خوب......! ماشاءاللہ......!"

عبدالحق بھی خوش ہو گیا۔

"اب تو کام بڑھ گیا ہے۔ اللہ کا فضل و کرم ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا۔

"دو حصے ہیں دُکان کے، ایک میں دینی کتب اور قرآن پاک کے نسخے ہیں دوسرے میں درسی کتابیں۔"

"آپ اکیلے کیسے سنبھالتے ہوں گے......؟"

"میں نے کہا ناں، ماشاءاللہ کام بڑھ گیا ہے۔ دو لڑکوں کو رکھ لیا ہے مدد کے لئے محنتی بھی ہیں اور ایماندار بھی۔ تبھی تو میرا بوجھ کم ہو گیا ہے۔"

"الحمدللہ......!"



عبدالحق نے سکون کی سانس لی۔

"مگر اب تو آپ کو مدرسے کی ذمہ داری سنبھالنی ہے۔"

مولوی صاحب نے ایک گہری سانس لی۔

"یہی بات تو تم سے کرنی ہے۔ زبیر کو تو میں سمجھا نہیں سکتا۔"

"ایسی کیا بات ہے مولوی صاحب......؟"

"دیکھو پتر عبدالحق......! دین کا علم پڑھانا عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔"

"آپ عام آدمی تو نہیں......!"

"میں عام آدمی ہی ہوں۔ بس اللہ نے عزت عطا کی ہے۔ وہ جسے چاہے نواز دے۔ میں محض حافظ ہوں، مگر مستند عالم تو نہیں۔ اور لوگوں کو علمِ دین پڑھانا مستند لوگوں کا کام ہے۔ میں نے اس کے لئے الحمدللہ بڑے اہل لوگوں سے بات کر لی ہے۔ دیکھو پتر......! سند تو وہی دے سکتے ہیں، جو خود مستند ہوں۔"

"لیکن آپ بہت کچھ جانتے ہیں الحمدللہ......!"

"کچھ بھی نہیں پتر......! کچھ بھی نہیں......! دیکھو، میں اور تم ان لوگوں کے لئے کچھ کر سکتے ہیں، جو قرآن سے دُور ہیں، پڑھتے ہی نہیں اور پڑھتے ہیں تو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ قرآن سے اللہ نے اپنی رحمت سے جو سمجھایا ہے، وہ ہم اچھے دل نشیں پیرائے میں ان لوگوں تک پہنچا کر ان کے دلوں میں قرآن فہمی کی رغبت پیدا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اور وہاں بھی راغب کرنا تو اللہ ہی کا کام ہے۔ لیکن مدرسے میں جو بچے آئیں گے، وہ تو پتر......! مستقبل کے عالم ہوں گے۔ میں تو اس مدرسے میں پڑھانے کی اہلیت بھی نہیں رکھتا پتر......! ٹھنڈے دل سے سوچو......!"

اور عبدالحق نے سوچا تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مولوی صاحب......!"

اس کے بعد پرانا والا ماحول بن گیا۔ وہ اپنے پسندیدہ موضوع پر باتیں کرتے رہے، اللہ اور قرآن، عبدالحق نے انہیں مسعود صاحب مرحوم کے بارے میں بتایا۔

"یہ خوش بختی ہوتی ہے پتر......!"

مولوی صاحب نے رشک بھرے لہجے میں کہا۔

"اور دیکھو پتر......! اللہ کیسا نوازنے والا ہے۔"

''جی مولوی صاحب......!''

''اخلاص بہت بڑی خوبی ہے اللہ کے ہاں......!''

مولوی صاحب نے کہا۔

''یہ ہو تو دُنیا کا کام بھی عبادت بن جاتا ہے۔''

''جی بے شک......! اور اللہ نے چچا جان کو یہ دولت وافر عطا فرمائی تھی۔ پاکستان سے بے لوث محبت کرتے تھے۔ اللہ کا دیا سبھی کچھ تھا ان کے پاس۔ نوکری کی ضرورت نہیں تھی۔ بس ملک وقوم کی خدمت کرتے تھے۔''

''اور یہ ملک اللہ کا دیا ہوا بہت بڑا تحفہ ہے۔ اس کے ساتھ اخلاص تو اللہ کے ہاں مقبول ہونا ہی ہے۔''

''اور صرف یہ نہیں کہ اپنی خدمت پر اکتفا کر لیتے۔''

عبدالحق نے کہا۔

''جہاں کوئی جوہرِ قابل نظر آیا، اسے ملک اور قوم کے لئے اپنا لیا۔ اسے سرکاری نوکری کی طرف لانے کی ایسی کوشش کی، جیسے وہ ان کی ذاتی ضرورت ہو۔ خوشامد تک کرتے تھے اس کے لئے۔ اپنا پیسہ تک خرچ کرتے تھے ان پر۔ کہتے تھے، ملک کو مخلص اور ایماندار افسروں کی ضرورت ہے۔ اَن گنت شاگرد ان کے اہم عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔''

''اور جب ریٹائر ہوئے تو رُخ بدل لیا۔''

''جی ہاں......!''

''پر پتر......! غور کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ تو پہلے بھی اللہ کی نوکری کر رہے تھے اور بعد میں بھی۔ بس ڈیوٹی پہلے کچھ اور تھی اور بعد میں کچھ اور ہوگئی۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مولوی صاحب......!''

''بس پتر......! بات یہ ہے کہ خوش نصیب تھے۔''

مولوی صاحب نے کہا۔ پھر کچھ توقف کے بعد بولے۔

''تمہیں بھی پتر......! رہائی مل گئی ناں سرکاری نوکری سے، یہاں بھی بڑا شور ہنگامہ رہا اس کا۔''

''جی مولوی صاحب......! شکر ہے اللہ کا......!''

عبدالحق نے کہا۔





''جو ہوا، بہتر ہوا۔''

''پر آگے کا بھی کچھ سوچا ہے پتر......؟''

عبدالحق نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''اب تو فرصت ہے ناں تمہیں، تو وقت کا کوئی مصرف بھی سوچنا ہوگا۔''

عبدالحق کو حیرت ہوئی کہ خود اس نے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ اسے سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی۔ ہر بار وہ کسی معاملے میں اُلجھ گیا تھا۔ حق نگر آنے تک کا موقع نہیں ملا تھا اسے۔

''ابھی تک تو کچھ بھی نہیں سوچا مولوی صاحب......!''

اس نے شرمندگی سے کہا۔

''تو اب سوچو......!''

''کیا سوچوں......؟ کاروبار میں تو دل نہیں لگتا۔ بس میرے تو قرآن ہی کافی ہے۔''

''اس کے لئے تو سو سال کی عمر بھی کم ہے پتر......! بلکہ صدیاں بھی کم ہیں۔''

''بس......! جو اللہ عطا فرما دے۔''

''مگر کچھ آگے بڑھ کر بھی تو سوچنا چاہئے بندے کو۔''

عبدالحق نے انہیں بہت غور سے دیکھا۔

''آپ کے ذہن میں کچھ ہو تو فرمائیں۔''

مولوی صاحب چند لمحے سوچتے رہے، پھر بولے۔

''میں تو تمہارے بارے میں سوچتا ہی رہتا ہوں پتر......! سب سے پہلے تو میں یہ سوچتا ہوں کہ تم کو یہاں واپس آجانا چاہئے۔''

عبدالحق نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''دیکھو ناں......! اب سرکاری ملازمت کی مجبوری بھی نہیں ہے، اور یہ تمہاری زمین ہے، تمہاری جڑیں یہیں پر ہیں۔ اس زمین کا، یہاں کے لوگوں کا تم پر حق ہے۔''

''بات آپ کی ٹھیک ہے مولوی صاحب......!''

عبدالحق نے کہا۔

''مگر مجھے لگتا ہے کہ آپ کے ذہن میں بہت کچھ ہے تو کھل کر، تفصیل کے ساتھ بات کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے......؟''

"بات سیدھی سی ہے پتر عبدالحق......! یہ تمہارا گھر ہے۔ یہاں کے لوگ تم سے محبت کرتے ہیں۔ اور پتر......! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہوتی ہے کہ عام لوگ کسی اچھے آدمی سے، کسی اللہ والے سے ایسی محبت کریں۔ اس میں خیر ہوتی ہے ان کے لئے۔ لیکن پتر......! وہ تم نے سنا ہے ناں کہ آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل۔ بندہ دُور ہو جائے تو تھوڑا بہت فرق پڑتا ہے، اور لمبا عرصہ ہو جائے تو محبت ختم بھی ہو جاتی ہے۔"

"محبت تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے ناں مولوی صاحب......!"

"بے شک......! سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ محبت بھی نعمت ہے ناں پتر...... اور عزت بھی۔ تو اس پر شکر ادا کرنا بندے پر لازم۔ اور اس میں اضافے کی کوشش کرنا، اور اس کی حفاظت کرنا بھی بندے کا فرض ہوتا ہے۔"

"جی بے شک مولوی صاحب......!"

عبدالحق کو اپنی کوتاہی کا احساس ہونے لگا۔

"محبتیں خون میں بھی شامل ہوتی ہیں۔ والدین سے اولاد کو بھی ملتی ہیں۔ مگر سامنے رہنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ یہاں کی دو نسلیں تم سے بہت محبت کرتی ہیں پتر......! ایک پرانے لوگ اور دوسرے ان کی وہ اولاد، جس نے تمہیں دیکھا ہے۔ لیکن پچھلے دس سال میں پیدا ہونے والے بچے بس تمہارے نام سے واقف ہیں۔ وہ تمہیں نہیں جانتے۔ انہوں نے تمہیں نہیں دیکھا۔ انہوں نے تمہارے بارے میں صرف سنا ہے، اور وہ یہ جانتے ہیں کہ حق نگر تمہارے نام سے موسوم ہے۔"

"مگر مولوی صاحب......! کیا ضروری ہے کہ یہاں سب مجھ سے محبت کریں......؟"

عبدالحق نے کہا۔

"حیرت ہے کہ تم اس کی اہمیت نہیں سمجھتے پتر......؟"

مولوی صاحب کے لہجے میں ہلکی سی ملامت تھی۔

"یہ محبت اتنی اہم ہے کہ یہاں کچھ لوگوں نے تمہارا مقام حاصل کرنے کی باقاعدہ کوشش کی۔ لیکن اللہ کی مہربانی سے ناکام رہے۔ اب تم سوچو، لوگ جس سے محبت کرتے ہیں، اس جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں ناں......! یہاں جو لوگ تمہاری جگہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ اچھے لوگ نہیں، مفاد پرست ہیں، اور ان کا اللہ سے اور اس کے دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ آج تم خود سوچ لو۔"

عبدالحق نے سوچا اور بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اللہ جب کسی کو عزت اور محبت



ہے تو اس کے ساتھ اس پر ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔

"زبیر مصروفیات کے باوجود اس علاقے سے جڑا رہا۔ لوگوں سے رابطے میں رہا۔ خدمت میں پیش پیش رہا۔ ورنہ عبدالحق پتر......! اب تک بہت فرق پڑ جاتا تھا۔ اب سیاست کا زمانہ ہے پتر......! سیاست دان تو لوگوں کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

یہ درست تھا۔ زبیر سب کچھ سنبھالتا رہا تھا۔ اتنا کچھ کرتا رہا تھا، جو ایک آدمی کے بس کی بات نہیں لگتی تھی۔

"آپ چاہتے ہیں کہ میں حق نگر میں رہائش اختیار کر لوں......؟"

"ہاں پتر......! میرے خیال میں یہ ضروری ہے۔ اس میں علاقے کے لوگوں کی بہتری ہے۔"

"اور آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہئے......؟"

"لوگوں سے رابطے میں رہنا چاہئے تمہیں۔"

"کس طرح......؟"

"ایک تو علاقے میں فلاحی اور رفاہی کاموں کے ذریعے، جو زبیر جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس طرح سے زبیر کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا اور نئی نسل بھی تمہیں جاننے لگے گی۔"

"اور......؟"

"دوسرا ذریعہ زیادہ اہم ہے، اور وہ ہے قرآن......!"

مولوی صاحب نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا مولوی صاحب......!"

"دیکھو پتر......! بچوں کے لئے تو قرآن کو، دین کو سمجھنے کے مواقع بہت ہیں۔ اب یہ تمہارا مدرسہ ہی بہت کام کرے گا انشاء اللہ......! لیکن جو لوگ زندگی کی مصروفیات میں، روزگار میں الجھے ہوئے ہیں، وہ بڑی دشواری اور خسارے میں ہیں، اور اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ انہیں اس کی خبر بھی نہیں ہے۔ انہیں قرآن پڑھنے کی فرصت بھی نہیں ملتی۔ اور پڑھیں تو انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہا کیا جا رہا ہے......؟ تو ایسے لوگوں کو قرآن کی رغبت دلانا، ان کو قرآن فہمی کی راہ پر لے جانا بڑا کام ہے۔ انشاء اللہ بڑا اجر ملے گا۔"

"قرآن تو اللہ ہی پڑھواتا ہے مولوی صاحب......! اور وہی مطلب بھی سمجھاتا ہے۔"

"بے شک پتر......! ایسے ہی تمہیں اور مجھے بھی سمجھایا اس نے۔ تو جو اللہ نے تمہیں

سمجھایا، وہ دوسرے لوگوں تک پہنچا دو۔ یہ تو حق ہے قرآن کا۔"

"لیکن مولوی صاحب......! یہ تو علماء قرآن کا کام ہے۔ میری تو یہ حیثیت نہیں۔"

"اسی لئے تو اکثریت محروم رہ جاتی ہے پتر......!"

مولوی صاحب کے لہجے میں تاسف تھا۔

"اس سطح پر پڑھنا اور پڑھانا سب لوگوں کے بس کی بات نہیں، جبکہ اللہ کا حکم کچھ اور ہے۔"

"کچھ وضاحت کریں مولوی صاحب......!"

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر تھے اور قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے، جس کے ذریعے دین مکمل کر دیا گیا۔ اس نہ کسی پیغمبر کو آنا ہے، نہ ہی کوئی صحیفہ اُترنا ہے، اور اللہ نے فرمایا:

"تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم تمام لوگوں پر۔"

تو یہ ذمہ داری اس اُمت پر ڈال دی گئی کہ اسے یہ روشنی دوسروں تک پہنچانی ہے۔ مگر ہم تو اپنے لوگوں تک بھی نہیں پہنچا پاتے۔"

"مجھے تو اپنے عجز کا احساس روکتا ہے۔ میں سوچتا ہوں، جو کچھ اللہ کی رحمت اور فضل سے قرآن میں سے میں نے سمجھا، وہ بس میرے اپنے لئے ہے۔ میں اسے آگے بڑھانے کا اہل نہیں۔"

"غلط سوچ ہے پتر......! جو تم نے سمجھا، اسے ان لوگوں تک پہنچاؤ، جو تم سے کم سمجھنے والے ہیں اور جو بالکل نہیں سمجھتے، ان کا تو حق اور زیادہ ہے۔ اس سے انشاء اللہ تمہاری اپنی روشنی بڑھے گی۔"

"میں ڈرتا ہوں مولوی صاحب......! بہت ڈرتا ہوں۔ سورۂ حشر میں جو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم اس کلام کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے......"

"تو اس کا مطلب یہ بھی تو ہے پتر......! کہ اللہ نے انسان کو ظرف اور سمائی عطا فرمائی تبھی تو یہ بوجھ اُٹھایا اس نے۔ جو لوگ عام لوگوں کو قرآن پڑھنے سے یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ یہ بہت بھاری کلام ہے، سے سمجھنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں، وہ زیادتی کرتے ہیں۔ سورۂ قمر میں اللہ نے آیت مبارکہ کی تکرار فرمائی ہے۔

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ"

"اور ہم نے آسان کر دیا ہے اس قرآن کو نصیحت



کے لئے، تو کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔"

اللہ تو تمام انسانوں کو رغبت دلا رہا ہے، دعوت دے رہا ہے۔ اس کا کلام ہے، وہی ...ھواتا ہے اور وہی فہم عطا کرتا ہے پتر......! اور جہاں خطرہ ہے تو وہاں اس کریم نے خبردار بھی کر دیا ہے۔ اس نے بتا دیا ہے کہ متشابہات آزمائش کے لئے ہیں، ان کی طرف مت جاؤ، صاف آیات ...ت ہیں، انہیں پڑھو، سمجھو اور عمل کرو۔ احکامات ہیں، تنبیہات ہیں، مبشرات ہیں۔ یہ سب تمہارے لئے ہیں۔ پڑھو، سمجھو، عمل کرو اور دوسروں تک پہنچا کر عمل کی تلقین کرو۔"

عبدالحق کے چہرے پر ہچکچاہٹ تھی۔

"کیا بات ہے پتر......؟ تمہارا دل میری بات نہیں مانتا ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے مولوی صاحب......! میں محسوس کرتا ہوں کہ زبان سے زیادہ بہتر طور پر میں یہ کام قلم سے کر سکتا ہوں۔"

"مگر پتر......! زیادہ لوگ تو وہ ہیں جو پڑھنا نہیں جانتے، اور پڑھنے والے قرآن نہیں پڑھتے تو تشریح کیا پڑھیں گے......؟"

"ٹھیک ہے مولوی صاحب......! میں انشاء اللہ کوشش کروں گا۔"

"جزاک اللہ پتر......!"

❁❁❁

اچھی نہ سہی، بہرحال کاشف چوہدری نے ایک نیند لے لی تھی۔ لیکن وہ تازہ دم ہرگز نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس پر ایک عجیب سا اضمحلال طاری تھا۔ اور وہ صرف ذہنی ہی نہیں، جسمانی بھی تھا۔

اندھیرا ہوا تو وہ بوتل لے کر بیٹھ گیا، اکیلا، خلاف معمول اس نے اپنے آدمیوں سے ...ن کی فرمائش بھی نہیں کی تھی۔ وہ جھنجلا رہا تھا، اپنی ناکامی پر بھی اور محرومی پر بھی۔ یہ ڈر الگ تھا کہ اس ناکام ایڈونچر کا پاپا جی کو علم ہوا تو وہ اس کی بڑی اچھی طرح خبر لیں گے۔ اس نے ان کے حکم کے خلاف یہ قدم اُٹھایا تھا۔

ایسے میں دروازے پر ہونے والی وہ سہمی ہوئی سی دستک اسے بہت بری لگی۔

"کیا ہے......؟ میں نے کہا ناں کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو، کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔"

اس نے دہاڑ کر کہا۔ باہر کھڑے امیر علی نے دستک سے زیادہ سہمی ہوئی آواز میں

کہا۔

''بہت ضروری نہ ہوتا تو آپ کو تنگ نہ کرتا چوہدری جی......!''

''اندر آ کر بات کرو۔ کیا مصیبت ہے......؟''

امیر علی اندر آیا اور کچھ فاصلے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''اب بکو ناں......! کیا بات ہے......؟''

''وہ جی چوہدری صاحب......! زبیر صاحب آئے ہیں۔''

''کون زبیر......؟''

کاشف چوہدری اس وقت کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں تھا۔

''وہ جی عبدالحق والے زبیر صاحب......!''

کاشف چوہدری کو کرنٹ سا لگا۔

''کیوں آیا ہے وہ......؟ کیا کہتا ہے......؟''

''آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''اور تو اتنی عزت سے اس کے بارے میں بات کئے جا رہا ہے......؟''

کاشف چوہدری نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

''وہ جی...... میں تو...... میں تو بس......''

امیر علی اور بوکھلا گیا۔

''جا......! اس سے کہہ دے کہ میں نے نہیں ملنا اس سے۔''

''میں کہہ چکا ہوں چوہدری جی......! پر وہ کہتا ہے کہ اس میں آپ کا فائدہ ہے۔ نہیں ملیں گے تو آپ کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔ پھر بعد میں شکایت نہ ہو، اس لئے وہ اصرار کر رہا ہے۔''

کاشف چوہدری چند لمحے سوچتا رہا۔

''آج ہی کا تو وہ واقعہ تھا۔ زبیر چالاک آدمی تھا، سمجھ تو گیا ہوگا۔ لیکن ثابت تو کچھ نہیں کر سکتا۔ پھر آخر کیوں آیا ہے وہ......؟ اور یہ دھمکی......؟''

بالآخر اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''جا......! لے آ اسے۔''

دو منٹ بعد زبیر امیر علی کے ساتھ کمرے میں آیا۔ امیر علی حسب سابق کچھ فاصلے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔





''آ ؤ بیٹھو......!''

کاشف چوہدری نے سامنے والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا۔''

زبیر نے سخت لہجے میں کہا۔

''اور میں نے تمہیں بلایا بھی نہیں، تو یہاں آئے کیوں ہو......؟''

''تمہیں خبردار کرنے۔''

''اوہ......! تو یہ کام بھی کر دو۔''

کاشف چوہدری نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''اس کے سامنے......؟''

زبیر نے امیر علی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ میرا خاص آدمی ہے۔ اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں۔''

''جانتا ہوں، ایسے اور لوگوں کو بھی جانتا ہوں۔''

زبیر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''لیکن جو کچھ میں کہنے والا ہوں، تمہیں اچھا نہیں لگے گا کہ وہ تمہارے علاوہ کوئی اور سنے۔ آگے تمہاری مرضی......! مجھے کوئی فرض نہیں پڑتا۔''

کاشف چوہدری کی نگاہوں سے اُلجھن جھانکنے لگی۔ چند لمحے کی ذہنی کشمکش کے بعد بالآخر اس نے امیر علی سے کہا۔

''ٹھیک ہے امیر علی......! تو جا......! اب میرے بلائے بغیر یہاں نہ آنا۔''

امیر علی چلا گیا۔ انداز بتاتا تھا کہ وہ وہاں رُکنا چاہتا بھی نہیں تھا۔ لیکن باہر جاتے ہی اس نے چوہدری کے اشارے کے مطابق اپنے آدمیوں کو خبردار کر دیا۔ اب وہ چوہدری کی ایک آواز پر چند لمحوں میں کمرے میں داخل ہو سکتے تھے۔

''ہاں......! اب بول، کیا کہنا ہے تجھے......؟''

اندر کمرے میں کاشف چوہدری نے زبیر سے کہا۔

''افسوس چھوٹے چوہدری......! تمہارے باپ کو تمہاری تربیت کی فرصت ہی نہیں ملی۔ اس نے تمہیں تمیز نہیں سکھائی۔''

''بس......!''

چوہدری نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"صرف کام کی بات......!"

"یہ جو میں کہہ رہا ہوں، یہ بات بھی کبھی تمہارے کام آئے گی چھوٹے چوہدری......!"

زبیر نے بڑے سکون سے کہا۔

"تم اپنے لئے تمیز اور آداب سکھانے والے کسی اُستاد کا بندوبست کر لو، ورنہ وقت سکھائے گا تو اس میں بڑی سختی ہوگی۔ تب میری بات یاد کرو گے۔"

"یہی کہنا تھا تجھے......؟"

"نہیں چھوٹے چوہدری......! یہ تو مفت مشورہ تھا۔ اب کام کی بات سن لو......!"

"میں بہت بے تاب ہو رہا ہوں۔"

کاشف چوہدری نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"تمہیں یہ سمجھانا ہے کہ ہم بلاوجہ کسی سے اُلجھنے والے نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم ہم سے اُلجھنے کی کوشش نہ کرو۔"

"اُلجھا تو اس سے جاتا ہے جو برابر کا ہو۔"

"بالکل ٹھیک......! میرا بھی یہی کہنا ہے۔ اسی لئے میں تم لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن جو کچھ تم نے آج کیا، اس کے بعد یہ ضروری تھا کہ میں تمہیں خبردار کر دوں۔ ہم تمہاری طرح چھپ کر وار نہیں کرتے، اعلان کر کے مارتے ہیں۔ آج تو میں نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، لیکن اگلی بار تمہیں جواب ملے گا اور بہت بھاری جواب ہوگا۔"

"جانے کیا بکواس کر رہے ہو تم......؟ آج کیا ہوا......؟ مجھے تو کچھ معلوم نہیں......!"

"مکار عورتوں کی طرح کے مرد مجھے اچھے نہیں لگتے۔ کچھ کرو چوہدری......! تو اس کا سامنا کرنے کا حوصلہ بھی رکھو۔"

کاشف چوہدری اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے انداز میں برہمی تھی۔

"پتا ہے، تم بات کس سے کر رہے ہو......؟ میں چاہوں تو تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکتے۔"

"میں اس کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔"

زبیر اب بھی پُرسکون تھا۔



"اللہ نے آج یہاں میری موت لکھی ہے تو آ کر رہے گی۔ لیکن تم اپنی سوچو چوہدری......! مجھے تم کو ختم کرنے میں دو سیکنڈ لگیں گے۔ اپنے آدمیوں کے کمرے میں قدم رکھنے سے پہلے تم مر چکے ہوگے۔ ذرا سوچو کہ میں یہاں اکیلا آیا ہوں، اور بڑی بات نہیں کرتا۔ تمہارے کئی آدمی بھی مریں گے میرے ہاتھوں۔ اور اللہ کا حکم ہوا تو میں یہاں سے زندہ جاؤں گا۔"

کاشف چوہدری کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ وہ غور سے زبیر کو دیکھ رہا تھا، جس نے ابھی تک کوئی ہتھیار نہیں دکھایا تھا۔ مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے زبیر کو تنہائی میں بلا کر غلطی کی ہے۔

"ڈرو نہیں چھوٹے چوہدری......! سکون سے بیٹھ جاؤ۔ اور میری بات دھیان سے سنو......!"

زبیر کے لہجے کے اعتماد نے کاشف چوہدری کو اور ہلا دیا۔ وہ جلدی سے بیٹھ گیا، کیونکہ اس کی ٹانگیں لرزنے لگی تھیں۔

"تمہارا باپ عقل مند ہے، لیکن تم بے وقوف ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ بڑے چوہدری نے تمہیں کچھ نہیں سکھایا، تو میں نے سوچا کہ چلو، آج اس کی ذمہ داری میں پوری کر دوں۔"

زبیر نے کہا اور ایک لمحہ توقف کیا۔ پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"دشمنی کوئی اچھی چیز نہیں ہوتی چھوٹے چوہدری......! لیکن دشمن برے بھی ہوتے ہیں اور اچھے بھی۔ بہتر ہے کہ کسی سے دشمنی نہ کرو۔ لیکن کرو تو اپنے دشمن کو بہت اچھی طرح سمجھو۔ ...ے، اس کی فطرت سے، اس کی کمزوریوں اور اس کی طاقت سے واقفیت حاصل کرو۔ اپنی ...ت کے خیال میں مست رہنا غفلت ہے۔ ممکن ہے، دشمن تم سے زیادہ طاقت ور ہو۔ ایسے میں ...ت عملی کام آتی ہے۔ دشمن پر اوچھا وار بھی نہ کرو، کیونکہ دشمن سانپ کی طرح ہوتا ہے۔ تم ...ے اور ادھر اس نے تمہیں ڈسا۔"

"اچھا لیکچر ہے۔ پر مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔"

کاشف چوہدری نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"سمجھو تو سمجھ میں آئے ناں......!"

زبیر نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ہم سے دشمنی کرتے ہو اور خرابی یہ ہے کہ ہمیں سمجھنے اور ...نے کی کوشش بھی نہیں کی تم نے۔"

"تم میں کچھ ایسا ہے کہ جسے سمجھا جائے......؟"

"تبھی تو تم کو سمجھانے تمہاری حویلی آیا ہوں۔ دیکھو چھوٹے چوہدری......! بادشاہ اگر سپہ سالار نہ ہو تو شکست کی صورت میں ذِلت اُٹھاتا ہے۔ اور اگر وہ سپہ سالار بھی ہو تو عزت کے ساتھ لڑتے ہوئے مارا جاتا ہے یا گرفتار ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں عزت ہوتی ہے اس کی۔ لیکن فوج کے ہارنے کے بعد خود تلوار بھی نہ اُٹھا سکے اور بے یار و مددگار گرفتار ہو تو عزت نہیں ہوتی اس کی۔ تم میں اور ہم میں یہی فرق ہے۔ تم خریدے ہوئے لوگوں کو آگے کرتے ہو اور خود پیچھے رہتے ہو۔ ہم اپنی جنگ آپ لڑتے ہیں۔ آج تم نے یہی کیا، اسی لئے یہاں شرمندہ بیٹھے ہو۔ اور میں خود، اکیلا یہاں آیا ہوں۔ چاہوں تو تمہاری آج کی کمینگی کے جواب میں تمہیں تمہارے گھر میں ذلیل......"

کاشف چوہدری کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو پکارنے کے لئے منہ کھولا۔ لیکن زبیر کو اس ردِعمل کا اندازہ تھا، اور وہ اس کے لئے تیار بھی تھا۔ اس نے تیزی سے ریوالور نکالا اور اس کا رُخ کاشف چوہدری کی طرف کر دیا۔

"آواز تمہاری پہلے نہیں نکلے گی چھوٹے چوہدری......! میرا ریوالور چلاّئے گا۔ اور اس کے بعد تم کچھ بھی نہیں سن سکو گے۔"

اب کاشف چوہدری بالکل ہی ڈھیر ہو گیا۔

"تم پتا نہیں کیا سمجھ رہے ہو......؟ میں نے کچھ بھی نہیں کیا تمہارے خلاف۔"

"مسئلہ یہی ہے چھوٹے چوہدری......! کہ تم دماغ سے کام نہیں لیتے اپنے باپ کی طرح۔ کرائے کی طاقت کے بل پر لڑتے ہو اور دُشمن کو تولتے بھی نہیں۔ میں پورے دن خالی نہیں بیٹھا ہوں۔ جس کھدائی نے سڑک بلاک کی، وہ شہری انتظامیہ نے نہیں کرائی۔ اس کی تصویریں کھینچ لی گئی ہیں۔ کل اخبار میں شائع ہو جائیں گی۔ تم راتوں رات اسے بھروا کر جان نہیں چھڑا سکتے۔ جو تمہارے آدمی جو اپنے ہتھیار چھوڑ کر بھاگے، ان پر ان کے اُنگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ میں نے تھانے میں رپورٹ درج کروا دی ہے۔ وہ نشانات بھی اُٹھا لئے گئے ہیں۔"

"اس سے کیا ثابت ہوگا......؟"

"میری پوری بات سن لو......! تمہارے جو دو زخمی آدمی سلطان پور بھیجے گئے ہیں، ان کی یہاں تصویریں کھینچ لی گئی ہیں، اور وہ وہی ہیں، جن کے ہتھیار، کلہاڑیاں ہمارے پاس ہیں۔ اور سنو......! ٹرک کا نمبر بھی میرے پاس ہے۔ پولیس کی مار پڑے گی تو ڈرائیور کو سچ اُگلنے میں دیر





بھی نہیں لگیں گے۔ پورا کیس تیار ہے۔ پرچہ میں کٹوا چکا ہوں۔ یہ ثبوت یکجا کر دوں تو تم اپنے باپ کا اثر و رسوخ استعمال کرتے پھرو گے۔ مگر یہ نہ بھولو کہ اس میں بھی ہم تم لوگوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ آئی بات سمجھ میں......؟"

کاشف ہونقوں کی طرح منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور یہ بھی سن لو کہ کاکا نے ہاتھ ہلکا رکھا۔ تمہارے آدمی مر بھی سکتے تھے، اور یہ بھی لکن تھا کہ وہ سب ڈھیر ہو جاتے اور انہیں اُٹھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ پولیس ہی انہیں آکر وہاں سے اُٹھاتی اور پھر یہ دو جمع دو چار والی بات تھی۔ کاکا ایسے بیس تیس مسلح آدمیوں سے اکیلے نمٹ سکتے ہیں۔"

کاشف چوہدری سوچ رہا تھا۔ امیر علی نے بھی یہی کہا تھا کہ عبدالحق ماہر لٹھیا باز ہے اور ایسے بیس آدمیوں کے لئے وہ اکیلا ہی کافی تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ عبدالحق نے میدے اور صابر کو نکال لانے کا موقع دیا تھا، ورنہ یہ ممکن نہ ہوتا۔

"ان مہربانیوں کی وجہ بھی بتا دو......!"

اس نے کہا۔

"ہم کوشش کرتے ہیں کہ کسی کو ہم سے نقصان نہ پہنچے، اور ہمیں اچھا نہیں لگتا کہ ہماری کسی سے دُشمنی ہو۔ ہم دُشمن کو بھلے روّیے سے ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہم صلح دو ہیں، محبت کرنے والے ہیں۔"

"یہ کہو ناں کہ بزدل ہو۔"

"کاکا نے اکیلے تمہارے آدمیوں کو مار بھگایا اور ان پر رحم بھی کیا۔ یہ بزدلی ہے......؟ اور تم آدمی بھیج کر خود پیچھے جیپ میں بیٹھے رہے، وہ بہادری تھی......؟ واہ چھوٹے چوہدری......! تمہیں شرم بھی نہیں آتی۔"

کاشف چوہدری کے پاس اب کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔

"اب وہ بات، جس کے لئے میں آیا ہوں۔"

زبیر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں۔ عزت ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ عزت کے لئے ہم جان دے بھی سکتے ہیں اور لے بھی سکتے ہیں۔ اور ہم آدمیوں کے زور پر نہیں لڑتے۔ اپنی جنگ ہم آپ لڑتے ہیں، اور یہ تم دیکھ چکے ہو۔ ایک غلطی تم نے کر دی۔ اب میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں کہ

دوسری غلطی کی گنجائش نہیں، اور تم کیونکہ خود پیچھے رہ کر خریدے ہوئے لوگوں کو آگے کرنے والے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ ہم فسادی جڑ ختم کرنے والے ہیں۔ خریدے ہوئے لوگوں کے ساتھ نرمی کر سکتے ہیں، مگر خریدنے والوں کو نہیں چھوڑتے۔ کوئی ایسا ویسا خیال دل میں ہو تو اسے فوراً نکال دو۔ ایسے معاملات پر میں کھل کر گفتگو نہیں کرتا۔ لیکن تم سمجھدار ہو۔"

زبیر پلٹا اور باہر جانے لگا۔ کاشف چودری دم بخود بیٹھا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر زبیر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"تمہاری اس حرکت سے بڑے چوہدری صاحب بے خبر نہیں رہیں گے۔"

اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اور انہیں یہ احساس بھی ہو جائے گا کہ تمہاری صحیح تربیت نہ کر کے انہوں نے غلطی کی ہے، تمہیں نقصان پہنچایا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اب بھی تمہیں کچھ سکھاتے ہیں یا نہیں۔ بہرحال میدے اور صابر کے خلاف پرچا کٹ چکا ہے۔ میں نے ان کی گرفتاری پر زور نہیں دیا۔ آگے کا انحصار تمہارے روّیے پر ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹا اور کمرے سے نکل گیا۔ کاشف چوہدری خالی خالی نظروں سے دروازے کو دیکھتا رہا۔ وہ سانس لینا بھی بھول گیا تھا۔

❀❀❀

وہ کیسا بھرپور دن تھا۔ ایک دن میں کیا کیا کچھ ہو گیا تھا۔ اتنا کہ یقین نہیں آتا تھا۔

گزشتہ رات، صرف چوبیس گھنٹے پہلے انہوں نے لاہور سے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اب سڑک کے راستے سفر آسان تو نہیں ہوتا۔ وہ تو ویسے ہی تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ مگر یہاں تو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی آزمائشیں شروع ہو گئی تھیں۔ عبدالحق ذہن میں وہ سب کچھ دُہرا رہا تھا۔

سڑکوں کی رُکاوٹیں، کھدائی، پھر عقب سے نمودار ہو کر واپسی کا راستہ روکنے والا ٹرک۔ بظاہر وہ سب کچھ اتفاق ہی لگ رہا تھا۔ اور وہ اسے اتفاق ہی سمجھتا، لیکن آگے جو کچھ ہوا، اس کی سنگینی سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا تھا۔

عبدالحق نے وہیں ان کی نیت اور حکمت عملی سمجھ لی تھی، اور اب یاد کرتے ہوئے وہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ حملہ آور یہ چاہتے تھے کہ ان میں جو ڈنڈا بردار ہیں، اسے اُلجھا لیں اور جو دو کلہاڑی تھامے ہوئے تھے، وہ گھوم کر جائیں اور ارجمند کو اُٹھا لیں۔



یہ سوچتے ہوئے اس وقت بھی اس کے جسم میں چنگاریاں سی دہک اُٹھیں۔

اور اس نے بھی جوابی حکمت عملی ترتیب دی تھی۔ اس نے کلہاڑی والوں پر ہی نظر رکھی ہوئی تھی۔ خوش قسمتی سے ڈنڈے والے یہ سمجھ گئے تھے کہ وہ لٹھیا چلانے کا ماہر ہے اور اس کے مقابل آنے سے جھجک رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں کلہاڑی والے مار کھا گئے۔

اگر وہ چاہتا تو گرنے والوں کو لے جانا ان کے ساتھیوں کے لئے ناممکن ہو جاتا۔ لیکن وہ خود یہ نہیں چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ فیملی تھی، عورتیں تھیں۔ دوسرے وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ معاملہ پوری طرح کھلے۔ وہ چاہتا تھا کہ حجاب درمیان میں رہے۔ ایسے میں سدھار کی گنجائش رہتی ہے۔

پھر وہ حویلی والا معاملہ، جس میں اپنی بدگمانی پر وہ اب بھی شرمندہ تھا۔ وہ تو اس کے لئے بہت بڑا تحفہ تھا زبیر کی طرف سے۔ اس کی وجہ سے وہ جذباتی اور اعصابی طور پر بوجھل ہو گیا تھا۔

اور اس کے بعد مولوی صاحب سے طویل ملاقات ہوئی تھی، بہت کام کی گفتگو ہوئی تھی۔ اب ایسے میں وہ اسے ناقابل یقین حد تک طویل دن نہ لگتا تو حیرت کی بات ہوتی۔

وہ نیند کو ترس رہا تھا۔ لیکن بے پناہ تھکن کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ایسے میں ارجمند نے اس کے پاؤں دبانے کے لئے اسے چھوا تو اس کے جسم میں جیسے راحت کی لہر سی دوڑ گئی۔ پہلی بار جیسے یہ اس کی ضرورت تھی۔

"آج تو بہت تھک گئے ہوں گے آپ......؟"

ارجمند نے کہا۔

"ہاں، واقعی......!"

کہتے کہتے اسے ایک خیال آیا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"الحمدللہ......! آج کا دن میرے لئے بہت بڑا اور مبارک دن تھا۔"

"جی، بے شک......!"

"حویلی کا زندہ کیا جانا اور وہاں مدرسے کا قیام، یہ اللہ کا بہت بڑا کرم ہے مجھ

"جی آغا جی......!"

تب اچانک اسے خیال آیا اور اس نے تیز لہجے میں کہا۔

"شکر کے نفل تو نہیں ادا کئے ہوں گے تم نے......؟"

"یہ کیسے ممکن ہے آغا جی......؟"

ارجمند نے بڑی سادگی سے کہا۔

"دادی اماں نے، چاچی نے اور میں نے بلکہ ساجد اور نورالحق نے بھی شکر کے نفل حویلی والی مسجد میں ہی ادا کئے تھے، اس وقت جب ہم حویلی دیکھنے کے لئے اندر گئے تھے، آپ اور چاچا تو باہر ہی رہ گئے تھے ناں......!"

عبدالحق کو اپنا جسم سرد ہوتا محسوس ہوا۔

"یہ کیا بات ہے......؟"

کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے اس میں......؟ وہ ہر ایک کے بارے میں بدگمانی کرنے لگا ہے۔ پہلے زبیر اور اب ارجمند......؟ حالانکہ ثابت یہ ہوا کہ وہ خود شکر ادا کرنے میں سے سب سے پیچھے رہ گیا۔ وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ ارجمند اس کے پیر دبانے لگی۔

"مولوی صاحب چاہتے ہیں کہ ہم حق نگر میں ہی اقامت اختیار کریں۔ تمہاری کیا رائے ہے ارجمند......؟"

"جو فیصلہ آپ کریں......!"

"میں نے رائے مانگی ہے تم سے......!"

"میرے خیال میں آغا جی......! رہنے کے لئے حق نگر ہی مناسب ہے۔"

ارجمند نے کہا۔

"خاص طور پر اس مدرسے کے قیام کے بعد، ویسے بھی یہاں آپ کی عزت ہے ایک مقام ہے، اور پھر اس شہر کا آپ پر حق بھی ہے۔"

"میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ لیکن پھر نورالحق کی تعلیم کا خیال آتا ہے۔"

"اسکول تو یہاں بھی ہیں آغا جی......! اور نورالحق یہاں خوش بھی بہت ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے......! سوچیں گے، پھر فیصلہ کریں گے۔"

عبدالحق نے کہا۔

ارجمند کے پاؤں دبانے کے نتیجے میں وہ پرسکون ہوتا جا رہا تھا۔ آنکھوں میں نیند اُترنے لگی تھی۔ سونے سے پہلے ایک خیال بہرحال اسے آیا۔

"یہاں ارجمند کو خطرہ تھا۔"



مگر سوتے ہوئے ذہن نے چونک کر اس سوچ کو جھٹک دیا۔

"خطرہ تو کہیں بھی ہو سکتا ہے، اور حفاظت کرنے والا اللہ ہے، اور اپنی عزت کی حفاظت تو آدمی کو خود کرنی ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے لئے جان بھی دے سکتا ہے۔"

اور یہ سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔

❀❀❀

اگلے روز وہ ملنے کے لئے آنے والوں میں گھرا رہا۔ پہلی بار اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ برسوں کے بعد یہاں آیا ہے۔ بڑی تبدیلیاں آچکی تھیں، بہت لوگ کم ہو گئے تھے۔ اس نے ذہن میں ان کی فہرست ترتیب دی کہ ان کے گھر دعا کے لئے جانا ہے۔

ایک اور بڑی تبدیلی آئی تھی۔ سب لوگ اسے کاکا کہنے لگے تھے۔ شاید اس لئے کہ اتنے برسوں میں اس کا تو یہاں آنا نہیں ہوا تھا، اور لوگ زبیر بھائی کی زبانی اس کے بارے میں سنتے رہے تھے، اور زبیر اسے کاکا کہتا تھا، تو اب وہ ان سب کے لئے "کاکا" ہو گیا تھا۔

"آپ تو ہم لوگوں کو بھول ہی گئے کاکا......؟"

ایک بزرگ نے شکایت کی۔

"بھولنا کیا جی......! کاکا نے تو ہم لوگوں کو چھوڑ ہی دیا۔"

"سرکاری نوکری میں آدمی مجبور ہوتا ہے۔"

کسی نے اس کی طرف سے صفائی پیش کی۔

"جہاں سرکار بھیج دے، وہیں رہنا پڑتا ہے۔"

اس پر کچھ دیر خاموشی رہی۔ وہ لوگ جیسے یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ موضوع اس کے لئے تکلیف دہ ہوگا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آئی تو اس نے جلدی سے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے، اب میں آزاد ہوں۔"

"پر کاکا......! یہ کیسا زمانہ ہے کہ ایماندار کو بے ایمان ثابت کیا جاتا ہے......؟ عزت دار کو بدنام کیا جاتا ہے......؟"

"ایسی کوئی بات نہیں بزرگو......!"

عبدالحق نے کہا۔

"ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔"

''ہاں جی......! شیطان کو تو چھوٹ دی ہے اللہ نے۔''

کسی نے دلیل دی۔

''پر کاکا......! اب تو آپ آزاد ہیں ناں......! اب واپس آجائیں۔''

''جی کاکا......! دیکھیں ناں......! سب سے پہلے آپ ہی تو یہاں آئے تھے۔ آپ ہی نے ہم پر احسان کر کے ہمیں یہاں آباد کیا تھا۔ ہم تو بے سر و سامان تھے، آپ نے ہر طرح سے ہماری مدد کی تھی۔''

ایک بزرگ نے پرانا وقت یاد کرتے ہوئے کہا۔

''جی......! میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''

عبدالحق نے کہا۔

''سوچنا کیا ہے کاکا......! گھر آپ کا موجود ہے، بس آجائیں......!''

''ارادہ تو کرلیا ہے۔ دُعا کریں آپ لوگ......!''

دن کے دوسرے حصے میں وہ مرحومین کے گھروں میں دُعا کے لئے گیا۔ دل میں وہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہا کہ لوگ اس سے پہلے جیسی محبت کرتے ہیں اور وہ دل میں زبیر بھائی کو بھی سراہتا رہا۔ وہ حیران کن آدمی تھے۔ کاروباری مصروفیات کے باوجود انہوں نے حق نگر سے تعلق قائم رکھا تھا۔ لوگوں کے دُکھ درد میں شریک رہے تھے۔ علاقے کے لئے کام کرتے رہے تھے۔

وہ دن گزارنے کے بعد وہ سنجیدگی سے حق نگر واپس آنے کے بارے میں غور کرنے لگا۔ فکر تو اسے بس نورالحق کی تھی۔

❀❀❀

چوہدری عبدالستار بری طرح تلملا رہا تھا۔ دماغ ٹھنڈا رکھنا اسے خوب آتا تھا، اس کے باوجود اس بار اپنے غصے پر قابو پانے میں اسے بڑی دُشواری ہوئی۔ لیکن اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا۔

غلطی اس کی اپنی تھی۔ اس نے اپنے بیٹوں کی تربیت بالکل نہیں کی تھی۔ اس نے سیاست کو میراث اور تُرکہ سمجھ لیا تھا کہ اہلیت ہو یا نہ ہو، اس کے بعد اس کا سیاسی مقام تُرکے میں اس کے بیٹوں کو ہی ملے گا۔

اور یہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔ لیکن نااہلی کا اپنا نقصان تھا۔ جیسے نادان اور عیاش لوگ



تُرکے میں ملنے والی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لٹا کر دونوں ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنے تک پہنچ جاتے ہیں، ویسے ہی بڑے سیاست دانوں کے نااہل جانشیں بڑی آسانی سے تُرکے میں ملنے والی عزت، مقام اور مرتبہ سب گنوا سکتے ہیں۔

اور کاشف نے یہ بات ثابت کر دی تھی۔ کاشف کی حماقت کی اطلاع چوہدری کو اسی دن مل گئی تھی۔ وہ اس وقت سلطان پور میں تھا۔ میدے اور صابر کو اسپتال پہنچایا گیا۔ لانے والوں سے اسے پوری تفصیل معلوم ہوگئی۔ وہ اس سے کچھ چھپانے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔

اسے کاشف پر ایسا غصہ آیا کہ بس چلتا تو وہ خود حق نگر جا کر اس کی کھال کھینچ لیتا۔ لیکن وہ بڑے مرتب ذہن کا آدمی تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ زبیر اس صورتِ حال سے کس کس طرح فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اسے اس کا توڑ کرنا تھا۔

اس نے اس بات کو قانونی طور پر ثابت کرنے کا اہتمام کیا کہ میدا اور صابر پچھلے تین دن سے سلطان پور میں ہی ہیں، اور جس حادثے میں وہ زخمی ہوئے ہیں، وہ انہیں سلطان پور میں ہی پیش آیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ اگر زبیر حق نگر میں کوئی قانونی کارروائی کرتا تو وہ بے اثر ثابت ہوتی۔ وہ ان دونوں کی حق نگر میں موجودگی ثابت نہیں کر سکتا تھا۔

ویسے چوہدری کو یقین تھا کہ زبیر ایسا کچھ نہیں کرے گا۔ چوہدری اپنے دُشمنوں کے بارے میں سب کچھ جاننے کا قائل تھا۔ بے خبری میں وار کرنے کا وہ قائل نہیں تھا کہ ایسے میں وار اُلٹ بھی جاتے ہیں۔ وہ کچا کام کرنے والا نہیں تھا۔

اور عبدالحق اور زبیر اس کے مستند دُشمند تھے۔ تو وہ ان کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان کا مزاج ایسا ہے کہ وہ کسی سے بھی اُلجھنے سے حتی الامکان بچتے ہیں، اور ایسا وہ کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں کرتے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ شریف اور وضع دار لوگ ہیں، دولت مند ہیں، مگر سخی بھی ہیں۔ فیاض کے ساتھ لوگوں کے کام آتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ لوگوں میں بہت مقبول ہیں۔ ان کے سیاسی عزائم یقیناً ہوں گے، لیکن وہ ظاہر نہیں کرتے۔

چوہدری کا اندازہ تھا کہ یا تو ایسا اعتماد کی کمی سے ہے یا وہ شرمیلے ہیں۔ بہرکیف وہ انہیں اپنے لئے سیاسی خطرہ سمجھتا تھا۔ عبدالحق کی یہ مقبولیت کہ اس شہر کا نام ہی اس کے نام پر ہے، اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ وہ کمزوری کے سامنے عاجزی اختیار کرنے والے ہیں، لیکن طاقتور کے سامنے جھکنے والے نہیں ہیں۔ بلاوجہ وہ اُلجھتے ہی نہیں، لیکن عزت کے لئے جان دے بھی

سکتے ہیں اور لے بھی سکتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی عرصے کی تو بات ہے کہ عبدالحق حکومت سے ٹکرا گیا تھا اور کیس جیت بھی گیا۔

اسے کاشف پر غصہ بھی تھا اور جو ہوا، اس پر تشویش بھی۔ ایک تو کاشف نے اس کے منع کرنے کے باوجود ان پر وار کیا اور وہ بھی اوچھا، کہ جس میں منہ کی کھائی۔ مگر چوہدری کو اس پر زیادہ تشویش تھی کہ کاشف نے ان کے گھر کی کسی عورت کو اُٹھا لانے کو کہا۔ اب چوہدری سوچ رہا تھا کہ اگر ان لوگوں کو اس کا اندازہ ہوگیا تو وہ بہت خطرناک ہو جائیں گے۔

ویسے بھی چوہدری ذاتی طور پر اس حد تک پہنچ جانے کا قائل نہیں تھا۔ وہ تو اپنے مزارعوں اور کمیوں کی عزت کا بھی احترام کرتا تھا۔ دوسرے جاگیرداروں کے برعکس اسی میں اس کی قوت اور مقبولیت تھی۔

اور دُشمنی وہ دُشمن کے ظرف کے مطابق کرتا کرتا تھا۔

تمام دفاعی اقدامات کرنے کے بعد اسے سوچنے کا موقع ملا۔ اس کا بڑا بیٹا آصف عملی سیاست میں قدم رکھ چکا تھا۔ وہ صوبائی اسمبلی کا رُکن بھی تھا لیکن اس کا فرمانبردار تھا۔ جی چاہے نہ چاہے، اس کا حکم مانتا تھا۔ عام طور پر بڑے بیٹے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن چھوٹا بیٹا کاشف بہت سرکش تھا۔ اس کے سختی سے منع کرنے کے باوجود وہ عبدالحق پر وار کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ اس کا منصوبہ ناکام ہوگیا، ورنہ بات آگے، بہت آگے بڑھتی اور پھر انہیں پارٹی کو بھی جواب دینا پڑتا۔ پوزیشن خراب ہو جاتی۔

چوہدری کو غصہ تو ایسا آیا تھا کہ وہ کاشف کی اچھی طرح خبر لیتا لیکن وہ ہر حال میں ہوش مندی سے کام لیتا تھا۔ جوان بیٹا جب قد میں آپ سے بڑھ جائے تو اس سے اُلجھنا اچھا نہیں ہوتا، خاص طور پر اس صورت میں کہ وہ سرکش بھی ہو۔

مگر اسے روکنا بھی ضروری تھا۔ ایسی کوئی حماقت کبھی کسی بہت بڑے نقصان کا سبب بھی بن سکتی تھی۔

یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آ گئی کہ کاشف میں سیاسی سوجھ بوجھ نہیں ہے، اور موجودہ مزاج برقرار رہنے کی صورت میں اس بات کا امکان بھی نہیں کہ وہ اس میں پیدا ہو جائے گی۔ ویسے بھی سب لوگ سیاست کے لئے تو نہیں ہوتے۔

یہ ضروری ہوگیا تھا کہ کاشف کو منظر سے ہٹا دیا جائے۔

''مگر کیسے......؟''



اس کے لئے اسے بہت زیادہ سوچنا نہیں پڑا۔ اس نے فون کر کے کاشف کو سلطان پور بلا لیا۔

❀❀❀
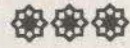
کاشف چوہدری اس بلاوے سے ڈرا ہوا تھا۔ وہ پاپا جی کا منہ چڑھا تھا، ان کا لاڈلا تھا۔ لیکن جانتا تھا کہ پاپا جی کو غصہ آجائے تو آسانی سے ٹلتا نہیں، اور سزا ہر حال میں ملتی ہے۔

اسے احساس تھا کہ اس سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ پاپا جی نے سختی سے منع کیا تھا اور اب اسے یہ بھی یاد آیا کہ انہوں نے پارٹی کا حوالہ بھی دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ذرا سی غلطی سے صرف پارٹی کو ہی نہیں، حکومت کو بھی نقصان ہو سکتا ہے۔

اور وہ اپنے جوش میں یہ بات بھول گیا۔ اب اس حماقت کی خبر اسلام آباد پہنچ جائے اور پاپا جی چیئرمین صاحب کے عتاب میں آ جائیں تو یہ ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔

پاپا جی نے بلایا تھا تو اسے جانا تو تھا۔ لیکن وہ اندھیرے میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔

''بندے کو معلوم تو ہو کہ صورتِ حال کیا ہے......؟''

امیر علی پاپا جی کے بہت قریب تھا۔ لیکن وہ یہاں حق نگر میں موجود تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے مولاداد سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ بھی پاپا جی کے منہ چڑھے لوگوں میں سے تھا۔ پاپا جی اس پر بہت اعتماد کرتے تھے۔

''مولاداد......! پاپا جی کا موڈ کیسا ہے آج کل......؟''

اس نے مولاداد سے پوچھا۔

''بہت اچھا ہے، چھوٹے چوہدری......! پر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں......؟''

مولاداد نے کہا۔ ویسے وہ حیران تھا کہ چوہدری صاحب کے اندازے کیسے سچے ہوتے ہیں، انہوں نے پہلے ہی اسے تیار کر دیا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ چھوٹے چوہدری اسے فون ضرور کریں گے۔ خود اسے کوئی اُمید نہیں تھی ایسی۔

لیکن بڑے چوہدری کے اندازے کم ہی غلط ہوتے تھے۔

''وہ مجھے سلطان پور بلایا ہے ناں پاپا جی نے۔''

کاشف نے کہا۔

''ہاں تو......؟''

"مجھے لگا کہ وہ مجھ سے خفا ہوں گے۔ انہیں بہت غصہ ہوگا مجھ پر۔"

"ایسا کیوں سوچا آپ نے چھوٹے سرکار......! کیا کوئی گڑبڑ ہوئی ہے آپ سے......؟"

مولاداد نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں......! ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ گڑبڑ کیا ہونی ہے......؟"

کاشف چوہدری نے کہا۔ پھر اس نے مزید ٹٹولنے کی غرض سے کہا۔

"یہاں حق نگر میں وہ دُشمن ہمارا آیا ہوا ہے ان دنوں...... وہی عبدالحق۔"

"اچھا......! ہمیں تو پتا نہیں چھوٹے چوہدری......!"

مولاداد نے چوہدری کے حکم کے مطابق بے خبری ظاہر کی۔

"پاپا جی کو بھی نہیں معلوم یہ بات......؟"

"کوئی ایسی بات کی تو نہیں چوہدری صاحب نے۔"

کاشف مطمئن ہوگیا۔

"اگر پاپا جی کو یہ معلوم نہیں تو باقی سب کیا معلوم ہوگا......؟"

سلطان پور روانہ ہونے سے پہلے اس نے امیر علی سے کہا۔

"امیر علی......! یہاں جو کچھ ہوا، اس کے بارے میں وہاں کوئی بات نہیں کرنی ہے۔"

امیر علی دل میں ہنسا۔ خاص آدمی تو وہ بڑے چوہدری کا تھا۔ اس نے تو پہلے ہی دن چوہدری صاحب کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

"میں کیوں بتانے لگا چھوٹے چوہدری صاحب......؟"

اس نے منہ پکا کر کے کہا۔

"خود اپنی بھی کوئی مخبری کرتا ہے......؟"

یہ کہہ کر وہ ہنسا۔

کاشف چوہدری مطمئن ہوگیا۔ اس کے باوجود پاپا جی کا سامنا کرتے ہوئے وہ نروس تھا۔

"کیا حکم ہے پاپا جی......؟"

"ابھی بات کریں گے اس پر، ایک خوش خبری ہے تمہارے لئے......!"

کاشف چوہدری کے تمام اندیشے دُور ہوگئے۔



"مگر پہلے یہ بتاؤ، وہاں حق نگر کا کیا حال ہے......؟"

"ٹھیک ہے پاپا جی......! ابھی دو دن پہلے عبدالحق پہنچا ہے وہاں، وہ اپنی حویلی بھی گیا تھا، پر قیام اس نے وہاں نہیں کیا۔"

"اسے چھوڑو، مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔"

چوہدری عبدالستار نے بے پرواہی سے کہا۔

"لیکن پاپا جی......!"

"ہم نے خواہ مخواہ اسے اتنی اہمیت دی۔ بہرحال اب میں نے اس کے لئے سوچ لیا ہے۔"

"کیا پاپا جی......؟ کیا سوچا ہے آپ نے......؟"

"تم اسے چھوڑو، بھول جاؤ۔ تم تو سفر کی تیاری کرو۔"

کاشف چوہدری ہکا بکا رہ گیا۔

"سفر......؟ کیسا سفر پاپا جی......؟"

"میں تمہیں تھوڑے عرصے کے لئے بھی خود سے دُور نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

چوہدری نے کہا۔

"اس میں بہت وقت ضائع کر دیا میں نے۔

یہ تو میں نے سیاست میں آنے کے بعد سمجھ لیا تھا کہ سیاست میں اعلیٰ تعلیم کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے بغیر بڑا، بہت بڑا مقام نہیں مل سکتا۔ اب میں تو تعلیم حاصل کرنے سے رہا۔ آصف بہت اچھا ہے، مگر ڈِز ہے، تعلیم سے کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے اسے۔

کاشف چوہدری کے دل کی رفتار تیز ہوگئی۔ کیا اسے اپنے خواب کی تعبیر ملنے والی ہے......؟

"تو اب تم ہی میری آخری اُمید ہو۔ تمہیں خود سے دُور کرنے کو دل نہیں مانتا تھا میرا۔ مگر اس میں ہم سب کی بہتری ہے۔ میں نے تمہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تمام انتظامات مکمل ہوگئے ہیں۔ بس......! تم اپنی تیاری مکمل کر لو۔ اور سنو......! زیادہ وقت نہیں ہے تمہارے پاس۔"

"میں سب کچھ کر لوں گا پاپا جی......! پر یہ اتنا اچانک......"

"دیکھو کاشف......! اگر تمہیں نہیں جانا ہے تو یہ کوئی مسئلہ نہیں میرے لئے۔ میں نے

تو بڑے اثر ورسوخ سے یہ کام کرایا ہے نہ چاہتے ہوئے۔ صرف تمہاری خاطر......! تم اس میں خوش نہیں ہو تو......"

"میں نے یہ کب کہا پاپا جی......؟"

"اگر مگر کا تو یہی مطلب ہوتا ہے ناں......! اور میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔"

کاشف چوہدری کا تو خواب تھا امریکہ، وہ اگر مگر کسی اور سلسلے میں کر رہا تھا اور پاپا جی اس کا غلط مطلب لے رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پاپا جی کا ارادہ بدلے۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"تھینک یو پاپا جی......! میں تیار ہوں۔"

چوہدری عبدالستار نے سکون کی سانس لی۔

❀❀❀

عبدالحق نے زبیر سے حق نگر اور اپنے مدرسے کے بارے میں بہت تفصیلی گفتگو کی تھی۔ اتنے عرصے کی دُوری کے نتیجے میں جو خلا پیدا ہوا تھا، مقصد اسے پاٹنا بھی تھا اور مستقبل کے بارے میں مشاورت بھی۔

زبیر کو عبدالحق کا حق نگر منتقل ہونے کا آئیڈیا بہت اچھا لگا۔

"یہ تو بہت اچھا رہے گا کاکا......!"

اس نے کہا۔

"مجھے بھی بہت اچھا لگے گا، اب میرے پاس کہیں اور رہنے کا کوئی جواز نہیں، اور میرا دل بھی نہیں چاہتا۔"

"بس تو بسم اللہ کریں۔ میں مکان کی اوپری منزل کا کام شروع کرا دیتا ہوں۔ زیادہ وقت بھی نہیں لگے گا۔"

"میں نورالحق کی طرف سے فکر مند ہوں۔"

"وہ کس لئے......؟"

"بڑے شہروں میں رہنے کا عادی رہا ہے، شاید یہ تبدیلی اسے اچھی نہ لگے۔"

"دیکھ لیں کاکا......! لیکن میرا خیال ہے کہ مچھلی جس پانی کی ہو، اس پانی میں آ کر ہی زیادہ خوش ہوتی ہے۔"



پھر عبدالحق نے حق نگر کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

"یہاں سب سے بڑا مسئلہ گیس سے محرومی ہے کاکا......!"

زبیر نے کہا۔

"اور اس کی وجہ......؟"

"چوہدری عبدالستار......!"

"یہاں کا منتخب ایم این اے......؟"

"جی کاکا......! وہ یہاں گیس نہیں آنے دیتا۔"

"اور اس کی وجہ......؟"

"صرف اور صرف اس کی منتقم مزاجی۔"

زبیر نے کہا۔

"یہاں اسے پذیرائی نہیں ملی۔ اس کی سزا وہ یہاں کے رہنے والوں کو دے رہا ہے۔ ...اس میں اس کا اپنا سیاسی نقصان ہے۔"

"وہ کیسے......؟"

"حق نگر کے پڑوس میں سلطان پور اس کا اپنا شہر ہے۔ وہاں سے اسے مکمل حمایت نہ ...وہ الیکشن ہار جاتا۔ مگر حق نگر کو گیس سے محروم رکھنے کے چکر میں سلطان پور بھی گیس سے محروم ...وہاں کے لوگ اس سے شاکی ہو رہے ہیں۔ اس کا ووٹ بینک متاثر ہو رہا ہے۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ سلطان پور کو اس نے گیس سے محروم کیوں ...؟"

عبدالحق نے کہا۔

"حق نگر سے گزرے بغیر گیس کی پائپ لائن سلطان پور نہیں پہنچ سکتی۔"

"اوہ......! مگر یہ تو زیادتی ہے۔"

"طاقتور یہ کب سوچتا ہے کاکا......؟"

"نا سمجھ ہو تو نہیں سوچتا، سوچے تو سمجھ میں آئے کہ طاقت اللہ کی دی ہوئی ہے۔ وہ ...واپس لے لے۔"

عبدالحق کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔

"یہ کام ہم کرائیں تو کتنا خرچہ ہو گا زبیر بھائی......؟"

''بہت مہنگا پڑے گا کاکا......!''

''آپ ایسا کریں زبیر بھائی......! کہ اس سلسلے میں بات کریں اور تخمینہ لگائیں اور

خیال رکھیں کہ سلطان پور کو اس میں شامل کرنا ہے۔''

''یہ اور زیادہ خرچہ ہو جائے گا۔''

''کوئی بات نہیں......! لوگوں کی دُعائیں ہی ملیں گی ناں......! ویسے مجھے یقین ہے

کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔''

زبیر کی نظروں میں اُلجھن تھی۔ تاہم اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''فوری طور پر یہ کام کریں۔''

عبدالحق نے کہا پھر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

''اور خوب شور مچا کر کریں۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا کاکا......!''

''مطلب یہ کہ علاقے کے تمام لوگوں کو پتا چل جائے کہ آپ یہ کام کرا رہے ہیں۔''

زبیر نے بے یقینی سے اسے دیکھا، لیکن کہا کچھ نہیں۔

''کبھی کبھی آدمی کو چھچھور پن بھی کرنا چاہئے۔''

عبدالحق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے کاکا......! جو حکم آپ کا۔''

''اور مدرسے کے انتظامات مکمل ہیں......؟''

''جی کاکا......! جمعہ کے دن انشاء اللہ افتتاح کریں گے۔ مگر ایک اہم بات کہنی

تھی۔''

''بولیں زبیر بھائی......!''

''چوہدری عبدالستار کی خواہش ہے کہ مدرسے کا افتتاح اس سے کرایا جائے۔''

عبدالحق حیران رہ گیا۔

''اس نے بات کی آپ سے......؟''

''نہیں کاکا......! اس لیول کے لوگ ایسی بات اپنے منہ سے نہیں کرتے، دوسروں

سے کہلواتے ہیں۔ اپنے حق نگر کے ہی ایک آدمی نے کہا کہ ایسا ہو جائے تو چوہدری صاحب خوش

ہوں گے اور حق نگر کے لوگوں کو اس سے فائدہ ہوگا۔''



''تو پھر......؟''

''آپ نہیں جانتے کہ میں نے کیا جواب دیا ہوگا......؟''

زبیر نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

''میں نے کہہ دیا کہ یہ تو کسی قیمت پر بھی ممکن نہیں۔''

عبدالحق جھلا گیا۔

''یہ سیاست دان لوگ ہر چیز میں کیوں گھسنا چاہتے ہیں......؟''

''پبلسٹی ان کے لئے کھانے سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے کاکا......! خیر آپ فکر نہ

کریں اس کی۔ آپ کو بتانا ضروری تھا، اس لئے میں نے بتا دیا۔''

❀❀❀

نورالحق بہت خوش تھا۔ حق نگر اسے بہت پسند تھا۔ اسے تو وہ کہانیوں والا پریوں کا

نگر لگتا تھا۔ ایک شہر جس کا نام اس کے باپ کے نام پر رکھا گیا تھا، جہاں لگتا تھا کہ شہر کے تمام

لوگ کیا چھوٹے کیا بڑے، سب اسے جانتے تھے، اس سے محبت کرتے تھے۔ بڑے بھی اس کی

عزت کرتے کہ اسے خود سے شرم آنے لگتی، اور ہم عمر بچے اسے ایسے دیکھتے جیسے وہ ان سے

بہت بلند ہو۔

پھر وہاں پھپھو بھی تھیں۔ وہ ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ پھپھو، پھوپھا اور ان کے تمام

بچے اسے بہت چاہتے تھے، ساجد بھائی کی طرح۔

پھپھو کے پانچ بچے تھے، سب سے بڑے دو...... امجد اور ارشد بھائی...... ساجد بھائی

کے برابر ہوں گے۔ ان سے چھوٹی اینہ آپی تھیں، پھر انور تھا، وہ اس سے دو سال بڑا تھا لیکن

اس سے اس کی دوستی تھی اور سب سے چھوٹی سکینہ اس سے دو سال چھوٹی تھی۔

خود وہ تو پہلی بار یہاں آیا تھا۔ البتہ وہ لوگ گرمیوں کی چھٹیوں میں لاہور آتے تھے

اس عرصے میں اسے بھی لاہور بھیجا جاتا تھا۔ انور نے اس سے کہا۔

''یہاں تو تمہارا گھر بھی ہے، تم یہاں آکر کیوں نہیں رہتے......؟ بہت اچھا لگے گا،

مزا آئے گا۔''

''کیوں......؟ تمہیں لاہور اچھا نہیں لگتا......؟''

''ہر وقت رہنے کے لئے نہیں، بس چھٹیوں میں وہاں جانا اچھا لگتا ہے۔''

"حق نگر تو مجھے بھی اچھا لگتا ہے۔"

اس نے کہا۔

"تو ماموں جان سے کہو ناں، یہیں آ جاؤ......!"

"ایک بات ہے......!"

نورالحق نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے لاہور رہنا ضروری ہے۔"

"یہ تم سے کس نے کہا......؟"

"میری ٹیچر بات کر رہی تھیں۔"

"میرے چاچا بہت بڑے ڈاکٹر ہیں۔"

انور نے بڑے فخر سے کہا۔

"یہیں پڑھا تھا انہوں نے اور یہیں ہاسپٹل چلاتے ہیں۔"

"وہ تو ملک سے باہر گئے تھے پڑھنے۔"

"وہ تو سب کو جانا ہوتا ہے آخر میں، مگر اسکول تو یہاں بھی ہیں۔ چاچا کہہ رہے تھے کہ ماموں جان نے یہاں بہت اچھے اسکول بنوائے ہیں، اور کالج بھی، جہاں لاہور سے بھی اچھی پڑھائی ہوتی ہے۔"

نورالحق کے دل میں ایک اُمید سی جاگی۔

"اور نورالحق......! میں بتاؤں، مجھے بھی ڈاکٹر بننا ہے۔"

انور نے سینہ پھُلا کر کہا۔

"تو تم بھی آ جاؤ ناں یہاں......!"

"ٹھیک ہے......! میں امی سے بات کروں گا۔"

نورالحق کے لئے لاہور اور حق نگر میں بہت فرق تھا۔ لاہور میں اس کے لئے ساجد بھائی کے سوا کوئی نہیں تھا اور وہ بھی مصروف ہی رہتے تھے زیادہ، شام کے بعد ہی ملتے تھے۔ لیکن یہاں اس کے لئے بہت لوگ تھے۔ بات پھپھو کے گھر کی ہی نہیں تھی، یہاں تو جیسے پورا شہر ہی اس کا تھا۔

اس نے امی سے اس سلسلے میں بات کی۔

"کیا ہم یہاں نہیں رہ سکتے امی......؟"



ارجمند نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں یہاں اچھا لگتا ہے......؟"

"جی امی......! بہت زیادہ......!"

"اس سلسلے میں فیصلہ تو تمہارے بابا جان ہی کریں گے۔"

"آپ ان سے کہیں گی......؟"

"تم فکر نہ کرو۔ ویسے اپنی دادی سے کہو تو زیادہ اچھا ہے۔ تمہارے بابا ان کی بات مانتے ہیں ناں......!"

"ٹھیک ہے امی......!"

"ویسے تمہارے بابا جان خود بھی یہی سوچ رہے ہیں۔"

نورالحق خوش ہو گیا۔

"مجھے انور بھائی نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر تو یہاں پڑھ کر بھی بن جاتے ہیں۔"

"تم ڈاکٹر بننا چاہتے ہو......؟ یہ تو تم نے کبھی بتایا ہی نہیں......!"

"ابھی میں چھوٹا ہوں ناں امی......! سوچا تھا، بڑا ہو کر بتاؤں گا۔"

نورالحق نے معصومیت سے کہا۔

"چلو......! میں تمہارے بابا جان کو یہ بھی بتا دوں گی۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے یہ بات بابا جان سے کیوں نہیں کی......؟"

نورالحق چند لمحے سوچتا رہا، پھر بولا۔

"بابا جان مجھے دُور دُور لگتے ہیں۔"

"سامنے ہوں، تب بھی......؟"

نورالحق نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور میں......؟"

"آپ دُور ہوتی ہیں، تب بھی پاس لگتی ہیں۔"

ارجمند نے اسے لپٹا لیا۔

"یہ تو غلط بات ہے بیٹے......! تمہارے بابا جان تو مجھ سے بھی زیادہ قریب ہیں [illegible]

"تو مجھے ایسا لگتا کیوں نہیں......؟"

ارجمند کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

❀❀❀

دو دن بعد زبیر اخبار ہاتھ میں لئے عبدالحق کے پاس آیا۔ وہ بہت ایکسائیٹڈ تھا۔

"اخبار پڑھا آپ نے کا کا......؟"

"نہیں زبیر بھائی......!"

عبدالحق نے کہا۔ یہ عجیب بات تھی۔ حق نگر میں اسے اخبار کا خیال ہی نہیں آتا تھا حالانکہ مقامی اخبار کے علاوہ وہاں قومی اخبارات بھی آتے تھے۔

"کمال ہوگیا......!"

"ہاں......! کمال تو ہوگیا۔"

عبدالحق نے کہا۔

"آپ لاہور میں اخبار نہیں پڑھتے اور یہاں پڑھتے ہیں، اور میں لاہور میں اخبار کے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہاں مجھے اخبار کا خیال بھی نہیں آتا۔ ہے ناں کمال کی بات......؟"

"میں اس کمال کی بات نہیں کر رہا ہوں کا کا......!"

"تو پھر......؟ اخبار میں کوئی بہت عجیب خبر چھپی ہے کیا......؟"

"میرے لئے تو عجیب ہی ہے کا کا......!"

عبدالحق نے اب بھی اخبار لینے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"مجھے بھی سنائیں......! ایسی کیا خبر ہے......؟"

"کل حق نگر اور سلطان پور کے لئے گیس کی پائپ لائن ڈالنے کے کام کا آغاز ہوگیا۔"

زبیر نے عبدالحق کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"قومی اسمبلی کے رُکن چوہدری عبدالستار نے حکم دیا ہے کہ یہ کام ایک ماہ سے پہلے مکمل کیا جائے۔"

"عجیب نہیں، یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔"

عبدالحق نے کہا۔

"آپ کو اس پر حیرت نہیں ہوئی کا کا......؟"



"نہیں، بالکل نہیں......! مجھے یقین تھا کہ جیسے ہی یہ خبر چوہدری صاحب تک پہنچے گی ...م یہ کام کروا رہے ہیں، وہ اس کام کو ہنگامی بنیادوں پر شروع کرائیں گے۔"

"لیکن کیوں......؟"

"کوئی سیاست دان اپنے حلقۂ انتخاب کو اقتدار میں رہ کر گنوانا نہیں چاہتا۔ اس میں ...س کی ذلت ہے کہ وہ اقتدار میں ہو اور اسے ووٹ دینے والوں کے کام کوئی دوسرا کرائے۔"

عبدالحق نے کہا، پھر ذرا سے توقف کے بعد بولا۔

"لیکن ایک بات طے ہے زبیر بھائی......! یہ چوہدری عبدالستار بہت بہتر آدمی ہے ...ت دانوں میں۔"

زبیر کو یہ بات ایسے لگی جیسے اسے برا کہہ دیا گیا ہو۔

"یہ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ کا کا......؟ میں نے تو ان سب کو برا ہی پایا، بہت برا۔"

"آپ نے سیاست دان دیکھے نہیں ہیں ناں......!"

عبدالحق نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کوئی اور سیاست دان ہوتا تو خود یہ کام کروانے کی بجائے سارا زور اس بات پر لگا...تا کہ ہمیں یہ کام کسی قیمت پر بھی نہ کرنے دے۔ یہ تو چوہدری صاحب کی بڑی خوبی ہے۔"

زبیر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ یہ کیسے جانتے ہیں کا کا......؟"

عبدالحق مسکرایا۔

"سرکاری ملازمت میں یہی تو سیکھا ہے۔ بڑے افسروں پر کہاں کہاں سے، کس کس ...رح اور کیسے کیسے کاموں کے سلسلے میں دباؤ ڈالا جاتا ہے، یہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، اور یہ دباؤ دونوں ...ف کام کرتا ہے۔ غلط اور ناجائز کام کرانے کے لئے بھی اور درست اور جائز کام رُکوانے کے لئے ...ی۔"

زبیر ذہن پر زور دے رہا تھا۔

"مجھے یاد ہے، میں نے کہا تھا کہ خرچہ بہت ہوگا اس کام میں اور آپ نے کہا تھا کہ ...س کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ آپ کو معلوم تھا کہ چوہدری یہ کام کر دے گا......؟"

"ہاں......! اس لئے تو کہا تھا کہ خوب شور مچائیں، چھچھور پن کریں۔ مقصد یہ تھا کہ ...ت چوہدری صاحب تک پہنچ جائے۔"

عبدالحق نے کہا۔

''لیکن زبیر بھائی......! اب مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جایئے گا۔ اپنے طور پر یہ کام کرانے
کے لئے ہاتھ پیر مارتے رہیئے۔''

''کیوں کاکا......؟''

''آپ ڈھیلے پڑ گئے تو کام رُک جائے گا۔''

''کیوں......؟ چوہدری نے تو ایک ماہ کی ڈیڈ لائن دی ہے۔''

''ایسی ڈیڈ لائنز آتی جاتی رہتی ہیں۔ چوہدری صاحب خود ہی رُکوا دیں گے۔ میں ان کے
کے بہانے بھی جانتا اور سمجھتا ہوں۔ فنڈ ختم ہو گئے، محکمہ آب والوں نے کھدائی سے روک دیا،
مشین خراب ہو گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ سب سے بڑھ کر تو دفاتر ہیں۔ دفتری کارروائیوں کو سادہ،
آسان اور تیز رفتار رکھنے کی بجائے اسی لئے تو پیچیدہ، طویل، دشوار اور سست رفتار بنایا گیا ہے کہ
فائل ہی پھنس کر رہ جائے۔ کام تو فائل نکلنے کے بعد ہی ہوگا ناں......! سرکاری ملازمت میں رہ کر
میں نے یہی دیکھا اور سمجھا ہے۔''

زبیر اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے کاکا......! شکر ہے کہ آپ راہنمائی کے لئے یہاں موجود تھے۔ لیکن
کاکا......! سیاست دان تو عوام کی خدمت کے لئے ہوتے ہیں۔''

''نہیں زبیر بھائی......! میں نے تو اس بہت تھوڑے عرصے میں بہت کچھ دیکھ اور سمجھ
لیا۔ ہماری گھُٹی میں بادشاہت پڑی ہے۔ یہاں پر سیاست دان اپنی اپنی سطح پر بادشاہ ہوتا ہے۔ اب
دیکھیں ناں، جو جمہوریت کا نام لے کر آئے، لوگوں کے ووٹوں سے آئے، وہ بادشاہت کر رہے
ہیں یا نہیں......؟ اور اپنی ذاتی طاقت اور جاہ و جلال بڑھانے کے لئے کام کر رہے ہیں یا نہیں......؟
میری بات لکھ لیں زبیر بھائی......! اس ملک میں یہی ہوتا رہے گا۔ لوگوں کو صرف الیکشن سے پہلے
عزت اور وعدے ملیں گے اور الیکشن کے بعد غلامی، محتاجی اور محرومی۔ یہی جمہوریت ہے اور یہی چلتی
رہے گی۔ کوئی سیدھے ہاتھ والا آئے یا اُلٹے ہاتھ والا، عوام کے لئے ویسا ہی ہوگا۔ لوگوں کو محروم
رکھ کر ان کے حصے کی خوش حالی ان لوگوں پر لٹائی جائے گی جو صاحب اقتدار کے اقتدار کو اور مستحکم
کر سکیں۔''

''اللہ نہ کرے کاکا......!''

زبیر نے تڑپ کر کہا۔



''تو کیا یہاں ہمیشہ یہیں ہوتا رہے گا......؟''

عبدالحق جیسے کہیں دُور، بہت دُور دیکھ رہا تھا۔

''اللہ اس ملک کو ہمیشہ محفوظ رکھے گا، انشاء اللہ......!''

اس نے کہا۔

''لیکن زبیر بھائی......! یہ بادشاہت کا سلسلہ یوں ہی چلتے رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ
کی طرف سے کوئی خادم بھیجا جائے، دین کا، ملک کا اور عوام کا وفادار خادم۔ لیکن مجھے ڈر ہے
کہ......''

اس نے ایک جھرجھری سی لی پھر اپنی بات مکمل کی۔

''خدانخواستہ ایسا اس وقت ہوگا، جب یہ ملک ناگفتہ بہ حالت کو پہنچ چکا ہوگا۔ پھر اللہ
کی رحمت ہوگی۔''

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ پھر زبیر نے کہا۔

''یہاں حق نگر میں تو آج سے ہی گیس کے کنکشن دلوانے والے کنٹریکٹرز کے دفاتر
کھل گئے ہیں۔ لیکن ابھی لوگوں میں جوش و خروش نہیں ہے۔''

''سب ہو جائے گا انشاء اللہ......! بس آپ ڈھیلے نہ پڑیئے گا۔''

''میں سمجھ گیا ہوں کاکا......!''

❁❁❁

ارجمند نے عبدالحق کو نورالحق کی فرمائش کے بارے میں بتایا۔

''یہ چھوٹی عمر میں بڑی بڑی باتیں سوچتا ہے۔''

عبدالحق نے کہا۔ اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور تشویش بھی۔

''بہت سے بچے ایسے ہوتے ہیں۔''

ارجمند نے بے پرواہی سے کہا۔

''پہلے اس نے نوریز اور آبیہ کی شادی کا سوچا اور اب اپنے بارے میں فیصلہ کر کے
بیٹھا ہے کہ ڈاکٹر بنے گا۔''

''میں سمجھتی ہوں کہ وہ اصغر بھائی سے بہت متاثر ہے، وہ ڈاکٹر ہیں ناں......!''

''مگر پہلی بار وہ ان سے ملا ہے، انہیں دیکھا ہے۔''

"باتیں تو سنتا رہا ہے ان کی، دادی اماں ہمیشہ ان کی مثال دیتی ہیں کہ وہ شہر میں رہ کر بہت دولت کما سکتے تھے لیکن یہاں حق نگر کے لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ کے ہاں بڑا اجر ملے گا انہیں۔ یہاں آیا تو وہ خاص طور پر ان سے ملنے کے لئے گیا، وہ اسے اسپتال لے گئے، پھر اپنے ابا جان سے اپنے معاہدے کے بارے میں بتایا اور کہا کہ انشاء اللہ عمر بھر وہ اپنا وعدہ نبھائیں گے، متاثر تو ہونا ہی تھا اسے۔"

"اوہ......! اور اب وہ چاہتا ہے کہ ہم حق نگر میں رہیں......؟"

ارجمند نے غور سے اسے دیکھا۔

"آپ بھی تو یہی چاہتے ہیں۔"

"ہاں......! مگر اس کی وجہ سے ہچکچاتا تھا۔"

"بیٹا تو آپ ہی کا ہے ناں......! اسے تو سب سے اچھا حق نگر ہی لگتا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے......! اب یکسوئی ہوگئی اس طرف سے۔"

"آغا جی......!"

عبدالحق خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"اور یہ بات اچھی نہیں آغا جی......! ابھی تو اس کے لہجے میں شکایت نہیں تھی، لیکن آگے جا کر اسے شکایت ہی بننا ہے۔"

"مگر اس کی وجہ کیا ہے......؟"

"شاید وہ آپ سے زیادہ توجہ چاہتا ہے، زیادہ وقت، زیادہ قربت مانگتا ہے آپ کی۔"

"جس حد تک ممکن ہو، میں دیتا ہوں اسے، لیکن دوسری مصروفیات بھی تو ہیں اور وہ بھی بہت زیادہ اہم ہیں۔"

"میں جانتی ہوں، مگر وہ تو بچہ ہے، اتنا کہاں سمجھ سکتا ہے......؟"

"تم سمجھایا کرو، بتاتی رہا کرو اسے۔"

عبدالحق کے لہجے میں التجا تھی۔

"آپ جانتے ہیں آغا جی......! کہ یہ تو میں آپ کے کہے بغیر بھی کرتی ہوں۔ خیر......! یہاں آنے سے بہت فرق پڑے گا۔ زرینہ آپا کا گھر ہے، ان کے بچے ہیں، یہاں مصروف رہے گا تو آپ کی اتنی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔"

"میرا خیال ہے، ہم ایک ماہ بعد یہاں شفٹ ہو سکیں گے۔"



عبدالحق نے کہا۔

"زبیر بھائی نے کہا ہے کہ وہ بہت تیزی سے اوپری منزل تعمیر کرا دیں گے۔ ویسے تو اس کے بغیر بھی یہاں کوئی تنگی نہیں۔"

"چلیں، اللہ بہتر کرے گا، انشاء اللہ......!"

ارجمند نے کہا، پھر پوچھا۔

"لاہور واپسی کب ہوگی ہماری......؟"

"جمعہ کو مدرسہ کا افتتاح ہے، انشاء اللہ ہفتے کو چلیں گے۔"

"سامان پیک کرنے میں بھی تو خاصا وقت لگے گا۔"

❀❀❀

مدینۃ الاسلام کے افتتاح کی تقریب بے حد بارونق بھی تھی اور باوقار بھی۔ حق نگر کے عمائدین بھی اس میں شریک تھے اور بڑی تعداد میں عام لوگ بھی۔ حمیدہ کو تو پورا شہر عبدالحق کی اماں کی حیثیت سے جانتا تھا، لیکن جمال دین کے بارے میں لوگوں کو بہت تجسس تھا۔

اس کے لئے انہیں بہت سوچنا پڑا تھا۔ ویسے تو یہ بہت آسان تھا کہ کسی بھی طرح کی کوئی وضاحت نہ کی جائے، اور لوگوں کے تجسس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ لیکن یہ بات عبدالحق کو گوارہ نہیں تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو چاچا جمال دین کے بارے میں بتایا جائے۔

مگر سوال یہ تھا کہ

"کیسے......؟"

مدرسے کا افتتاح حمیدہ کے ہاتھوں ہونا تھا، مگر حمیدہ تقریر نہیں کر سکتی تھی اور مزے کی بات یہ تھی کہ حمیدہ ابھی تک ان تمام باتوں سے بے خبر تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ مدرسے کا افتتاح اسے کرنا ہے۔

"کاکا......! یہ کام تو آپ ہی کو کرنا ہوگا۔"

زبیر نے عبدالحق سے کہا۔ عبدالحق بھڑک گیا۔

"کون سا کام......؟"

"یہی سب کچھ بتانے والا...... چاچا جمال دین کے بارے میں، ٹھاکروں کی گڑھی کے بارے میں......؟"

"میں کیسے بتاؤں گا......؟"

"تقریر کر کے کاکا......! اور کیسے......؟"

"یہ میرے بس کی بات نہیں زبیر بھائی......!"

"مگر آپ کے سوا اور کون ہے جو سب کچھ جانتا ہو......؟ لال آندھی آئی تو میں دلی میں تھا۔ آپ کے اور اماں کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہاں کیا ہوا تھا......؟"

عبدالحق سوچتا رہا، پھر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"ہاں......! تو یہ سب کچھ تو میں لکھ کر دے سکتا ہوں۔"

"اس سے کیا ہوگا......؟"

"اسے چھپوالیں گے اور لوگوں میں تقسیم کر دیں گے۔"

"نہیں کاکا......! یہاں بہت ہی تھوڑے لوگ ہوں گے، جنہیں پڑھنا آتا ہو۔"

زبیر نے اعتراض کیا۔ عبدالحق کو ایک اور حل سوجھ گیا۔

"تو ٹھیک ہے......! لکھ کر میں دوں گا، تقریر آپ کر لیجئے گا۔"

"میں......؟"

زبیر تو اُچھل ہی پڑا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کاکا......؟"

"میرا حکم ہو، تب بھی......؟"

"مجھ پر رحم کریں کاکا......!"

زبیر نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"حکم دیں گے تو مجھ پر تعمیل لازم ہوگی۔ لیکن کچھ بولنے سے پہلے ہی میں کم از کم بے ہوش ضرور ہو جاؤں گا۔ مر بھی سکتا ہوں۔"

اس کی حالت ایسی تھی کہ عبدالحق کو اس پر ترس آ گیا۔ مگر مسئلہ وہیں کا وہیں تھا۔

"تو کریں کیا......؟"

"اس معاملے کو منسوخ ہی کر دیں۔"

زبیر نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے......!"

"تو پھر......؟"





اور اچانک عبدالحق کو حل سوجھ گیا۔ وہ حیران رہ گیا۔ سامنے کی بات تھی اور سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ سچ ہے کہ اچھا خیال بھی اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ بندے کے بس کی بات نہیں۔

"مسئلہ حل ہوگیا......؟"

اس نے خوش ہو کر زبیر سے کہا۔

"کیسے......؟"

"ارے......! اپنے مولوی صاحب ہیں ناں......!"

"واقعی کاکا......! حیرت ہے کہ ان کا خیال ہی نہیں آیا۔"

وہ مولوی مہر علی کے پاس گئے۔ ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ تو تھے ہی مقرر اور واعظ، اور حق نگر وہ اس وقت آئے تھے جب مہاجرین کی آمد کا سلسلہ بھی شروع نہیں ہوا تھا اور وہاں عبدالحق، زبیر اور مزدوروں کے سوا کوئی تھا ہی نہیں۔

"کیوں نہیں پتر عبدالحق......؟"

مولوی صاحب نے کہا۔

"اس کام کے لئے تو میں حاضر ہوں۔ تم بس لکھ کر دے دو مجھے۔"

لیکن وہ سب لکھنا عبدالحق کے لئے آسان نہیں تھا۔ لکھتے ہوئے کتنی ہی بار اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ کیسی عجیب کہانی تھی وہ، حقیقت سے زیادہ کہانی ہی لگتی تھی۔

اور مدرسے کے افتتاح کے دن، افتتاح سے پہلے جب مولوی مہر علی نے اثر انگیز پیرائے میں جمال دین شہید کی کہانی شروع سے آخر تک سنائی تو انہوں نے بہت لوگوں کو رُلا دیا۔ خود ان کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے اور آواز میں رقت۔

مگر حمیدہ کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔

وہ عبدالحق اور نورالحق کے درمیان بیٹھی تھی۔ جمال دین کا نام سنتے ہی اس نے عبدالحق کا ہاتھ تھاما اور اس پر دباؤ ڈالا۔ عبدالحق نے اس کے جواب میں اس کی طرف دیکھا تو اس کی نگاہوں میں ایک سوال تھا۔

عبدالحق نے جواباً اس کا ہاتھ دبایا اور آنکھوں ہی سے جواب دیا۔

"خاموشی سے سنتی رہو اماں......!"

مولوی صاحب بتا رہے تھے کہ جمال دین شہید ٹھاکروں کی گڑھی میں کیسے آیا اور

ٹھاکر پرتاب سنگھ نے اسے کیا کہا......؟ حمیدہ کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ رہے تھے۔

"تجھے یہ سب کیسے معلوم ہے پتر......؟"

حمیدہ نے عبدالحق سے پوچھا۔

"میرے والد احسان ماننے والے تھے، یہ سچ ہے ناں اماں......؟"

حمیدہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مجھے یہ سب کچھ نہ بتاتے......؟"

"مگر پتر......! اس کی کیا ضرورت......؟"

"میں احسان ماننے والے باپ کا احسان ماننے والا بیٹا ہوں اماں......!"

عبدالحق نے سرگوشی میں کہا۔

"اور مولوی صاحب کی پوری بات سن لیں تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ یہ سب بتانا کیوں ضروری تھا......؟"

مولوی صاحب روانی اور بہاؤ کے ساتھ بولتے رہے اور حمیدہ کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہتے رہے۔ عبدالحق کی آنکھیں بھی بار بار نم ہوتی تھیں، لیکن وہ خود پر قابو رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نورالحق یوں مسحور ہو کر سن رہا تھا جیسے وہ پریوں کی کہانی ہو۔ کبھی کبھی وہ روتی ہوئی حمیدہ کو دیکھتا اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگا لیتا۔ لیکن حمیدہ تو جیسے اس وقت ہر چیز سے بے خبر تھی۔

"آپ تصور کریں اس جنگ کا جو ختم ہو گئی تھی۔ عبدالحق وہاں پہنچا تو پھاٹک...... اسی پھاٹک کے باہر لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ لیکن وہ سب اس کے لئے اجنبی تھے۔ وہ پھاٹک سے گزرا، اس احاطے میں آیا جہاں اس وقت آپ سب بیٹھے ہیں، یہ احاطہ بھی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ ان میں اسے شناسا چہرے بھی نظر آ رہے تھے۔ مگر وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ اس کے باپ کے وفادار تھے یا بتوں کی محبت میں اس سے بے وفائی کر بیٹھے تھے۔ مگر پھر اسے ایک چہرہ نظر آیا، وفادار کا چہرہ، آقا پر قربان ہونے والے کا چہرہ، وہ وصال دین تھا جسے عبدالحق ویر جی کہتا تھا۔"





مولوی صاحب کہہ رہے تھے۔

"اور پھر اسے جمال دین شہید کا چہرہ نظر آیا۔ وہ اندر گیا، جہاں مولوی برکت علی شہید ہو چکے تھے اور اس کے پتا جی آخری سانسیں لے رہے تھے۔ اس وقت عبدالحق کو پتا نہیں تھا کہ اس کے پتا جی مسلمان ہو چکے ہیں اور ان کا نام عبداللہ ہے۔ انہوں نے مرتے وقت اسے بتانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھ نہیں سکا۔ یہ راز تو اللہ کو اس پر بعد میں کھولنا تھا۔

تو حق نگر کے باسیو......! یہ تھا جمال دین، اس زمین پر جہاں اذان کی آواز نہیں گونجتی تھی، وہ واحد آدمی تھا جو نماز پڑھتا تھا۔ اللہ نے اس کی پیشانی کے ذریعے اس زمین کو عزت عطا فرمائی۔

کہتے ہیں کہ مومن جہاں جاتا ہے، وہاں کی دُنیا ہی بدل دیتا ہے۔ بس مومن ہو تو، کیونکہ مومن ہونا آسان نہیں۔ یہ وہ اعزاز ہے جو اللہ خود اپنے منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے۔ اور جمال دین شہید مومن تھا۔ زمین پر مضبوطی سے قدم جمانے والا، لیکن عاجزی سے سر جھکا کر چلنے والا۔ اور اس نے اس زمین کی تقدیر بدل دی۔ جہاں اسلام تھا ہی نہیں، وہاں کفر و اسلام کا معرکہ ہوا اور اس معرکے میں جمال دین نے اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ شہادت پائی۔

میرے حق نگر کے بھائیو......! بہنو......! بزرگو......! اور بیٹو......! اچھے لوگ اور خاص طور سے اچھے مسلمان اپنے محسنوں کو نہیں بھولتے۔ انہیں ہمیشہ یاد رکھتے ہیں، انہیں عزت دیتے ہیں۔ جمال دین شہید ہمارا محسن نہیں تھا، عبدالحق ہمارا محسن ہے۔ اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہم سب کو یاد ہے، ہم وہ بے سروسامانی کیسے بھول سکتے ہیں......؟ اور اب عالم میں ہر طرح سے سہارا دینے والے کو بھی کیسے بھول سکتے ہیں......؟ اور وہ عبدالحق ہے۔

لیکن جمال دین، اس کی بیوی اور اکلوتا بیٹا، یہ سب عبدالحق کے محسن تھے۔ تو محسن کا محسن اور بڑا ہوتا ہے۔ اس کا حق اور

زیادہ حق ہوتا ہے۔ آج ہم یہاں اس مدرسے کو جمال دین کی یاد سے
منسوب کر کے وہ حق ادا کر رہے ہیں۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ پھر انہوں نے چند لمحے توقف کیا۔

"اور اس مدرسے کا افتتاح کرنے کے لئے سب سے
زیادہ حق دار کون ہے......؟ ایک ہی ہے، کوئی دوسرا نہیں......! اور وہ
ہے جمال دین شہید کی بیوہ، وصال دین شہید کی اور اپنے عبدالحق کی
اماں......! جسے ہم سبھی جانتے ہیں، اور کیا چھوٹا، کیا بڑا، سب اسے
اماں ہی کہتے ہیں۔"

دیر تک وہ سناٹا قائم رہا جو مولوی صاحب کی تقریر کے دوران قائم ہوا تھا۔ وہ جیسے
کوئی سحر تھا۔ بیشتر آنکھیں نم تھیں۔ پھر جیسے وہ سحر ٹوٹا، اور اچانک تالیاں ہی تالیاں...... سب کی
نظریں حمیدہ پر تھیں۔

"یہ...... یہ کیا کہا مولوی صاحب نے پتر......؟"

حمیدہ نے حیرت سے عبدالحق سے پوچھا۔

"ٹھیک کہا ہے اماں......!"

"پر پتر......! مجھے یہ سب نہیں آتا۔"

"کچھ بھی نہیں اماں......! بس ایک فیتہ کاٹنا ہوتا ہے۔"

"ناں پتر......! مجھے بڑی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

"میں ساتھ ہوں ناں آپ کے......! اور نورالحق بھی تو ہے۔"

اور حمیدہ نے لرزتے ہاتھوں سے قینچی تھامی تو نورالحق سے کہا۔

"پتر نورالحق......! میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دے اپنا۔"

اور اس عالم میں اس نے فیتہ کاٹا کہ نورالحق اس کے ہاتھ کو سہارا دے رہا تھا۔ اور
افتتاح کے بعد ساری خلقت مدرسے کو اندر سے دیکھنے کے شوق میں مدرسے کی طرف لپکی۔ لیکن
حمیدہ، نورالحق کا ہاتھ تھامے دوبارہ وہیں چلی گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔

عبدالحق بھی اس کے پاس چلا آیا۔ ادھر ارجمند بھی حمیدہ کے پاس آ گئی تھی۔

"کیا ہوا دادی اماں......؟ آپ اندر کیوں نہیں گئیں......؟"

ارجمند نے پوچھا۔



"ہمت نہیں رہی نکی......!"

حمیدہ کے لہجے میں تھکن تھی۔ عبدالحق نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اماں تمہاری......؟"

"ہاں پتر......! پریشانی کی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر تھکن کیسی......؟"

عبدالحق کی پریشانی یوں دُور ہونے والی نہیں تھی۔

"پتا نہیں پتر......! لگتا ہے، کوسوں پیدل چل کر آئی ہوں۔"

ارجمند کچھ سوچ رہی تھی۔ اس نے سر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"اتنے برسوں پہلے کی باتیں دُہرائی گئیں، وہ دادی اماں بھول بھی گئی ہوں گی۔ کتنے
زخم تازہ ہوئے ہوں گے، یہ جذباتی تھکن ہے آغا جی......!"

اور بات عبدالحق کی سمجھ میں آ گئی۔ حمیدہ نے ارجمند کو ستائشی نظروں سے دیکھا۔

"تو کتنی عقل مند ہے نکی......! ماشاء اللہ......!"

"کیا ہو گیا ہے اماں......؟"

"تو نے کہا تو میری سمجھ میں آ گیا۔ یہ کوسوں پیدل چلنے کی نہیں، برسوں پیدل چلنے کی
تھکن ہے۔ اتنے برس پیچھے میں پیدل ہی گئی اور پیدل ہی واپس آئی۔ تھکن تو ہونی ہی تھی۔"

"واہ......! کیا شاعرانہ بات کہی ہے اماں......!"

عبدالحق نے اسے داد دی۔

"شاعری کا مجھے کیا پتا پتر عبدالحق......! میں تو زندگی کی بات کر رہی ہوں۔"

حمیدہ نہ کہا، پھر بولی۔

"تو اندر کیوں نہیں گیا......؟"

"تمہاری وجہ سے اماں......!"

"میرے پاس تو یہ دونوں ہیں۔ جا تو اندر چلا جا......! دیکھ تو، لوگ پسند بھی کر رہے
ہیں یا نہیں......؟"

"مجھے لوگوں کی پسند سے کیا اماں......؟ اللہ قبول فرمائے تو سب ٹھیک ہے۔ ویسے بھی
یہ سب کچھ زبیر بھائی کا ہے، اور وہ اندر موجود ہیں۔"

"چل ٹھیک ہے......! تو بیٹھ جا......!"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ وہ سب اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ پھر حمیدہ نے اچانک کہا۔

"تو نے اپنے بارے میں یہ سب کچھ کیوں بتایا پتر......؟ اس کی کیا ضرورت تھی......؟ اور ضرورت تو باقی کچھ کی بھی نہیں تھی۔"

"ضرورت تھی اماں......! انصاف ہے کہو......! چاچا ہی یہاں پہلے نماز پڑھنے والے تھے ناں......؟ تم تو گواہ ہو......!"

حمیدہ کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔ اس نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر ان کا حق تھا ناں کہ انہیں یاد رکھا جائے......؟ لوگ ان کے لئے دُعائے خیر کریں، اور رہی میری بات تو اپنے بارے میں بتانے میں کیا حرج ہے......؟ چھپائے تو گناہ جاتے ہیں اماں......!"

یہ آخری بات کہتے ہوئے عبدالحق کا لہجہ کچھ تلخ ہو گیا۔

"مگر اس کی ضرورت کیا تھی......؟"

"ضرورت تھی اماں......!"

عبدالحق نے کہا۔

"یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو مجھے ہندو بچہ کہتے ہیں۔"

حمیدہ کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ لیکن اس کی نگاہوں میں بے یقینی تھی۔ خود ارجمند بھی شاک میں تھی۔ عبدالحق نے بات اتنی دھیمی آواز میں کی تھی کہ نورالحق اسے سن نہیں سکا تھا۔

"ارے......! تم یہیں ہو......؟"

ارجمند نے مصنوعی حیرت سے نورالحق سے کہا۔

"ساجد تمہیں تلاش کر رہے تھے، اور تم اندر کیوں نہیں گئے......؟"

"میں دادی اماں کے ساتھ تھا امی......!"

نورالحق نے معصومیت سے کہا۔

"تو اندر جاؤ......! ساجد تمہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔"

نورالحق ہچکچایا، لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اُٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے امی......! میں جاتا ہوں۔"

اس کے جانے کے بعد حمیدہ نے عبدالحق سے کہا۔



"کون ایسا کہتا ہے تجھے......؟"

"ہیں کچھ لوگ اماں......! یہاں کے نہیں ہیں وہ، لیکن اب یہاں آ گئے ہیں۔"

"تو کسی کے کہنے سے کیا ہوتا ہے پتر......؟ تجھے کیا فرق پڑتا ہے......؟"

"مجھے نہیں پڑتا اماں......! پر کہنے والے کو تو فرق پڑتا ہے۔"

"مطلب......؟"

"مجھے کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا نقصان نہ ہو۔"

"تو پھر......؟"

"میں نے واضح کر دیا سب پر کہ میں نو مسلم سہی، لیکن الحمدللہ کسی ہندو یا مشرک کی ...د نہیں ہوں۔ اب اس کے بعد بھی وہ ایسی کوئی بات کہے تو پھر وہ جانے اور اللہ جانے......!"

حمیدہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"بڑا دل دُکھا اس بات پر......!"

عبدالحق مسکرایا۔ اور وہ بڑی سچی مسکراہٹ تھی۔

"نہیں اماں......! کم از کم اپنے لئے تو دل نہیں دُکھا میرا۔ کسی کے کچھ کہنے سے میں ...و اور تو نہیں بن جاؤں گا، جو ہوں وہی رہوں گا۔ لیکن اس بات پر ضرور افسوس ہوا کہ لوگ کتنے ...ان ہوتے ہیں، اسلام تو اپنے قبول کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کا حکم دیتا ہے۔ ...ں پر اللہ کی رحمت ہو تو وہ گمراہی کے اندھیرے سے حق کی روشنی میں آتا ہے، اور اللہ کی اس پر ...ت کی وجہ سے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی مسلمان ہوا تو تمہارا بھائی ...یا۔ اس کی زیادتیاں بھی بھلا دو، معاف کر دو۔ لیکن نادان لفظ نو مسلم بھی ایسے ادا کرتے ہیں، ...لی ہو، اور نہیں جانتے کہ اپنا نقصان کر رہے ہیں۔"

"تو نے ٹھیک کہا پتر......!"

حمیدہ نے کہا۔ پھر عبدالحق کا ہاتھ تھاما اور اپنے لبوں سے لگا لیا۔

"تو نے مجھے بہت بڑی خوشی دی ہے پتر......!"

اس نے کہا اور رونے لگی۔ آنسو اس رفتار سے بہہ رہے تھے کہ لگتا تھا، کبھی رُکیں گے ...

"سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اماں......!"

"بے شک......! پر اللہ سامنے تو بندے ہی کو رکھتا ہے ناں......!"

"یہی تو اللہ کی کریمی ہے۔ ایک وہی تو ایسا کرنے والا ہے۔ پہلے کرم فرمائے، پھر
اس پر اجر عطا فرمائے اور پھر اجر در اجر، دیتا ہی چلا جائے۔"

"تو بالکل ٹھاکر ویر جیسا ہے پتر......! وہ بھی بہت بڑھ کر دیتے تھے، اور اسے بھی
قبول کرنے والے کا احسان مانتے تھے۔"

عبدالحق ایسے موقعوں پر ہمیشہ شرمندگی سے بے حال ہو جاتا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح
گنگ ہو کر رہ گیا اور نظریں چراتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

ایسے میں ارجمند اس کی مدد کے لئے بڑھی۔

"آغا جی......! آپ نے اماں سے وہ بات تو کی ہی نہیں۔"

"کون سی بات......؟"

عبدالحق کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

"وہی، شفٹ ہونے والی بات......!"

عبدالحق نے تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ ارجمند نے اسے ایک
ضروری اور اہم بات یاد دلائی ہے۔ لیکن اصل بات یہ نہیں تھی۔ یہ کام تو وہ کسی اور وقت بھی کر
تھی۔

لیکن اس وقت درحقیقت اس نے اسے اس خفت اور شرمندگی سے بچا لیا تھا جو اماں
کی باتیں سن کر اس پر طاری ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے پتر......؟"

حمیدہ نے اسے چونکا دیا۔

"اماں......! میں مستقل طور پر حق نگر میں رہنے کا سوچ رہا ہوں۔ اس کے لئے
اجازت لینی تھی تم سے......!"

"اجازت کی کیا بات ہے اس میں......؟"

"میں سوچتا تھا اماں......! آپ کا دل لاہور میں لگ گیا ہو تو یہاں اچھا نہیں لگے
گا۔"

"کیسی باتیں کرتا ہے تو......؟ اس ایک جگہ کے علاوہ تو ساری دُنیا پردیس ہے، میرے
لئے۔"

"بس تو اب ہم لاہور جائیں گے، صرف سامان پیک کرنے کے لئے۔"



"میری تو جھولی بھر دی بن مانگے میرے ربّ نے۔"

❁❁❁

برکت علی، چوہدری عبدالستار کا پولیٹیکل سکریٹری تھا۔ اس وقت وہ سلطان پور میں اس
کے روبرو بیٹھا تھا۔

"ہاں تو برکت......! یہ گیس کی پائپ لائن کا معاملہ کہاں تک پہنچا......؟"

چوہدری نے اس سے دریافت کیا۔

"کام ہو رہا ہے چوہدری صاحب......! آپ کی ڈیڈ لائن سے پہلے ہی مکمل ہو جائے

چوہدری جھنجلا گیا۔

"وہ تو مجھے معلوم ہے کہ کام ہو رہا ہے اور وقت سے پہلے ہی مکمل ہو جائے گا۔ میں
اور پوچھ رہا ہوں تم سے۔"

چوہدری نے غصے سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں جناب......!"

چوہدری کو بہت شدید غصہ آیا اس پر۔ کوئی اور ہوتا تو وہ اس سے قائد عوام کی عوامی
زبان میں بات کرتا۔ مگر اسے احساس تھا کہ سکریٹری عزت کی نشانی ہوتا ہے۔ اب ہر ایرا غیرا تو
سکریٹری نہیں رکھ سکتا ناں۔ تو عزت کی نشانی کی عزت بھی رکھنی پڑتی ہے کہ اس میں اپنی بھی عزت
ہے۔ لہٰذا مجبوری ہے، البتہ سکریٹری کو اتنا بے وقوف ہونا نہیں چاہئے۔

"میں نے تم سے کچھ کہا تھا۔"

چوہدری نے لہجہ نرم رکھتے ہوئے کہا۔

"کس سلسلے میں چوہدری صاحب......؟"

اس بار چوہدری کا جی چاہا کہ اپنے سر کے بال نوچ پھینکے، اور وہ اس کا مستحق بھی
تھا کہ اس قدر بے وقوف سکریٹری رکھنا خود اس کی بے وقوفی کی دلیل تھا۔ چنانچہ اس نے خود پر ضبط
کرتے ہوئے کہا۔

"اس زبیر کے بارے میں......!"

یہ کہہ کر اسے خیال آیا کہ سکریٹری کو یہ بھی پتا نہیں ہوگا کہ اس نے کیا کہا تھا......؟

لٰہذا وقت بچانے کے لئے وہ بھی خود ہی بتا دیا جائے۔

"میں نے کہا تھا کہ اس پر نظر رکھنا۔ اگر اس پائپ لائن کے معاملے میں وہ مکمل دست برداری اختیار کر لے، بلکہ ڈھیلا بھی پڑے تو مجھے بتانا۔"

"مجھے یاد ہے جناب......!"

"تو پھر......؟"

چوہدری کو پھر غصہ آنے لگا۔

"یہ سکریٹری ہے کہ سیاست دان......؟ کم سے کم لفظوں میں جواب دیتا ہے، زیادہ سے زیادہ سوالات پر اُکساتا ہے۔ مکمل جواب دینے کا قائل ہی نہیں۔"

"تو ایسا ہوا ہی نہیں، اس لئے میں نے آپ کو بتایا بھی نہیں۔"

"یہ جان کر بھی کہ میں سرکاری طور پر پائپ لائن ڈلوا رہا ہوں، وہ ڈھیلا نہیں پڑا......؟"

چوہدری کے لہجے میں استعجاب تھا۔

"ڈھیلا پڑنا کیسا جناب......؟ وہ تو اور سرگرم ہو گیا ہے اس سلسلے میں۔"

"اوہ......! تو میرا اندازہ درست تھا......؟"

چوہدری نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"آپ کا اندازہ کیا تھا جناب......؟"

سکریٹری نے عاجزانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہیں کیوں بتاؤں......؟"

چوہدری نے کڑے لہجے میں کہا۔

"میں آپ کا سکریٹری ہوں جناب......!"

"پوچھ تو ایسے رہے ہو جیسے میں تمہارا سکریٹری ہوں۔"

چوہدری جھنجلا گیا۔

"ارے......! سکریٹری اپنے باس کی صورتِ حال کے بارے میں آگاہ رہتے ہیں، انہیں سمجھاتے ہیں، معلومات فراہم کرتے ہیں۔ تم ہو کہ یہ سب کام مجھ لیتے ہو۔"

"آپ سے سیکھوں گا، سمجھوں گا، تبھی تو آپ کے کام اور بہتر طور پر آ سکوں گا۔"

برکت علی نے بے حد عاجزی سے کہا۔



"ورنہ کہاں آپ کی عقل اور کہاں میں......؟ مر جاؤں تو بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔"



"ہاں......! یہ تو ہے۔"

چوہدری نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں کبھی۔"

اور دل میں اس نے سوچا کہ وہ بیٹوں کی اچھی تربیت نہیں کر سکا تو سکریٹری کی کیا ......؟ لیکن غلطی ہوئی، ثابت ہو گیا کہ دونوں کام ہی اہم تھے۔

"تو پھر بتائیں ناں عالی جناب......! آپ کا اندازہ کیا تھا......؟"

چوہدری نے گہری سانس لی۔

"میرا اندازہ تھا کہ زبیر اور عبدالحق سیاست کے میدان میں آنا چاہتے ہیں۔"

"تو رکاوٹ کیا ہے اس میں......؟ کیا آپ ہیں......؟"

اس بار چوہدری کی برداشت جواب دے گئی۔

"ابے گدھے......! میں کیسے روک سکتا ہوں انہیں......؟"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا تھا جناب......!"

برکت علی نے گدھے کے خطاب پر برا مانے بغیر کہا۔ وہ جانتا تھا کہ چوہدری اس کی عزت رکھتا ہے، مگر بس اس کی عنایت تھی، ورنہ وہ کچھ بھی کہہ سکتا تھا اسے، کچھ بھی کر سکتا تھا اس کے ساتھ اور حیران بھی ہو رہا تھا۔

"سوری......! میں نے تمہیں گدھا کہا۔"

"کوئی بات نہیں جناب......! آپ مجھے کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔"

برکت علی نے کہا۔ پھر خاص طور پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"آخر میں سکریٹری ہوں آپ کا......!"

"بات مت کاٹا کرو......!"

اس کے آخری جملے نے چوہدری کا موڈ خراب کر دیا۔

"میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میرے اندازے کے مطابق وہ لوگ سیاست میں دلچسپی رکھتے ہیں، لیکن یا تو شرمیلے ہونے کی وجہ سے ہچکچاتے ہیں یا اعتماد میں کمی کی وجہ سے۔"

"عبدالحق کا تو مجھے نہیں پتا عالی جناب......! لیکن زبیر صاحب نہ شرمیلے ہیں نہ ان

میں اعتماد کی کمی ہے۔ بڑے سے بڑے آدمی کے دفتر میں گھس جاتے ہیں اور مضبوطی سے بات کرتے ہیں۔"

"زبیر صاحب......؟"

چوہدری نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"اب تو مجھے میرے دُشمنوں کے قصیدے سنائے گا۔"

"سوری جناب......! غلطی ہوگئی۔"

برکت علی ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"بیٹھ جاؤ......!"

چوہدری نے پھر سے تہذیب کا دامن تھاما۔ برکت علی بیٹھ گیا۔

"اجازت ہو تو ایک بات اور پوچھ لوں عالی مرتبت......؟"

"ضرور پوچھو......! آخر میں تمہارا سکریٹری ہوں۔"

چوہدری نے چڑ کر کہا۔

"نہیں جناب......! آپ عقل و دانش کا سورج ہیں اور میں آپ سے روشنی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے کہا ناں، پوچھ لو......!"

"اگر زبیر صا......"

وہ کہتے کہتے رُک گیا، پھر بولا۔

"اگر وہ زبیر گیس کے معاملے میں ڈھیلا پڑ جاتا تو آپ کیا کرتے......؟"

چوہدری مسکرایا۔

"پھر ہم بھی ڈھیلے پڑ جاتے اور گیس کی پائپ لائن رُک جاتی۔"

"اوہ......! واہ جناب عالی......!"

برکت علی نے کہا۔ پھر کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن جناب......! اگر زبیر یہ ساری بھاگ دوڑ آپ کو دکھانے کے لئے کر رہا ہو؟ میرا مطلب ہے، وہ بھی یہ بات سمجھتا ہو۔"

"آج پہلی بار تم نے کوئی سکریٹری والی بات کی ہے برکت علی......!"

چوہدری پھر مسکرایا۔



"مجھے دوسروں کا نہیں پتا، لیکن میرے خیال میں سیاست کا کام بہت بہت دُور تک دیکھنا، ہر بات کو خواہ وہ غیر اہم لگتی ہو، اس پر غور کرنا، اس کا تجزیہ کرنا، تمام امکانات پر سوچنا اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنا ہوتا ہے، اور میں ایسا آدمی ہوں برکت علی......! کہ جو ایک فیصد امکان کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتا۔"

برکت علی ستائشی نظروں سے چوہدری کو دیکھ رہا تھا۔ چوہدری نے اپنی بات جاری رکھی۔

"جب مجھے پہلی بار یہ اطلاع ملی کہ زبیر نے عبدالحق کی طرف اپنے خرچ پر سلطان پور تک گیس پائپ لائن ڈلوانے کی بات کی ہے تو میں نے اس پر ہر زاویے سے سوچا۔ ایک امکان تو یہ تھا کہ اس طرح وہ مجھے میرے اپنے حلقے میں سیاسی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف خود سیاست میں آنا چاہتے ہیں۔ اور ایک بہت معمولی سا امکان یہ بھی تھا کہ وہ اس طرح مجھے اُکسا کر، مجبور کر کے مجھ سے ہی یہ کام کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے اس امکان کو بھی ردّ نہیں کیا۔ لیکن پہلی بات بہت واضح تھی۔"

برکت علی بڑی توجہ سے چوہدری کی بات سن رہا تھا۔

"میرا اپنا انتخابی حلقہ ایک بڑی سہولت سے محروم تھا، اس حقیقت کے باوجود کہ میں حزبِ اقتدار میں ہوں لیکن میں اس کے لئے کئی وجوہات بیان کر سکتا تھا، بہت عذر تراش سکتا تھا، اور میں اس حصار میں محفوظ تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ یہ کام کرانا میرے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ میرے قومی اسمبلی کے حلقے میں سلطان پور اور حق نگر دونوں آتے ہیں، اور مجھے حق نگر سے برائے نام ووٹ ملے تھے، اور حق نگر سے صوبائی اسمبلی کا الیکشن ہم ہارے تھے۔ سو میں گیس سے محروم کر کے حق نگر والوں کو سزا دے رہا تھا تاکہ آئندہ وہ ہماری اطاعت کریں۔ لیکن نقصان دہ پہلو یہ تھا کہ اس کے نتیجے میں سلطان پور بھی محروم ہو رہا تھا، جہاں سے مجھے تقریباً سو فیصد ووٹ ملے تھے۔ میں نے سوچا کہ میں ان کو بہلا لوں گا۔ سچ یہ ہے کہ مجھے اس سے سلطان پور میں کوئی بڑا سیاسی نقصان نہیں ہوا۔ لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ اچھا فیصلہ نہیں تھا۔ اس سے بہتر ہوتا کہ میں حق نگر پر بھی احسان کرتا اور سلطان پور والے بھی اس سے خوش ہوتے۔ میرا اس میں سیاسی فائدہ تھا۔ لیکن اس غلط فیصلے کا بنیادی سبب میرا چھوٹا بیٹا کاشف تھا۔"

یہ کہتے ہوئے چوہدری نے دانت پیسے۔

"آخر بندہ اولاد کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے۔ کاشف جذباتی لڑکا ہے، نہیں جانتا کہ

سیاست کا جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔ میں اس کی جذباتیت کے سامنے مجبور ہو گیا، یہ میری کمزوری ہے، جو سیاست میں نہیں چلتی۔ کاشف کی تو حق نگر میں ضمانت ضبط ہوئی تھی۔ اس کا ردِعمل ٹھیک تھا۔ مگر مجھے اس کو سمجھانا چاہئے تھا۔ اسے ٹھیک کرنے کی بجائے میں خود خرابی میں پڑ گیا۔"

یہ کہتے کہتے وہ چونکا۔

"ارے......! بات کیا ہو رہی تھی......؟ ہاں......! میں نے گیس کی پائپ لائن والی بات کو اہمیت تو دی، مگر کچھ زیادہ نہیں۔ میں نے سوچا، یہ لوگ بڑے دل والے ہیں۔ حق نگر میں انہوں نے لوگوں کے لئے بڑے فلاحی رفاہی کام کئے ہیں۔ سچ پوچھو تو حق نگر کا ہر شخص ان کے احسان تلے دبا ہوا ہے۔ وہ ساری زمین انہی کی تھی۔ انہوں نے بغیر کسی معاوضے کے وہ زمین بھارت سے آنے والے مہاجرین کو دی۔"

"کیا واقعی......؟"

برکت علی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......! یہ سچ ہے، اور صرف رہنے کے لئے نہیں دی۔ انہوں نے لوگوں کو زرعی پلاٹ بھی دیئے۔ پھر روپے پیسے سے بھی مدد کی، اور یہ کام انہوں نے بلاتفریق کیا۔"

"تب تو اس کا نام حق نگر ہی ہونا چاہئے۔"

"میں تمہیں حقائق بتا رہا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اس کی تعریف شروع کر دو......؟"

چوہدری نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہ بات ذہن میں رکھو کہ وہ میرا دشمن نمبر ایک ہے، اور تم میرے سیکریٹری ہو۔"

"میں معافی چاہتا ہوں، لیکن اجازت ہو تو ایک اور بات پوچھوں آپ سے......؟"

چوہدری نے کچھ کہا نہیں، بس کڑی سوالیہ نگاہوں سے اسے گھورتا رہا۔

"آپ کی اس سے دشمنی کی وجہ کیا ہے......؟"

چوہدری کے چہرے پر نرمی بکھر گئی۔

اس سے نہیں، اس کی عزت، اس کی مقبولیت سے مجھے دشمنی ہے۔ شہر کا نام اس کے نام پر رکھا گیا، یہ ایسا اعزاز نہیں جو آئے دن کسی کو ملتا ہو۔ اس کا وجود میرے لئے چیلنج ہے۔ میرے اقتدار، میری پوزیشن کے لئے ایک ایسا خطرہ ہے، جو جب بھی سامنے آ گیا تو میں اس کا تدارک نہیں کر سکوں گا۔ اپنے وسائل، اپنی ذہانت، سب کچھ بروئے کار لا کر بھی میں اس سے نہیں



نمٹ سکوں گا۔"

"لیکن اس کے سیاسی عزائم کبھی سامنے نہیں آئے۔"

"اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے سیاسی عزائم نہیں ہیں۔ 70ء کا الیکشن ہو تو اس وقت سیاست کوئی عوامی سطح کی چیز نہیں تھی۔ لیکن اب ایسا ہے، ایسے میں عبدالحق جیسے لوگ بہت آگے جا سکتے ہیں۔ وہ تو میری پارٹی میں بھی میرا حریف ثابت ہو سکتا ہے، اور وہ بھی ایسا حریف جو میرا سیاسی مستقبل ختم کر سکتا ہے۔"

"میں سمجھ گیا عالی جناب......!"

"مگر میں نے سوچا کہ جس کام میں یہ ہاتھ ڈالنے کی بات کر رہے ہیں، اس میں خرچہ بہت زیادہ ہے۔ بے شک، ان کے پاس دولت کی کمی نہیں، لیکن اتنا بڑا کام ذاتی طور پر کروانا ممکن نہیں ہوگا۔ مگر میں نے اس امکان کو مسترد بہرحال نہیں کیا۔

لیکن جب اخبار میں یہ خبر چھپی تو کوئی گنجائش نہیں رہی، اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس میں ان کے سیاسی مقاصد ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے کسی فلاحی کام کے لئے پبلسٹی نہیں کی تھی۔ اب یہاں مجھے پہلی بار یہ خیال آیا کہ یہ پبلسٹی کہیں مجھے استعمال کرنے کے لئے تو نہیں ہے......؟ اس کا کافی امکان تھا، مگر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میرے لئے رسک بہت بڑا تھا۔ اگر میں نظر انداز کر دوں اور وہ کام کر گزریں تو میں سلطان پور میں بھی منہ دکھانے ے قابل نہ رہوں۔ لہٰذا میں ان کے کھیل کو ناکام بنانے کے لئے حرکت میں آ گیا۔ لیکن میں نے تم سے کہہ دیا کہ زبیر پر نظر رکھو۔ وہ ڈھیلا پڑے تو مجھے بتاؤ۔"

"تاکہ ہم بھی ڈھیلے پڑ جائیں......؟"

برکت نے کہا۔

"ہاں......! یہ پہلا موقع ہے کہ کسی نے مجھے پش کیا ہے، کسی کام کے لئے۔ اور مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی۔ اور تم کہتے ہو کہ زبیر ڈھیلا نہیں پڑا، بلکہ وہ اور سرگرم ہو گیا ہے۔ اب بھی یہ امکان موجود ہے کہ یہ سب مجھے دکھانے کے لئے ہے۔ لیکن میں اس امکان کے تحت پیچھے ہٹ کر ان کے لئے میدان خالی چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ پہلی بار ایسا کوئی حریف ملا ہے مجھے۔"

پھر وہ کہتے کہتے رُکا۔

"اور ہاں......! تمہارے لئے میری ہدایت اب بھی وہی ہے۔ زبیر جب بھی ڈھیلا

پڑے، مجھے بتا دینا۔"

"بہت بہتر عالی مرتبت......!"

❀❀❀

حمیدہ تو جیسے مدرسے کے افتتاح کے موقع پر سنائی جانے والی کہانی کی دُنیا میں ہی کھو گئی تھی۔ اس کے لئے وہ ایسا تھا جیسے کوئی کسی دروازے کو کھلا دیکھ کر یوں ہی اندر چلا جائے اور پھر اسے پتا چلے کہ یہ تو اس کی من پسند بچھڑی ہوئی دُنیا ہے، جس کو وہ کب سے ڈھونڈ رہا تھا۔ اور آدمی پھر اس دُنیا سے کب نکلنا چاہتا ہے۔

حمیدہ کے لئے بھی نکلنا دُشوار ہوگیا تھا۔

مولوی صاحب کی باتیں اسے کھینچ کر اس دُنیا میں لے گئی تھیں، جو مٹ چکی تھی۔ عملاً مٹ چکی تھی۔ اور یہ غیر معمولی بات تھی۔ عام طور پر اس میں کچھ کمی، کچھ اضافے ہوتے رہتے ہیں، لیکن دُنیا وہی رہتی ہے۔ زیادہ ہو تو آدمی کہتا ہے کہ

"ارے......! یہاں تو دُنیا ہی بدل گئی۔"

لیکن حمیدہ کی دُنیا بدلی نہیں تھی۔ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے مٹ گئی تھی، ناپید ہوگئی تھی، ایسے کہ اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔

اور اس دُنیا کی تباہی کا منظر دیکھنے کے دوران ہی وہ آنکھوں سے بھی محروم ہوگئی تھی۔

اس اندھے پن میں تو سچ مچ دُنیا ختم ہی ہوگئی تھی اس کے لئے۔ جانے کتنے عرصے وہ اس حال میں رہی، پھر عبدالحق اس کے لئے زندگی کی رونقیں اور خوشیاں لئے واپس آگیا۔

تب بھی بہت عرصہ وہ دُنیا کو نہیں دیکھ سکی۔ اس کے پاس آوازیں تھیں، لمس تھے، محسوسات تھے، جن سے وہ لوگوں کو اور اپنے گرد و پیش کو سمجھ سکتی تھی۔ لیکن دُنیا کو وہ نہیں سمجھ سکتی تھی۔ دُنیا تو اس کے لئے وہی تھی، جسے اس نے مٹتے ہوئے دیکھا تھا اور جو یقیناً مٹ چکی تھی۔

پھر اللہ نے کرم فرمایا۔ اس کی بینائی اسے واپس مل گئی۔ وہ پھر سے دُنیا کو دیکھنے کے قابل ہوگئی۔ لیکن یہ اس کی وہ دُنیا نہیں تھی۔ اسے دیکھ کر اس کا یقین اور پختہ ہوگیا کہ اس کی دُنیا ختم ہو چکی ہے۔ اللہ نے اپنے فضل سے اسے دوسری زندگی دی ہے، اور وہ بھی دوسری دُنیا میں۔

پھر اس نے اپنی آنکھوں سے ایک معجزہ رونما ہوتے دیکھا۔ اللہ کے فضل و کرم سے جو ممکن نہیں تھا۔ اللہ نے اپنی رحمت اور قدرت سے ممکن بنا دیا۔



ریت کے سمندر کے نیچے دبی ہوئی ٹھاکروں کی حویلی اُبھر آئی، اور اس میں سے بہت کچھ نکلا۔ مگر وہ اس دُنیا کی حویلی اس دُنیا میں قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ اسے گرا دیا گیا۔ اس پچھلی دُنیا کے مٹ جانے پر اس حویلی کا گرایا جانا مہر تھا۔

عجیب بات تھی، جس دُنیا کو اس نے مٹتے دیکھا تھا، اس کی اسے یاد نہیں آتی تھی۔ اس نے تسلسل سے اسے کبھی یاد نہیں کیا، کبھی یاد نہیں رکھا۔ ہاں......! کبھی کوئی یاد آجاتی اور کبھی کوئی۔ اِدھر اُدھر کی ان یادوں کے سوا اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ورنہ آدمی حال میں رہتے ہوئے ماضی میں چلا جاتا ہے۔ کبھی گھنٹے دو گھنٹے کے لئے اور کبھی محض چند منٹ کے لئے۔

مگر حمیدہ کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ مٹی ہوئی اس دُنیا کی ایک جھلک بھی اسے یاد نہیں تھی۔ وہ صرف وجود کے اعتبار سے ہی ختم نہیں ہوئی تھی، اس کی یادداشت میں بھی اس کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ اب حمیدہ جاتی تو کہاں جاتی......؟

اسے کبھی یاد آتے تو بس کچھ لوگ یاد آتے۔ ان کی زندگی کے چند لمحے، ان کی چھوٹی سی کوئی دید یاد آتی، مگر ٹھاکروں کی گڑھی کی کوئی چیز اسے یاد نہ آتی۔ وہ تو مٹ گئی تھی ناں، اپنے گھر کا دروازہ، کوئی اینٹ تک یاد نہیں تھی اسے۔

لیکن مولوی صاحب نے جو اس دن کہانی شروع کی تو وہ مٹی ہوئی دُنیا اس کے ذہن میں اُبھر آئی۔ وہ جیتی جاگتی، سانس لیتی دُنیا، جس کا وہ حصہ تھی، اور وہ حیران ہوئی کہ اسے چھوڑ کر وہ زندہ کیسے ہے......؟

اور وہ مولوی صاحب کی آواز کا ہاتھ تھام کر ٹھاکروں کی گڑھی میں داخل ہوگئی۔

وہ جب بیاہ کر یہاں آئی تو اسے بڑی حیرت ہوئی کہ گاؤں میں ان کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی گھر نہیں تھا۔ تب اس نے ٹھاکر ویر کے اس خاندان پر احسان کی وہ کہانی سنی۔ ٹھاکر نے نہ صرف ان کی عزت بچائی تھی، بلکہ اپنے گاؤں میں انہیں حق ملکیت کے ساتھ زمین بھی دی تھی۔

اسے یاد تھا، اس کا سسر نماز نہیں پڑھتا تھا۔ لیکن جمال دین پر اللہ کا کرم تھا کہ وہ قرآن بھی پڑھتا تھا اور نماز بھی باقاعدگی سے ادا کرتا تھا۔ اور یہی نہیں، اس نے ہمیشہ اسے بھی یہی تلقین کی، بلکہ تاکید کی۔

ٹھاکروں کی گڑھی کے ہندوؤں کو یہ بات بہت ناپسند تھی کہ ان کی زمین پر نماز پڑھی جائے۔ انہوں نے کئی بار ٹھاکر ویر سے اس بات کی شکایت کی لیکن ان میں رواداری بڑی تھی۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے اس کی نماز سے......؟''

انہوں نے اعتراض کرنے والوں سے پوچھا۔

''ٹھاکر مہاراج......! اس گاؤں میں ملچھ مُسلے کی موجودگی ہی کیا کم ہے کہ وہ نماز بھی پڑھے......؟''

''ایک بات بتاؤ......! تمہیں کیسے پتا کہ وہ نماز پڑھتا ہے......؟''

''وہ خود بتاتا ہے۔''

''بغیر پوچھے......؟''

''نہیں مہاراج......! ہم پوچھتے ہیں تو بتاتا ہے۔''

''تم میں سے کس نے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسے......؟''

''نہیں مہاراج......!''

''کبھی سنا......؟''

''نماز زور سے کہاں پڑھی جاتی ہے ٹھاکر مہاراج......!''

''زور سے ہی پڑھی جاتی ہے۔ میں جانتا ہوں، میں نے دہلی میں دیکھا ہے۔''

ٹھاکر نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

''تو پھر......؟''

شکایت کرنے والے ہکا بکا رہ گئے۔

''وہ جھوٹ بولتا ہے۔''

ٹھاکر نے کہا۔

''پر وہ جھوٹ کیوں بولے گا ٹھاکر مہاراج......؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ پر میں اتنا بتا دوں کہ تم اس سے پوچھ کر غلطی کرتے ہو۔ تمہیں اس کی نماز سے کیا......؟ اگر وہ پڑھتا بھی ہے تو مجھے اس کی فکر کرنے کا کوئی حق نہیں، وہ اپنے گھر میں جو چاہے کرے۔''

''کیوں مہاراج......؟''

''مجھے یہ تو بتاؤ کہ صابر علی کے گاؤں میں کتنے ہندو ہیں......؟''

''وہاں صرف تین گھر ہیں ہندو جاتی کے۔''

وفد میں سے کسی نے کہا۔



''اور صابر علی نے اپنے خرچ پر ان کو مندر بنا کے دیا ہے۔''

ٹھاکر نے کہا۔

''ہم یہاں سے جمال دین کو نکال دیں اور صابر علی وہاں سے ان تین گھرانوں کو ...؟ اور ہم جمال دین کو نماز سے روک دیں اور صابر علی ان تین گھروں کے تمام لوگوں کو پوجا ...ے روک دے تو......؟ بلکہ اگر اس مندر کو ہی گرا دے تو......؟''

''یہ وہ کیسے کر سکتا ہے ٹھاکر مہاراج......؟''

وفد میں سے کسی نے بپھر کر کہا۔

''ہم نے بھی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔''

''زمین صابر علی کی، مندر کی عمارت پر لگنے والا دھن بھی اسی کا، تم کیسے روک لو گے ...ے......؟ رہی چوڑیوں کی بات تو وہ تمام مرد نہیں پہنتے، ہندو ہوں کہ مسلمان۔ اور بھئی......! جمال ...ین کو نماز سے روکنے کے بعد میرا تو منہ نہیں ہوگا کہ صابر علی کو مندر گرانے سے روکوں۔''

وہ سب لوگ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ لاجواب ہو گئے تھے، لیکن دل سے بات نہیں ...ئی تھی۔

''اور دَیا چند......! تو تو بنیا ہے، حساب تو کر لیا کر......!''

ٹھاکر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''یہاں تو ایک اکیلا جمال دین نماز پڑھتا ہے، وہاں مندر میں پوجا کرنے والے ...کیں ہیں۔ پہلے کبھی ایک کا پچیس دیا ہے تو نے......؟''

بات ختم تو نہیں ہوئی، لیکن دلوں کی خلش ضرور بن گئی۔

ٹھاکر بھی مطمئن نہیں تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ لوگ کہیں مہر دین کے پریوار کے ساتھ ...یادہ نہ کریں۔ لوگ اس سے ڈرتے کم تھے۔ البتہ اس کا لحاظ بہت کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے ...وایات کے برعکس اپنا رعب نہیں رکھا تھا۔

حمیدہ کی نند کی شادی ہوئی، اور اس کے کچھ عرصے بعد اس کے سسر کا انتقال ہو گیا۔ ...ب اس کے والدین اور بہن بھائی اوصاف نگر سے آئے اور مہر دین کی میت کو اپنے گاؤں لے ...گئے۔ اس کی تجہیز و تکفین وہیں ہوئی۔

ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد حمیدہ کے بھائیوں نے جمال دین کو سمجھانے کی ...وشش کی کہ وہ اب ٹھاکروں کی گڑھی چھوڑ دے، اور یہیں آ بسے۔ مگر جمال دین نے صاف انکار کر

دیا۔

"نہیں......! یہ نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں بھئی......؟"

حمیدہ کے باپ نے اچنبھے سے کہا۔

"بات یہ ہے چاچا......! کہ اس میں کسی طرح سے بھی فائدہ نہیں ہے۔"

"ذرا ہمیں بھی تو سمجھاؤ......!"

حمیدہ کے بڑے بھائی نے کہا۔

"ابا نے ہمیشہ بتایا کہ ٹھاکر جی کا بہت بڑا احسان ہے ہم پر۔"

"وہ تو ہے۔"

حمیدہ کے باپ نے کہا۔

"وہ مدد نہ کرتا تو عزت تو گئی تھی تمہاری۔"

"اور اس کے بعد جان اور مال بھی نہ رہتا۔"

جمال دین نے کہا۔

"ابا نے ہمیشہ کہا، احسان کبھی نہ بھولنا اور احسان کرنے والے سے منہ نہ موڑنا۔ ہمیشہ ٹھاکر جی کی عزت کرنا اور اپنی اوقات تو نہیں ہے، پر کبھی موقع ملے تو جان دے کر بھی ان کے کام آنا، اور کچھ بھی ہو، وہ در کبھی نہ چھوڑنا۔"

"پر اب تو مہر دین چلا گیا ناں......؟"

حمیدہ کے باپ نے کہا۔

"اور بھیا......! تم انہیں وہاں دفن تو نہیں کر سکے۔"

چھوٹا بھائی بولا۔

"سوچو، ہم نہ آتے تو کیا ہوتا تمہارا......؟ کیسے دفناتے انہیں......؟"

حمیدہ کو جمال دین کا اس لمحے کا چہرہ یاد تھا۔ اسے یہ بات بہت بری لگی تھی۔

"اللہ کارساز ہے بھیا......! تم نہ ہوتے تو کچھ اور بندوبست کر دیتا اللہ۔ اپنے ایمان والے بندوں کو وہ بے بسی میں اکیلا نہیں چھوڑتا۔"

"بری بات ہے بشیرے......!"

اس کے ابا نے بڑے بھائی کو ڈانٹا۔





"میرا یہ مطلب نہیں تھا ابا......! میں احسان نہیں جتا رہا تھا۔"

بڑے بھائی نے کھسیا کر کہا۔ ابا جمال دین کی طرف متوجہ ہوئے۔

"یہ بتا پتر......! اور کیا کیا نقصان ہیں ٹھاکروں کی گڑھی چھوڑنے میں......؟"

"دیکھیں چاچا......! راجا صاحب کے گاؤں میں ہم کمی تھے، سال بھر محنت کرتے، پھر بھی گزارے کے لئے قرض ہی لینا پڑتا تھا۔ تبھی تو مہاجن کے چنگل میں پھنسے تھے اور یہ بھی میں جانتا ہوں کہ وہاں رہتے ہوئے عمر بھر اسی کے چنگل میں پھنسے رہتے۔"

ابا جانتے تھے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ ادھر ان کا بھی یہی حال تھا۔

"راجا صاحب کے ہاں ہم کمی تھے، ٹھاکروں کی گڑھی میں ہم زمیندار ہیں۔ بڑے نہ سہی، چھوٹے بھی نہ سہی، بہت چھوٹے سہی، پر ٹھاکر جی نے ہمیں حق ملکیت کے ساتھ زمین دی ہے، اور اتنی کم بھی نہیں کہ بس نام کی ہو۔ اللہ کے فضل سے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بلکہ تھوڑی بہت بچت بھی ہو جاتی ہے۔ کبھی بارش نہ ہو، فصل کم یا خراب ہو تو ٹھاکر جی خود سے بلا کر زبردستی کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔ حالانکہ ضرورت نہیں ہوتی، بچت ایسے ہی دنوں کے لئے تو ہوتی ہے۔ پر ٹھاکر جی ایک نہیں سنتے۔ دے کر ہی رہتے ہیں۔ اب آپ ہی بتاؤ چاچا جی......! میں کہیں اور جاؤں تو کیا حیثیت ملے گی مجھے......؟ کمی کی ناں......؟ زمین تو کوئی کون دے گا مجھے۔"

"تو ٹھیک کہتا ہے پتر......!"

ابا نے کہا۔ لیکن بڑے بھائی مزاج کے تیز تھے۔

"تو ہندوؤں کے بیچ رہنا بہتر ہے زمین داری کی خاطر......؟"

ابا نے انہیں ڈانٹ دیا۔

"بس کر بشیرے......! اگر تجھے بھی وہاں زمین مل جائے تو تو بھی شوق سے وہاں رہے گا۔"

"ناں ابا......! میں تو لعنت بھیجتا ہوں ایسی زمین پر۔"

"تو ٹھیک ہے، تو بہت بڑا آدمی ہے۔ میں تیرا باپ جھوٹ نہیں بولتا۔ مجھے ایسی زمین ملے تو میں کبھی نہ چھوڑوں۔ اپنے باپ دادے کو بھی ایسے ہی چھوٹی زمین میں گزر کرتے دیکھا ہے اور خود بھی ایسے ہی گزر کر رہا ہوں کہ پاؤں ڈھانپوں تو سینہ کھل جاتا ہے اور سینہ ڈھانپوں تو پاؤں کھل جاتے ہیں۔ اتنی بڑی چادر ملے تو بھی انکار نہ کروں میں۔"

اور کچھ تو نہیں ہوا، مگر جمال دین اور بڑے بھائی کے درمیان بات خراب ہوگی۔
واپس آتے ہوئے بڑے بھائی نے اس سے کہا۔

''سن حمیدہ......! تو سمجھا جمال دین کو، دین سے بڑھ کر دُنیا نہیں ہوتی۔''

حمیدہ نے بھائی کی آنکھوں میں دیکھا۔

''وہ ٹھیک کہتے ہیں بھائی......! ان کی بات سچی ہے۔''

''دین بڑا ہے یا خوش حالی......؟''

بڑے بھائی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ اسے بہت بُرا لگا۔

''اتنے دن سے میں یہاں ہوں بھائی......! میں نے ایک بار بھی آپ کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ یہاں مسجد بھی ہے اور اذان کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ پر آپ اپنے کاموں میں لگے رہتے ہو۔ اور ہم جہاں ہیں، وہاں نہ مسجد ہے نہ اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، پر یہ حساب کتاب سے صحیح وقت پر پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں، اور آپ سمجھتے ہو کہ دین آپ کے پاس ہے......؟ بھائی......! ہمارے پاس دین بھی ہے اور خوش حالی بھی۔ اللہ کا کرم ہے، آپ فکر نہ کرو۔''

بھائی کا چہرہ تمتما اُٹھا تھا۔ ان کا ہاتھ اُٹھنے کے لئے مچل رہا تھا، جانے کیسے انہوں نے خود پر قابو رکھا۔ بس وہ یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئے۔

''آج سے تم لوگ میرے لئے مر گئے ہو حمیدہ......!''

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی نماز پڑھنے لگی۔

وہ گاؤں واپس آئے ہی تھے کہ ٹھاکر جی کی طرف سے جمال دین کا بلاوا آگیا۔
جمال دین پریشان ہوگیا۔

''پتا نہیں کیا بات ہے......؟ مجھے کچھ ڈر لگ رہا ہے۔''

اس نے حمیدہ سے کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں جی......! اللہ چاہے گا تو سب ٹھیک ہوگا۔''

اس نے اسے تسلی دی۔

مگر جمال دین واپسی آیا تو اور زیادہ پریشان تھا۔ حمیدہ نے اس سے پوچھا تو اس نے تفصیل بتائی۔ ٹھاکر جانتا تھا کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہاں اس کے علاوہ اور کوئی مسلمان نہیں ہے، اس لئے وہ کسی ایسے گاؤں میں چلا جائے جہاں مسلمان رہتے ہوں تو بہتر ہے۔

''یہی بات بھیا نے کی تھی اور میں نے منع کر دیا تھا، اب کیا کروں......؟''



حمیدہ بھی پریشان ہوگئی۔ لیکن جانتی تھی کہ ایک کے مقابلے میں دو پریشان آدمی زیادہ [illegible] وہ ہوتے ہیں۔

''ٹھاکر جی ناراض تھے آپ سے......؟''

اس نے پوچھا۔

''نہیں......! بات تو انہوں نے بڑی محبت سے کی تھی۔''

جمال دین نے کہا۔ اور شاید پہلے اسے اس بات کا احساس نہیں تھا، اب ہوا تو اس کی [illegible] کم ہوئی اور وہ کچھ پُر اعتماد نظر آنے لگا۔

''تو پھر......؟''

''وہ بولے، میں جانتا ہوں جمال دین......! تو اپنے دھرم کا پکا ہے، تو نماز پڑھتا ہے [illegible] یہاں تیرے سوا کوئی تیرے دھرم کا نہیں۔ یہاں مسجد بھی نہیں، اس لئے کہتا ہوں کہ تو کہیں اپنے [illegible] کے درمیان چلا جا......!''

''پھر تم نے کیا کہا......؟''

''میں کیا کہتا......؟ میں نے کہا، آپ مجھے نکال رہے ہیں ٹھاکر جی......! اس پر وہ [illegible] یہ بات نہیں جمال دین......! میں تو تیرے ہی بھلے کے لئے کہہ رہا ہوں۔''

''پھر......؟''

''پھر میں نے کہا، میرا بھلا تو یہیں رہنے میں ہے ٹھاکر جی......! ابا نے کہا تھا، یہ در نہ چھوڑنا۔ ٹھاکر جی بولے، بہت بھلا آدمی تھا تیرا باپ۔ دیکھ جمال دین......! میں تجھے پیسہ [illegible] تو مسلمانوں کے کسی گاؤں میں زمین خرید کر وہیں بس جا۔''

''تو اس میں حرج بھی کیا ہے جی......؟''

''ابا کہتے تھے حمیدہ......! کہ احسان کرنے والے کو کبھی نہیں چھوڑتے۔ ٹھاکر جی سے [illegible] نہ موڑنا۔''

''تو پھر آپ نے کیا کہا......؟''

''میں نے کہا، ٹھاکر جی......! آپ مجھے دھکے دے کر یہاں سے نکال دیں تو مجبوری [illegible] کے بغیر میں یہاں سے جانے والا نہیں۔ مسجد کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کا قبلہ ہر جگہ موجود [illegible] نماز پڑھ لیتا ہوں۔ یہ سن کر ٹھاکر جی کچھ دیر چپ رہے، پھر بولے، تو میرا احسان ماننا [illegible] چھوڑنا نہیں چاہتا، اچھا یہ بتا کہ اگر میں تجھ سے کہوں کہ نماز پڑھنا چھوڑ دے تو......؟''

حمیدہ کو یاد تھا۔ یہ سن کر اس کی سانسیں رُکنے لگی تھیں۔

"پھر تم نے کیا کہا جی......؟"

"میں نے کہا، میں ایسا کر نہیں سکتا ٹھاکر جی......! وہ بولے، پھر تو کیا میرا احسان مانتا ہے......؟ انکار تو کرتا ہے میرے حکم کا۔ میں نے کہا، ٹھاکر جی......! یہ بھی تو کسی کے احسان کی بات ہے، اور اس کا احسان آپ کے احسان سے بہت بڑا ہے۔ ٹھاکر جی نے مجھے حیرت سے دیکھا اور پوچھا، وہ کون ہے......؟ میں نے کہا، میرا اللہ......! جس نے مجھے زندگی دی، ہر چیز دی اور آپ کے دل میں ہمارے لئے رحم بھی اسی نے ڈالا۔ آپ سے بڑا احسان ہے اس کا ٹھاکر جی......! اور اس کا حکم ہے کہ نماز پڑھوں تو میں کیسے ٹال دوں......؟"

"پھر کیا ہوا جی......؟"

"ٹھاکر جی نے کہا، تو جا جمال دین......! میں کچھ سوچتا ہوں۔"

"تو پریشان کیوں ہوتے ہو جی......؟ انہیں نکالنا ہوتا تو نکال دیتے ہاتھ کے ہاتھ۔"

"واقعی......! یہ تو ہے۔"

اور پھر یوں ہوا کہ ٹھاکر جی نے جمال دین کو بہت قریب کر لیا۔ کچھ اور زمین بھی اسے دی۔ وہ اسے اپنے برابر بٹھانا چاہتا تھا، لیکن جمال دین نے اپنے باپ سے محسن کی عزت کرنا بھی سیکھا تھا اور اپنی اوقات میں رہنا بھی۔

اس روّیے پر ٹھاکر جھنجلانے لگا۔

"تو مجھ سے دُور کیوں بھاگتا ہے جمال دین......؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ٹھاکر جی......!"

"میں تجھے بلاتا ہوں تو، تو کتراتا ہے۔ پاس بٹھاؤں تو بیٹھتا نہیں۔"

"مجھے معاف کر دیں ٹھاکر جی......! پر ابا نے مجھے اوقات میں رہنا سکھایا ہے۔ آپ کے برابر بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں میں۔"

"تو، تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھے گاؤں سے نکال دوں......؟"

جمال دین کا چہرہ فق ہوگیا۔

"تیرے بھلے کے لئے ہی نکالنا پڑے گا۔"

ٹھاکر نے وضاحت کی۔

"اور تیرے بھلے کے لئے ہی تجھے عزت دینے کی کوشش کرتا ہوں، تجھے اپنے بر



بتا ہوں، تیری سمجھ میں نہیں آتا تو اور کیا کروں......؟"

"میں کچھ سمجھا نہیں ٹھاکر جی......!"

"دیکھ جمال دین......! یہاں گاؤں میں بہت سے لوگ تیرے مسلمان ہونے اور نماز نے کی وجہ سے تیرے دُشمن بن گئے ہیں اور میں اگر دوسرے لوگوں کی طرح سخت ہوتا تو کسی کی ل نہ ہوتی کچھ کہنے کی۔ پر میری نرمی کی وجہ سے یہ لحاظ تو کرتے ہیں، مجھ سے ڈرتے نہیں۔ یہ ی نہ کبھی تجھے نقصان پہنچائیں گے۔ اس لئے میں چاہتا تھا کہ تو یہاں سے چلا جائے۔ پر تو مانتا ہیں، اور سچ یہ ہے کہ میرا دل بھی نہیں مانتا اس بات کو۔ کچھ محبت سی ہوگئی ہے تجھ سے۔ تو اب رکیب رہ گئی ہے کہ تجھے عزت دوں، اپنا دوست کہوں، اور سب لوگوں سے میں کہتا بھی ہوں ہ جمال دین تو میرا دوست ہے۔ اس کی کوئی بات میں ٹال نہیں سکتا۔"

جمال دین حیرت سے منہ کھولے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"ٹھاکر جی......! لوگ یہ تو سوچیں گے کہ مجھ میں ایسی کیا خوبی ہے......؟ چاہے کوئی پ سے پوچھنے کی ہمت نہ کرے۔"

ٹھاکر مسکرایا۔

"سب جانتے ہیں کہ مجھے وفاداری بہت پسند ہے اور تجھ میں یہ خوبی سب سے زیادہ

"پر ٹھاکر جی......!"

"جمال دین......! میری بات غور سے سن۔ اس گاؤں میں تو امن اور سکون سے اسی رت میں رہ سکتا ہے کہ میرا مقرب ہو جا۔ گاؤں کے لوگ تجھے میرا دوست سمجھنے لگیں۔ ایسا ہو کہ ی کو مجھ سے کچھ کرانا ہو تو وہ تجھ سے سفارش کرائے اور اس کا کام ہو جائے۔ سب کو یقین ہو کہ ری کوئی بات کبھی نہیں ٹالتا۔ پھر وہ دُشمنی کی بجائے تیری قدر کریں گے۔ پر اس کے لئے تجھے ے برابر بیٹھنا پڑے گا۔"

"بہت مشکل کام ہے ٹھاکر جی......!"

جمال دین نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تو پھر آسان تو یہ ہے کہ تو مجھ سے جتنی چاہے رقم لے، اور کسی دوسرے گاؤں میں، مانوں کے گاؤں میں جا کر زمین خریدے اور سکون سے وہاں رہے۔ تو سوچ لے جمال ......!"

یہ سب جمال دین نے اسے بتایا اور مشورہ کیا۔ اس نے کہا۔

”سنو جی...... ! ٹھاکر جی کی بات ماننے میں ہی بہتری ہے۔ دیکھو ناں، تم یہ گاؤں چھوڑنا نہیں چاہتے اور یہاں رہنے کی یہی ایک صورت ہے۔“

یوں اس گاؤں میں ان کا ایک مقام بن گیا اور وہاں کے متعصب ہندوؤں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرلیا کہ جمال دین کو ہنسی خوشی اور عزت کے ساتھ برداشت کرنا ہے۔ یہی نہیں وہ ان کے لئے فائدہ مند ہے۔ جو کچھ وہ ٹھاکر سے کہنے کی ہمت نہیں کر سکتے، وہ جمال دین کے ذریعے ٹھاکر تک پہنچا دیتے ہیں، اور ناممکن کام بھی ہو جاتا ہے۔

پھر اس کے ہاں وصال دین پیدا ہوا اور بے رونق گھر جیسے آباد ہو گیا۔ تب وہ سوچتی کہ ٹھاکر جی کی اتنی بڑی حویلی کسی بچے کے بغیر کتنی ویران لگتی ہو گی۔ وہ ٹھاکر کے لئے اولاد کی دعا کرنے لگی۔

اور اللہ کے حکم سے ٹھاکرانی کی گود بھری تو سبھی کی دُنیا بدل گئی۔ وہ ایسا مبارک بچہ تھا کہ گاؤں کی تقدیر ہی بدل گئی اور وہ ایسی محبت اور ایسی طلب لے کر آیا، جس نے ٹھاکر کو اس کا بھائی بنا دیا۔ ایسے ہی احسان ماننے والے تھے ٹھاکر ویر۔

اور ننھا ٹھاکر تو مقدر ہی کچھ اور لے کر آیا تھا۔ اس نے ماں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا اور دودھ کے لئے اسے منتخب کرلیا۔ یوں وہ رشتے قائم ہو گئے جو ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ ننھے ٹھاکر کی ماں بن گئی اور وصال دین اس کا بھائی۔

اور ننھے ٹھاکر کو اللہ نے عزت والا بنایا تھا۔ وہ آیا تو اللہ نے کس کس کو عزت دی اور کیسی عزت دی، جو اس سے جڑا اسے اللہ نے خوب نوازا اسے۔ جمال دین اور وصال دین کو وہ عزت ملی جس کا وہ تصور نہیں کر سکتے تھے۔ اور وہ عزت ختم نہیں ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ وصال دین اور جمال دین دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ لیکن اللہ کی طرف سے انہیں اب بھی اس دُنیا تک میں عزت مل رہی ہے۔ زبیر اور رابعہ کی مثال بھی سامنے ہے، اور تو اور، زمین کے نصیب بھی جاگ گئے۔ لال آندھی کی لپیٹ میں آکر گاؤں کے گاؤں ختم ہو گئے۔ کہتے ہیں، جہاں اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے، وہاں پھر کبھی آبادی نہیں ہوتی، لیکن وہ زمین پھر اُبھری اور ٹھاکروں کی گڑھی اور اس کے اردگرد کے تمام ہندو گاؤں، سب حق نگر کے نام سے آباد ہو گئے۔

ٹھاکر ویر کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ احسان نہیں بھولتے تھے اور اس کا صلہ دیتے رہتے تھے۔ دوسرے راجپوتوں کی طرح احسان لینا انہیں پسند نہیں تھا۔ لیکن احسان کے نیچے آجائیں



تو پھر کبھی اسے بھولتے نہیں تھے۔

اور یہ عبدالحق انہی کا بیٹا تھا۔ اب اس مدرسے ہی کو دیکھ لو، اسے معلوم تھا کہ یہ سب کچھ زبیر نے کیا۔ یہ زبیر بھی وفاداری کی مثال تھا۔ کیسے اس نے حویلی کو دوبارہ زندہ کیا اور کیسے اسے مدرسہ بنا کر اس کی عزت بڑھائی۔ اور وفادار زبیر نے اس مدرسے کو ٹھاکر ویر کا نام دینے کا سوچا ہوگا۔

”لیکن عبدالحق......“

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

مولوی صاحب نے تقریر کی۔ لیکن مولوی صاحب کو وہ سب کچھ معلوم نہیں تھا جو انہوں نے تقریر میں بیان کیا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ شرمیلے عبدالحق نے جو کچھ وہ خود کہنا چاہتا تھا، مولوی صاحب سے کہلوا دیا۔

اور عبدالحق نے کیسا حق نکالا۔ اس زمین پر سجدہ کرنے والا، نماز پڑھنے والا کوئی بھی نہیں تھا، جمال دین کے سوا۔ یہ بات عبدالحق کے علاوہ کون جانتا تھا......؟ کوئی نہیں......! جو جانتے تھے، سب مٹ چکے تھے۔ سوائے اس کے اور زبیر اور رابعہ کے۔ اور اسے خود بھی یہ بات یاد نہیں تھی، تو زبیر اور رابعہ کو کیسے یاد ہوتی......؟ ہاں......! اب اسے یاد آ رہا تھا کہ جمال دین بیٹے کو تاکید کرکے نماز پڑھواتا تھا اور دہلی بھیجتے ہوئے بھی اسے یہی تاکید کی تھی۔

لیکن عبدالحق نے یہ بات یاد رکھی تھی اور اس نے اس مدرسے کو اور مسجد کو جمال دین کا حق سمجھا تھا، اور اپنے باپ پر فوقیت دیتے ہوئے اسے جمال دین کا نام دیا تھا۔

اس پر حمیدہ کو ایک اور خیال آیا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی تھی کہ اس کا شوہر اور بیٹا شاید شہید ہوئے تھے۔ ٹھاکر ویر کے بارے میں تو وہ یقین سے سوچتی تھی کہ وہ شہید ہوئے، لیکن شوہر اور بیٹے کے بارے میں شک اس لئے تھا کہ جس وقت انہوں نے ٹھاکر ویر کے لئے حقِ وفاداری ادا کیا، انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ٹھاکر ویر مسلمان ہو چکے ہیں۔

لیکن اس مدرسے سے برسوں پہلے مرنے والے جمال دین کو جو عزت ملی، اس نے حمیدہ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس کا شوہر اور بیٹا اللہ کی بارگاہ میں شہید ہی ہیں۔ اسے قرآن کی ایک آیت کا خیال آیا تھا جس میں اللہ نے فرمایا کہ

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے ربّ کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔“

اور عزت بھی تو ایک طرح کا رزق ہی ہے جو اللہ کی عطا سے ملتا ہے۔ اور جمال دین اور وصال دین کو مرنے کے اتنے برسوں کے بعد عزت کا رزق ملنا، ان کے نام کا زندہ ہونا، کیا یہ ان کی شہادت کی دلیل نہیں......؟

یہ خیال ہی اس کے لئے بہت بڑی خوشی تھی۔ اور یہ بھی بہت بڑی خوشی تھی کہ جب تک مدرسہ قائم رہے گا، جمال دین، وصال دین اور ٹھاکر ویر کے نام بھی زندہ رہیں گے اور مدرسہ انشاء اللہ ہمیشہ زندہ رہے گا، قائم رہے گا۔

عبدالحق نے محروم کسی کو بھی نہیں رہنے دیا تھا۔ مدرسہ جمال دین کے نام تھا تو وہ حصہ جہاں بچوں کو قرآن حفظ کرایا جاتا تھا، وصال دین کے نام تھا اور جہاں سے فتوے جاری ہوتے تھے، وہ بھائی عبداللہ کے نام تھا۔

حمیدہ اس سے پہلے بھی بہت خوش تھی۔ اللہ نے اسے جو زندگی دی تھی اور جس طرح سے ہر مرحلے پر پہلے سے بڑھ کر عطا فرمایا تھا، اس میں آدمی ناخوش کیسے رہ سکتا ہے......؟ اس نے جو مانگا، اللہ کریم نے عطا فرمایا۔ بن مانگے اس کی بینائی واپس لوٹائی۔ اس نے نوربانو کو عبدالحق کے لئے پسند کیا تو وہ بھی ہوا۔

پھر برسوں وہ پوتے کی آرزو کرتی رہی۔ لیکن نوربانو کے نصیب میں اولاد نہیں تھی اور اسے یاد تھا کہ عبدالحق کے لئے ارجمند کی آرزو بے ارادہ اس کے دل میں پیدا ہوئی، اور اس نے سوچا کہ یہ کہاں ممکن ہے......؟ تو اللہ نے اسے ممکن بنا دیا اور اللہ نے ارجمند کو کیسا اچھا، کیسا پیارا اور کیسا نیک بنایا، اور پھر اس کی پوتے کی آرزو بھی پوری کر دی۔

وہ خوش ہوگئی۔ زندگی مکمل ہوگئی تھی۔ اب اسے اور کچھ نہیں چاہئے تھا۔ وہ قانع تھی، خوش تھی اور سوچتی تھی کہ کوئی اس سے زیادہ خوش ہو سکتا ہے بھلا......؟ تو وسعت عطا فرمانے والے اللہ نے اسے اور بڑی خوشی عطا فرما دی۔

اللہ نوازتا رہتا ہے اپنے بندوں کو اور بے گمان نوازتا ہے، جتنا جسے چاہے، نوازتا ہے۔

اور اتنی بڑی خوشی کے بعد ایک اور خوشی......!

عبدالحق نے اسے خوش خبری سنائی تھی کہ اب وہ لاہور کی بجائے حق نگر میں رہیں گے۔

اور حمیدہ کو لگتا تھا کہ برسوں کے بعد وہ اپنے گھر واپس آ رہی ہے۔ وہ اس دن کی راہ



تک رہی تھی۔

❀❀❀

چوہدری عبدالستار اپنے بیٹے کاشف کو ملک سے باہر بھیج کر مطمئن تھا کہ ایک بڑا بوجھ کم ہو گیا۔ ایک بہت بڑی کمزوری دُور ہو گئی۔ بساط وہ جمائے بیٹھا تھا اور اب سکون سے چالیں چل سکتا تھا، مہرے آگے بڑھا سکتا تھا۔ اس وقت وہ بڑے بیٹے آصف کے ساتھ سلطان پور میں، اپنی حویلی میں بیٹھا تھا۔

"یہ عبدالحق تو بہت خطرناک حریف ثابت ہو رہا ہے پاپا جی......!"

آصف نے کہا۔

"حریف کوئی بھی ہو، میں اسے خطرناک ہی سمجھتا ہوں۔"

چوہدری کے لہجے میں بے پرواہی تھی۔

"اب دیکھیں، اس کے دباؤ پر آپ کو اپنی مرضی کے خلاف گیس کی پائپ لائن ڈلوانی پڑ رہی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے پتر......!"

چوہدری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تو یہ کام کسی دباؤ کے بغیر بہت پہلے کروانا چاہتا تھا۔ لیکن نادان بیٹے کی وجہ سے رہ گیا۔"

آصف کو گڑبڑاتے دیکھ کر اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

"میں کاشف کی بات کر رہا ہوں پتر......! وہ جذباتی ہے اور سیاست کو سمجھتا نہیں، سیاست میں آدمی کمایا جاتا ہے، گنوایا نہیں جاتا۔"

"تو آپ نے کاشف کو اس لئے......"

چوہدری نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں تمہیں اس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں، تاکہ تم بھی کچھ سیکھو۔"

اس کے لہجے میں شفقت تھی۔

"اس نے حق نگر میں جو کچھ کیا، تمہارے علم میں ہے......؟"

"اس نے مجھے بتایا نہیں تھا، اپنے طور پر کارروائی کی، مجھے بعد میں پتا چلا۔"

آصف نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔''

چوہدری نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بتاؤ، تم اس کی جگہ ہوتے تو تم بھی یہی کرتے......؟''

آصف کی نظریں جھک گئیں۔

''کچھ کہہ نہیں سکتا پاپا جی......!''

''مجھے دیکھ کر کچھ سیکھا نہیں تم لوگوں نے......؟''

چوہدری نے تلخ لہجے میں کہا۔

''آپ نے کچھ بتایا بھی تو نہیں کبھی۔''

''ہاں......! یہ میری غلطی تھی، اور کاشف کے معاملے میں تو سیاسی تربیت کرنے کی بجائے میں نے اُلٹی ڈھیل دی، لاڈ پیار کر کے بگاڑ دیا اسے۔ لیکن تم قدرتی طور پر اچھے بیٹے ہو، نافرمانی نہیں کرتے اس کی طرح، اور بے صبر بھی نہیں ہو۔''

''آپ کے بتائے بغیر بھی میں آپ سے ہی سیکھنے کی کوشش کرتا ہوں پاپا جی......!''

''تو تم نے دیکھا ہوگا، عیاشی میں بھی کرتا ہوں، مگر اپنی رعیت کی عزت کا خیال کرتا ہوں۔ ان کی عزت پر وار کبھی نہیں کرتا، زبردستی بھی نہیں کرتا، ان کے کام بھی آتا ہوں، ان کی مدد بھی کرتا ہوں۔''

''حالانکہ یہ سب کریں، تب بھی وہ ووٹ آپ ہی کو دیں گے۔''

آصف نے اعتراض کیا۔

''ٹھیک کہتے ہو......!''

''میں دوسرے سیاست دانوں کو دیکھتا ہوں۔ وہ ہر زیادتی کرتے ہیں اپنے ووٹرز کے ساتھ، پھر بھی کامیاب رہتے ہیں۔''

چوہدری نے گہری سانس لی۔

''میں ان کے برعکس اپنے ووٹرز کی محبت اور عقیدت کماتا ہوں، جانتے ہو کیوں......؟''

آصف نے نفی میں سر ہلایا۔

''ابھی لوگوں کو اپنی طاقت کا شعور نہیں ہے، لیکن ہمیشہ یہ صورتِ حال نہیں رہے گی۔



آہستہ آہستہ بدلے گا یہ سب کچھ۔ لوگ بے دار ہوں گے، اپنی طاقت کو سمجھیں گے، تب ان کی عزت نہ کرنے والوں کی سیاست ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔''

''انقلاب کا کسی کو پتا نہیں ہوتا کہ چند روز میں آئے گا یا برسوں میں یا صدیوں میں......؟ مگر میں اسے ہمیشہ بہت قریب دیکھ کر اپنا نقشہ ترتیب دیتا ہوں۔ عزت کرنے میں کوئی نقصان نہیں، محبت سے ووٹ پکا ہوتا ہے اور مجھے پکا ووٹ چاہئے۔''

وہ کہتے کہتے رُکا۔

''بات آگے نکل گئی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں اپنے مزارعوں کی عزت پر بھی ہاتھ نہیں ڈالتا، اور کاشف نے طاقتور لوگوں کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی کی۔ اس کا تو بہت بھیانک نتیجہ نکل سکتا تھا۔ میری بات یاد رکھو آصف......! سیاسی لوگوں کا اختلاف سیاسی ہوتا ہے۔ وہ ذاتی دُشمن ہرگز نہیں ہوتا۔ سیاست دان اپنے سیاسی حریف کو سیاسی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، مگر اسے ذلیل کبھی نہیں کرتا، ذاتی دُشمنی نہیں پالتا۔ اس لئے کہ آج میں اقتدار میں ہوں تو کل اقتدار میرے سیاسی حریف کو بھی مل سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے پاپا جی......! میں سمجھ گیا۔''

آصف نے کہا، پھر بولا۔

''پہلے تو میں ان لوگوں کو سیاسی حریف نہیں سمجھتا تھا، کیونکہ بظاہر انہیں سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔''

''وہ عقل مند لوگ ہیں پتر......! ایسے لوگ یہ ظاہر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں کہ انہیں لوگوں نے مجبور کر دیا ہے، ورنہ خود انہیں سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں۔''

''ٹھیک کہتے ہیں پاپا جی......! اب دیکھئے، ہم سمجھ رہے تھے کہ وہ ہمارے مقابلے میں حویلی بنا رہا ہے، لیکن......''

''میں بھی دھوکہ کھا گیا اس معاملے میں تو......!''

چوہدری نے اس کی بات کاٹ دی۔

''دینی مدرسہ بنا کر اس نے اپنی پوزیشن اور مضبوط کر لی، جبکہ وہ پہلے یہ بہت مضبوط تھی۔''

''واقعی پاپا......! اب ہمارے لئے حق نگر سے ووٹ لینا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔''

چوہدری استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"کنکریٹ کی دیواروں میں ہی تو دروازہ نکالنے میں لطف آتا ہے۔"

اس نے کہا۔

"مگر کیسے پاپا جی......؟"

"تم دیکھتے رہو، دیکھو گے تو سیکھو گے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی پاپا جی......!"

آصف نے کہا اور پھر یوں چپ ہو گیا جیسے باپ کی اجازت کا منتظر ہو۔

"پوچھو......!"

"آپ نے مدرسہ کے افتتاح کی بات کیوں ڈالی......؟ جبکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں تھا۔"

"کچھ بھی نہیں، اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانا تھا۔"

چوہدری نے بے پرواہی سے کہا۔

"اور اس بات کا امکان بھی تھا کہ وہ مجھے یہ موقع دے ہی دے، نہیں دیا تو اس کے سیاسی عزائم کی تصدیق ہو گئی۔"

"مگر پاپا جی......! پوزیشن بہت مضبوط ہو گئی ان کی۔"

"یہ قوم بھی تو اپنی بڑی عجیب ہے۔"

چوہدری نے گہری سانس لے کر کہا۔

"مذہب کے نام پر جذباتی ہو جاتی ہے۔ اپنے سلطان پور سے ہی کافی بچے اس مدرسے میں پڑھنے کے لئے جانے والے ہیں۔"

"یہ تو بڑی پریشانی کی بات ہے پاپا جی......!"

"تم فکر نہ کرو پتر......! جب میں اپنی چال چلوں گا تو سب کچھ اُلٹ جائے گا۔"

"آپ کو پتا ہے پاپا جی......! افتتاح کے موقع پر انہوں نے ایسی کہانی گھڑ کر سنائی کہ لوگوں کو رُلا دیا۔"

"مجھے معلوم ہے پتر......! میں دُشمنوں سے بے خبر نہیں رہتا۔"

"تو پھر آپ نے سوچا کیا ہے پاپا جی......؟"

"ابھی دیکھ لینا۔"

اسی وقت امیر علی آ گیا۔



"کیا حکم ہے چوہدری صاحب......؟"

چوہدری نے معنی خیز نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ پھر امیر علی کی طرف متوجہ ہوا۔

"تو، تو حق نگر سے آیا ہے ناں، وہاں کی سنا......!"

"سب ٹھیک ہے چوہدری صاحب......!"

امیر علی نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"مدرسے کا افتتاح تو زبردست ہوا......؟"

"جی......! اچھا تھا۔"

"تو بھی شریک ہوا تھا......؟"

"جی چوہدری صاحب جی......! بڑا زبردست مدرسہ ہے۔ بہت پیسہ لگایا ہے انہوں نے اس پر۔"

امیر علی نے بے ساختہ کہا۔

"اب ہندو بچے اسلام کی تعلیم کے لئے مدرسے بنوانے لگے......؟"

آصف بولا۔

"ایسا نہ کہیں چھوٹے چوہدری......!"

امیر علی نے لجاجت سے کہا۔

"کیوں نہ کہوں......؟"

"غلط بات پر پکڑ ہوتی ہے اللہ کے ہاں......!"

"میں نے کیا غلط کہا......؟ کیا وہ ہندو بچہ نہیں ہے......؟"

"نہیں چھوٹے چوہدری......! ان کے والد صاحب مرنے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور ان کا نام عبداللہ تھا۔"

"تجھے کیسے معلوم......؟"

"مولوی مہر علی نے تقریر میں اس علاقے کی پوری تاریخ بتائی تھی۔"

"سب گھڑی ہوئی باتیں......!"

آصف نے نفرت سے کہا۔

"اپنی سیاسی مقبولیت بڑھانے کے لئے اس نے یہ کھیل رچایا۔"

"نہیں چھوٹے صاحب......! دیکھیں ناں، مدرسہ انہوں نے اپنے والد کے نام

کرنے کی بجائے کسی جمال دین کے نام کیا، جسے کوئی جانتا بھی نہیں۔ مولوی صاحب نے تقریر میں اسی بارے میں بتایا تھا۔''

''کیا بات ہے......؟ بڑی عزت سے بات کر رہا ہے تو ان کے بارے میں......؟''

آصف نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ چوہدری نے جلدی سے مداخلت کی۔

''یہ تم نے کیا چھیڑ دیا آصف......! میں نے امیر علی کو کچھ بات کرنے کے لئے بلایا تھا۔''

''سوری پاپا جی......!''

''میں تیرے بارے میں سوچ رہا تھا امیر علی......!''

چوہدری نے امیر علی سے کہا۔

''تو برسوں سے میرے ساتھ ہے، تیرا جوڑ نہیں بنتا تھا یہاں۔ تو اللہ والا، نماز روزے کا پابند، اور ہم ہر چیز سے آزاد، پر تو نے ہمیشہ وفاداری نبھائی۔''

امیر علی بات کے اس رُخ، اس انداز سے کچھ گھبرا گیا۔

''نہیں مالک......! آپ نے ہمیشہ بڑی رعایت کی میرے ساتھ۔ ہر طرح سے خیال رکھا۔ میری گستاخی بھی برداشت کی آپ نے، وفاداری کیا، میری تو کھال بھی حاضر ہے آپ کے جوتوں کے لئے، پھر بھی میں آپ کے نمک کا حق ادا نہیں کر سکتا۔''

''بس تجھ سے کچھ دل لگ گیا تھا امیر علی......! اب مجھے تو دین کا کچھ پتا نہیں، میرا واسطہ بھی نہیں۔ پر تیری اُلٹی سیدھی سن کر ہنس دیتا تھا رواداری میں۔ تیری بات کبھی بری نہیں لگی۔''

امیر علی کی گھبراہٹ بڑھ گئی۔

''مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی مالک......؟''

''مجھے مالک کہہ رہا ہے......؟''

چوہدری خوش دلی سے ہنسا۔ پھر چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یاد ہے، تو کہتا ہے، میرا تو مالک وہ ہے۔''

''زمین پر آپ اور اوپر وہ۔''

''یہ تو کہنے کی بات ہے۔''

چوہدری پھر ہنسا۔ پھر قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''میں تیرے بارے میں سوچتا رہا ہوں امیر علی......! تو نے برسوں میری خدمت کی





ہے، تیرا بڑا حق ہے مجھ پر۔ سوچتا تھا، ایسا کیا کروں تیرے لئے کہ تو خوش ہو جائے......؟''

امیر علی نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''مجھ سے کوئی غلطی ہوئی......؟ میری کوئی بات بری لگی تو معاف کر دو مالک......!''

آصف حیرت سے کبھی باپ کو دیکھتا تھا اور کبھی اسے۔

''تو یہ سمجھ رہا ہے امیر علی......! کہ میں تجھ سے ناراض ہوں......؟''

چوہدری نے حیرت سے کہا۔

''ہاں مائی باپ......! مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے امیر علی......! میں تجھے تیری خدمت اور وفاداری کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔ میں تجھے خوش کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں آپ کے قدموں میں خوش ہوں مالک......!''

''لیکن جہاں میں تجھے بھیج رہا ہوں، وہاں تو اس سے بھی زیادہ خوش ہوگا۔''

''مجھ پر رحم کریں مالک......!''

امیر علی ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

''تو غلط سمجھ رہا ہے امیر علی......!''

چوہدری نے نرم لہجے میں کہا۔

''میں تجھے سزا نہیں، سچ مچ انعام دے رہا ہوں۔''

امیر علی ہاتھ جوڑے کھڑا رہا۔ اب کہنے کو اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، اور ایسے یقین تھا کہ چوہدری نے اسے دوسری دُنیا میں بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس پر لرزہ چڑھا ہوا تھا۔

''تو فکر نہ کر امیر علی......! جو تجھے یہاں سے ملتا ہے، وہ پہلے کی طرح ملتا رہے گا۔''

چوہدری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ امیر علی کی کچھ جان میں جان آئی۔ چوہدری نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کے بچوں کو ملتا رہے گا۔

''بس......! میری ملازمت سے تیری جان چھوٹ جائے گی۔''

''میں یہ کب چاہتا ہوں مالک......؟''

''میں تجھے تیرے اصل مالک کے حوالے کر رہا ہوں امیر علی......!''

امیر علی پھر گھبرا گیا۔ یہ تو دوسری دُنیا میں بھیجنے ہی کی بات ہو رہی تھی، اور اب یہ سسپنس اس کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا تھا۔ اس لئے اس کا ڈر بھی کم ہوگیا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا مالک......!"

"اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے تو مجھ جیسے بے دین کے ہاں ملازمت کرتا رہا۔"

"یہ مجبوری نہیں ہے، میں یہاں خوش ہوں مالک......!"

"چل یہی سہی......! بہرحال اب میں چاہتا ہوں کہ تو اس مدرسے میں داخلہ لے اور دین کی تعلیم حاصل کر۔ ہر مہینے تیری تنخواہ میں تیرے گھر بھجوا دیا کروں گا۔ اب تجھے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔"

حیرت سے امیر علی کا منہ کھل گیا۔ یہ وہ بات تھی جو وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ وہ فوری طور پر کوئی ردِعمل بھی ظاہر نہیں کر سکا۔ بظاہر تو یہ اس کے لئے بہت بڑی نعمت تھی، مگر چوہدری تو دین سے چڑتا تھا، اور بغیر فائدے کے وہ کچھ کرتا بھی نہیں تھا۔ اب اس میں بھی اس کا کوئی فائدہ ضرور ہوگا۔ لیکن وہ امیر علی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

چوہدری نے جیسے اس کا ذہن پڑھ لیا۔

"تو سوچ رہا ہوگا کہ اس میں میرا کیا فائدہ ہے......؟"

وہ بولا۔

"تو امیر علی......! فائدہ تو ہے میرا۔ دیکھ، اگر اللہ واقعی موجود ہے تو وہ مجھے اس کام کا بڑا اجر دے گا، اور وہ نہیں ہے تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں۔ تو نے برسوں وفاداری کے ساتھ میری خدمت کی ہے۔ اس کے بدلے میں میرا فرض ہے کہ میں تجھے یہ خوشی دوں، جبکہ میں دے بھی سکتا ہوں۔"

"شکریہ مالک......!"

"بس......! اب تو جا۔ اب یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ کبھی ضرورت ہوئی تو میں خود تجھے بلا لوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسا ہوگا نہیں۔"

"لیکن مالک......!"

"بس امیر علی......!"

چوہدری نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"اب تو جا......! میں نے کہا ناں، کہ تیری تنخواہ ہر ماہ تیرے گھر پہنچ جائے گی۔ کوئی اضافی ضرورت کبھی ہو تو بالکل نہ ہچکچانا۔ اپنے بیٹے کو حویلی بھیج دینا۔ تیری ہر ضرورت پوری ہو جائے





"بہت شکریہ مالک......!"

امیر علی چوہدری کے ہاتھ چومنے لگا۔

"ساری زندگی آپ کے احسانوں میں گزری ہے۔ مگر یہ احسان تو......"

اس کا گلا رُندھ گیا۔ اس سے بات پوری نہیں کی گئی۔

"بس......! تو میرے لئے دُعا کرتے رہنا۔"

چوہدری نے اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"بس......! اب تو جا، اور فوراً داخلہ کرا لے اپنا۔ وقت ضائع نہ کرنا۔"

"ٹھیک ہے مالک......!"

آصف حیرت سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ چوہدری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

اور باہر جاتے ہوئے امیر علی کے ذہن میں بس ایک سوال تھا، مگر اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"اس میں چوہدری کا کیا فائدہ ہے......؟ کیونکہ چوہدری فائدے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔"

امیر علی کے جان کے بعد آصف نے کہا۔

"پاپا جی......! میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔"

"کیسے آ سکتا ہے پتر......؟ جو میرے دماغ میں ہے، وہ تجھے معلوم جو نہیں۔"

"تو بتائیں ناں، کیا ہے آپ کے دماغ میں......؟"

"وہ خود دیکھ لینا، میں بتاؤں گا کچھ نہیں۔"

"کیا آپ امیر علی سے اس طرف کی جاسوسی کرائیں گے......؟"

چوہدری نے بڑی ناگواری سے اسے دیکھا۔

"اس مدرسے میں نہ تو سیاست ہونے والی ہے اور نہ کوئی سازش۔ تو میں بھلا امیر علی کو وہاں کیوں بھیجتا......؟ کچھ کامن سینس سے بھی کام لیا کر آصف......!"

"تو بتائیں ناں، امیر علی کو وہاں کیوں بھیجا آپ نے......؟ جبکہ وہ ہمارا اندر کا آدمی ہے، کتنے ہی ایسے معاملات کے بارے میں جانتا ہے، جن کا علم باہر کسی کو نہیں ہونا چاہئے۔"

چوہدری کو بیٹے کی بات بہت بری لگی۔

"میں بے وقوف ہوں ناں، تمہارے خیال میں۔ میں تو یہ بات جانتا سمجھتا نہیں ہوں، ہے ناں......؟"

"میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں پاپا......! میں تو بس سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"امیر علی جیسا بھی ہے، اس کی وفاداری پر شک نہیں کیا جا سکتا۔"

چوہدری نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"اس کو کوئی جان سے مار دے، تو بھی ہمارے بارے میں کچھ نہیں اُگلوا سکتا۔ مجھے پورا بھروسہ ہے اس پر۔"

"لیکن اسے مدرسے بھیجنے کا کیا مقصد ہے پاپا جی......؟"

"یہ سوچ سوچ کر تو اس وقت امیر علی بھی اپنے سر کے بال نوچ رہا ہوگا۔"

چوہدری نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مگر وہ سمجھ نہیں سکے گا۔"

"میں بھی کوشش کے باوجود یہ بات نہیں سمجھ پایا۔ اب بتا بھی دیں۔"

"بات یہ ہے آصف......! کہ میں اسے یہاں سے ہٹانا چاہتا تھا۔"

"مگر کیوں پاپا جی......؟"

"اس کی وفاداری اپنی جگہ، لیکن وہ میرے آدمیوں میں سب سے کمزور ہے۔ اس کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اللہ والا ہے، اور ایسے لوگ جذباتی اعتبار سے ٹھہراؤ سے محروم ہوتے ہیں۔ جان بوجھ کر تو وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا، لیکن کبھی کوئی مذہب کا، اللہ کا معاملہ آجائے تو وہ اضطراری طور پر اس طرف جھک جائے گا، اور نازک کھیل ایک لمحے میں ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ میں ایسی کوئی گڑبڑ نہیں چاہتا۔"

"یعنی ایسا کوئی کھیل کھیلنے والے ہیں آپ......؟"

آصف نے پوچھا۔ چوہدری نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اس کے بارے میں کچھ بتائیں گے نہیں......؟"

"نہیں......! بتا دوں تو لطف ختم ہو جائے گا۔ بے خبری میں دیکھو گے تو دل خوش ہو جائے گا۔"

"اچھا......! یہ تو بتا دیں کہ آپ کا ہدف کیا ہے......؟"

"عبدالحق کو ہمیشہ کے لئے سیاسی طور پر نااہل اور ناکارہ بنانا۔ اس کے نتیجے میں"



ہمارا سیاسی حریف بننے کے قابل نہیں رہے گا۔"

"اور اس کے لئے امیر علی کو یہاں سے ہٹانا ضروری تھا......؟"

"ہاں......! نازک کھیل میں بڑی احتیاط سے کھیلتا ہوں، اس میں چانس کوئی نہیں

❀❀❀
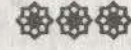
صرف ایک ماہ میں عبدالحق کو ایسا لگنے لگا کہ جیسے وہ کبھی حق نگر سے کہیں گیا ہی نہیں ہمیشہ سے وہ یہیں رہ رہا ہے اور وہ دیکھ رہا تھا کہ گھر کے سبھی لوگ لاہور کے مقابلے میں بہت زیادہ خوش ہیں۔ حمیدہ کو تو خیر یہاں خوش ہونا ہی تھا کہ وہ اس کا اصل گھر تھا۔ اس ...ر ہر جگہ کو وہ پردیس سمجھتی تھی۔ یہی حال رابعہ کا بھی تھا، اور زبیر تو پرندوں کی طرح اُڑنے والا تھا۔ اس کے لئے سب جگہیں برابر تھیں۔ جہاں رات ہوئی، وہیں سو گئے۔ لیکن ساجد کی ... غیر معمولی لگتی تھی، کیونکہ وہ تو بڑے شہر کا عادی تھا، اور کہتے ہیں کہ جو لوگ بڑے شہر کے ...وں، چھوٹے شہروں میں ان کا دل نہیں لگتا۔

مگر پھر اسے خیال آیا کہ آدمی جہاں پیدا ہوا ہو، اس جگہ سے اسے قدرتی طور پر بہت ...ہے۔ خود اس کی اپنی مثال سامنے تھی۔ کتنے شہروں میں وہ رہا اور بڑے آرام اور آسائش ...گر ٹھاکروں کی گڑھی اور حق نگر جیسا سکون اور خوشی اسے کہیں نہیں ملی۔

لیکن نورالحق......!

وہ یہاں ایسا خوش و خرم اور مطمئن کیوں ہے......؟ وہ تو یہاں پیدا نہیں ہوا......؟ اس ...پیدائش ایبٹ آباد کی ہے اور اسے یاد تھا کہ ایبٹ آباد میں ہی اس نے نورالحق سے پوچھا تھا ...رہنا اسے سب سے زیادہ اچھا لگے گا تو اس نے ایبٹ آباد کو چھوڑ کر حق نگر کا نام لیا تھا۔

اس سلسلے میں اس کی سمجھ میں بس ایک ہی بات آتی تھی۔ یہ کہ بچے کو اپنے ماں باپ، ...اور نانا نانی سے جو محبتیں ملتی ہیں، وہ غیر شعوری، بہت گہری اور شدید ہوتی ہیں۔

نورالحق کو اسکول میں داخل کرا دیا گیا تھا اور وہ بہت خوش تھا۔ لاہور میں وہ اسکول ...ک محدود تھا۔ لیکن یہاں اس کی اپنی ایک سوشل لائف بن گئی تھی۔ وہ بس ارجمند کو اور اپنی ...تا اور پھپھو کے ہاں چلا جاتا، اور زرینہ کے بچے بھی باقاعدگی سے ان کے گھر آتے رہتے

اسے خوش دیکھ کر عبدالحق کو بڑی طمانیت ہوتی تھی۔ اور جہاں تک اس کا اپنا تعلق تھا
تو اس کے پاس فرصت ہی فرصت تھی۔ شفٹنگ کی گرد ذرا بیٹھی تو سب سے پہلے اس نے مولوی
صاحب کی بک شاپ کا رُخ کیا۔ ان کی دُکان دیکھنے کا اسے بڑا اشتیاق تھا۔

دُکان دیکھی تو وہ اس پر فدا ہوگیا۔ مولوی صاحب نے دُکان کو بڑی خوب صورتی
سے مرتب کیا تھا۔ ایک حصے میں دینی کتب تھیں اور ایک چھوٹے سے قصبے کی دُکان کے لحاظ سے
وہاں کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ قرآنِ پاک کے نسخے، تفاسیر، احادیث کی اور دُعاؤں اور وظائف کی
کتابیں بھی تھیں اور تاریخ اور فقہ پر بھی۔ پھر دینی معلومات کی کتب تھیں۔

"یہ تو بڑا ذخیرہ ہے مولوی صاحب......!"

عبدالحق نے ستائشی لہجے میں کہا۔

"ہٰذا من فضل ربی......! الحمدللہ......!"

مولوی صاحب نے بڑے خلوص سے کہا۔

"مجھے لگتا ہے کہ یہ تو بس آپ کا ذاتی شوق ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو پتر......؟ میں سمجھا نہیں......!"

"میرا مطلب ہے کہ یہاں ان کتابوں کو پڑھنے والے لوگ کہاں ہوں گے......"

"غلط سمجھ رہے ہو، غلط سوچ رہے ہو پتر......!"

مولوی صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

"دیکھو، قرآن کی تو اشاعت جتنی بھی ہو، کم ہی ہے۔ لوگ خیر و برکت کے لئے گھر
میں رکھنے کی خاطر بھی قرآن لے جاتے ہیں۔"

ان کے لہجے میں دُکھ اور تاسف در آیا۔

"چاہے پڑھا نہ جائے، مگر ہر مسلمان کے گھر میں تمہیں قرآن کے کئی کئی نسخے ملیں
گے، اور اس کے ہدیے میں بحث بھی نہیں کرتے لوگ۔"

"واقعی......! یہ بات آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مولوی صاحب......! لیکن یہ دوسری
کتابیں......؟"

"تم سمجھ رہے ہو کہ ان کتابوں کا یہاں کوئی خریدار نہیں......؟ یہ بس میں نے اپنے
شوق اور خوشی کے لئے یہاں رکھی ہیں......؟"

مولوی صاحب نے اسے بہت غور سے دیکھا۔



"جی ہاں......! میں نہیں سمجھتا کہ اس چھوٹے سے شہر میں، جہاں لوگ بہت مصروف
زندگی گزار رہے ہیں، ان کتابوں کا کوئی پڑھنے والا ہوگا۔"

"حالانکہ ہر ماہ مجھے بڑی باقاعدگی سے یہ کتابیں لاہور سے منگوانی پڑتی ہیں۔"

عبدالحق کچھ سوچنے لگا۔

"تم یہاں بیٹھ کر دیکھو تو تمہاری سمجھ میں آئے گا پتر......! ایسے نہیں سمجھ سکتے۔"

عبدالحق کے ذہن میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ بات اس کی گرفت میں نہیں آ رہی
تھی، مگر مولوی صاحب کی بات سن کر پوری طرح اس کی سمجھ میں آ گئی۔

"مولوی صاحب......! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

اس نے اچانک کہا۔ مولوی صاحب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"بول پتر......! میں جس قابل بھی ہوں، حاضر ہوں تمہارے لئے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میں بے روزگار ہوں۔"

مولوی صاحب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"پھر پتر......! تمہارے پاس تو اللہ کا دیا سبھی کچھ ہے۔"

"بے شک مولوی صاحب......! اللہ کا بہت فضل ہے، لیکن اکلِ حلال سے بڑی کیا
... ہوگی۔"

"میں سمجھا نہیں پتر......!"

"آپ مجھے نوکری دے دیں اپنی دُکان میں، اس سیکشن میں سیلز مین کی نوکری۔"

مولوی صاحب کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار تھے۔

"یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے، نوکری کیسی پتر عبدالحق......؟"

"لیکن مجھے تو نوکری ہی چاہئے، تنخواہ اتنی ہی، جتنی آپ ان دونوں لڑکوں کو دیتے

"مجھے شرمندہ نہ کرو پتر......!"

"یہ آپ کا مجھ پر احسان ہوگا مولوی صاحب......!"

خاصی بحث کے بعد اس نے مولوی صاحب سے یہ بات منوا ہی لی۔

"پر میری ایک شرط ہے پتر عبدالحق......!"

"حکم کریں مولوی صاحب......!"

"تم ایک اچھے ملازم کی طرح میری ہر بات مانو گے، دُکان سے باہر بھی، میری بات مانو گے۔ سوائے اس کے جو اللہ کے حکم سے خدانخواستہ متصادم ہو۔"

"جی مولوی صاحب......! یہ میرا وعدہ ہے۔"

عبدالحق نے بڑے خلوص سے کہا۔

"اور میرا ہر بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کرو گے، ہر طرح سے میرا ہاتھ بٹاؤ گے۔"

"جی مولوی صاحب......! انشاء اللہ......!"

"بس تو کل سے کام پر آجاؤ۔"

مولوی صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آج سے، ابھی سے کیوں نہیں......؟"

عبدالحق بھی مسکرا دیا۔

❀❀❀
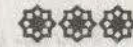
حق نگر آنے کے بعد تھوڑی ہی دنوں میں نورالحق کافی بڑا اور کافی سمجھدار ہو گیا تھا۔ لاہور میں دیکھنے، سمجھنے اور سیکھنے کو اتنا کچھ تھا ہی نہیں، وہاں تو بس پڑھائی ہی تھی۔ مگر یہاں چھوٹا ناسمجھ ہونے کے باوجود اس کی سمجھ میں آ گیا کہ نصاب سے باہر زندگی زیادہ وسیع ہے۔

پھپھو کا گھر اور دادا کا گھر تو اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ البتہ حق نگر کا اسکول اس کے لئے ایک نئی اور بڑی دُنیا ثابت ہوا اور وہ لاہور کے اسکول سے ہر لحاظ سے مختلف تھا۔ دو... گزارنے کے بعد وہ اپنی جماعت میں بڑی مشکل سے دو دوست بنا سکا۔ کلاس کے، بلکہ اسکول کے تمام بچے اس سے دُور ہی رہتے تھے۔ اتنا تو اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اس دُوری میں ناپسندیدگی نہیں بلکہ وہ اسے جن نظروں سے دیکھتے ہیں، ان میں اس کے لئے عزت اور محبت ہوتی ہے۔ دوست... سامنے نظر بھر کر بھی اسے نہیں دیکھتے تھے۔ وہ چپکے چپکے اسے دیکھتے تھے اور ایسے دیکھتے تھے، جیسے... ان سب سے بہت بلند ہو۔

جو ہم جماعت دوست بنے تھے، وہ اسے اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکے۔ البتہ... نے اسے سمجھایا۔ وہ اس سے دو جماعت آگے تھا اور شروع ہی سے اس اسکول میں پڑھ رہا تھا۔

"یہ سب تمہاری عزت کرتے ہیں۔"

اس نے کہا۔



"تو دوستی کیوں نہیں کرتے مجھ سے......؟"

"یہ تمہیں خود سے بہت بڑا سمجھتے ہیں ناں، اس لئے۔ اور یہ تو میرے ساتھ بھی ہوتا ہے۔"

نورالحق کی سمجھ میں بات بالکل بھی نہیں آئی۔

"کیوں......؟ کیوں ایسا سمجھتے ہیں......؟"

"ماموں جان کی وجہ سے۔"

نورالحق جانتا تھا کہ انور بابا کو ماموں جان کہتا ہے، مگر اس وقت ایسا گڑبڑایا کہ یہ... بھی بھول گیا۔

"کون ماموں جان......؟"

اس نے پوچھا۔ انور نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"تمہارے بابا جان......! اور کون......؟"

"لیکن کیوں......؟"

"تمہیں نہیں معلوم۔ ان سب بچوں کو معلوم ہے کہ جہاں وہ رہتے ہیں، وہ ماموں ...کی زمین ہے۔ یہ پورا شہر ماموں جان کی زمین پر آباد ہے، اسی لئے تو اس کا نام حق نگر ہے۔"

انور نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تب تو انہیں مجھ سے زیادہ دوستی کرنی چاہئے۔"

"نہیں......! وہ تمہاری عزت کرتے ہیں، تمہیں خود سے بڑا سمجھتے ہیں۔"

"تو جس کی عزت کرتے ہیں، اس سے دوستی نہیں کرتے......؟"

نورالحق نے نکتہ اُٹھایا۔

"اور یہاں سب بابا جان کی عزت کرتے ہیں، تو کیا یہاں بابا جان کا کوئی دوست ...؟"

"سب دوست ہیں ماموں جان کے، پر ان کی برابری نہیں کرتے۔ سب محبت کرتے ہیں ماموں جان سے، لیکن ان کے سامنے سر نہیں اُٹھاتے، زور سے کبھی نہیں بولتے اور ان کی بات کبھی نہیں ٹالتے۔"

"مجھے تو یہ بات اچھی نہیں لگتی۔ لاہور کے اسکول میں بڑے دوست تھے میرے، ... بھی ہوتی تھیں۔"

"ابھی کچھ دن دُور رہیں گے، پھر تمہیں دیکھنے کے عادی ہو جائیں گے تو تمہارے دوست بھی بن جائیں گے۔"

"مجھے تو نہیں لگتا۔"

"ایسا ہی ہوگا، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔"

انور نے اسے یقین دلایا۔

وہاں اساتذہ کا روّیہ بھی ایسا ہی تھا۔ وہ اس سے آپ جناب سے بات کرتے، جیسے وہ ان سے بڑا ہو۔ اسے یہ بات بہت عجیب، بلکہ بہت بری لگتی تھی۔ اور تو اور ہیڈ ماسٹر صاحب کا بھی یہی حال تھا۔ داخلے کے وقت وہ ان کے کمرے میں گیا تھا تو انہوں نے کہا۔

"عبدالحق صاحب کا بیٹا ہمارے اسکول میں پڑھے گا......؟ یہ تو اعزاز ہوگا ہمارے لئے۔"

اور جو دو دوست بنے تھے اس کے، وہ بھی ایسے تھے کہ اس کی ہر بات مان لیتے تھے۔ ورنہ دوستوں میں تو بحث اور تکرار بھی ہوتی ہے، لڑائیاں بھی ہو جاتی ہیں، روٹھ بھی جاتے ہیں ایک دوسرے سے، اور پھر کبھی ایک دوسرے کو منا لیتا ہے اور کبھی دوسرا پہلے کو۔ اور اس روٹھنے اور منانے میں بڑا لطف ہوتا ہے، بڑی خوشی ملتی ہے۔

تو نورالحق کو اُکتاہٹ ہونے لگی۔ کچھ مزہ ہی نہیں ہے یہاں، اسے نہیں معلوم تھا کہ کچھ ہی دنوں میں سب کچھ اُلٹ جائے گا۔

سر اکرام ایک مہینے کی چھٹی پر تھے۔ انہوں نے نورالحق کو اور نورالحق نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ وہ ریاضی کے اُستاد تھے۔ وہ چھٹیوں سے واپس آئے تو انہوں نے نورالحق کو دیکھا۔ یہ معلوم ہوا کہ وہ عبدالحق کا بیٹا ہے تو منہ بنا کر بولے۔

"بادشاہ کے بیٹے کا عوامی اسکول میں کیا کام......؟"

نورالحق کی سمجھ میں بات تو نہیں آئی، لیکن یہ وہ سمجھ گیا کہ سر کا لہجہ اور انداز دوستانہ نہیں ہے۔ انور سے بات ہوئی تو انور نے کہا۔

"سر اکرام ایسے ہی ہیں۔ ماموں جان سے بہت چڑتے ہیں، پتا نہیں کیوں......؟ اور نورالحق......! وہ سخت بھی بہت ہیں، بہت مارتے ہیں بچوں کو۔"

تب نورالحق کو وہاں کے ماحول میں پہلی بار تبدیلی کا احساس ہوا۔ وہ بچہ تھا، بہت سمجھدار نہیں تھا، پھر بھی اس کی سمجھ میں آگیا کہ اس کے لئے فضا کچھ تبدیل ہو رہی ہے۔



سر اکرام اس پر خاص توجہ دیتے تھے، جیسے وہ کسی خاص موقعے کی تلاش میں ہوں۔ مگر خوش قسمتی سے وہ ریاضی میں بہت اچھا تھا۔ سر اکرام مشکل ترین سوال حل کرنے کے لئے اسے بلاتے اور چاک اسے تھما دیتے، اور وہ بغیر کسی غلطی کے سوال حل کر دیتا۔

"میں ان بچوں کو بہت ناپسند کرتا ہوں، جو ہوم ورک کر کے نہ لائیں۔"

سر اکرام نے کہا۔ ان کی نظریں نورالحق پر تھیں۔

"اور یاد رکھو......! میں مرمت لگاتا ہوں تو بڑے بڑے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔"

نورالحق کو لگا کہ یہ بات خاص طور پر اس سے کہی جا رہی ہے۔ لیکن اس سے تو امی نے یہ سکھایا تھا کہ اسکول سے آنے کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ آرام کرو اور پھر سب سے پہلے ہوم ورک مکمل کر لو تا کہ بے فکری ہو جائے، اور یہی اس کا معمول تھا۔

انور کی بات درست ثابت ہوئی تھی۔ کلاس کے کچھ اور لڑکوں سے اس کی دوستی ہوگئی تھی۔ لیکن وہ اس سے بے تکلف نہیں ہوئے تھے۔ ان کے نزدیک وہ کاکا صاحب کا بیٹا تھا۔ وہ اسے کبھی اپنے جیسا نہیں سمجھ سکتے تھے۔

یوں نورالحق کو پتا چلا کہ اس کے بابا جان کو حق نگر میں کاکا صاحب کہا جاتا ہے۔ اس کی سمجھ میں آگیا کہ یہ لوگوں نے اس کے تایا سے سیکھا ہے جو بابا جان کو کاکا کہتے ہیں۔

اسے دوستی کی بڑی آرزو تھی، اور اسے احترام میں لپٹی ہوئی سہی، دوستیاں ملیں بھی۔ لیکن سر اکرام کی مہربانی سے اسے نفرتیں اور دُشمنیاں بھی مل گئیں۔

سر اکرام اس سے براہِ راست مخاطب صرف اس وقت ہوتے تھے جب اسے تختۂ سیاہ پر کوئی حل سوال کرنے کے لئے بلاتے۔ لیکن اس کی کلاس میں وہ طنزیہ گفتگو کرتے، اور اسے احساس ہوتا کہ وہ اگرچہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہے ہیں، لیکن مخاطب اسی سے ہیں۔

اور وہ گفتگو کچھ اس طرح کی ہوتی۔

"ایک ٹیچر کے لئے اس کے تمام شاگرد برابر ہوتے ہیں، خواہ کوئی کسان کا بیٹا ہو یا بادشاہ کی اولاد۔"

"میں کسی غریب کے بچے کو اس کی غلطی پر معاف کر سکتا ہوں، لیکن امیر کے بچے کو کڑی سزا دوں گا۔"

"میں ایک ٹیچر ہوں، اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"یہ اسکول جنہوں نے بنوایا ہے، میں رعایت ان کے بچوں کے ساتھ بھی نہیں کروں

گا۔"

"کچھ لوگ خود کو خدا سمجھتے ہیں، حالانکہ انسان سب برابر ہیں۔"

پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ نورالحق کی جماعت کے کچھ بچے اچانک ہی اس کے دشمن بن گئے۔ وہ اسے چھیڑتے، اُکساتے، کوشش کرتے کہ کوئی ایسی بات ہو کہ لڑنے کا موقع مل جائے۔ لیکن کاکا صاحب کی عزت کرنے والے باقی تمام لڑکے اس کی پشت پر آ کھڑے ہوتے۔

اور اس سے عجیب بات یہ ہوئی کہ نورالحق اس صورتِ حال سے خوف زدہ نہیں ہوا، بلکہ اس کی بے کیفی دُور ہوگئی۔ اس سے میں لطف آنے لگا۔ وہ اس پھیکی اور بے رنگ عزت سے اُکتایا ہوا تھا، جو وہاں سے اسے مل رہی تھی۔ چنانچہ یہ تبدیلی اسے بہت اچھی لگی۔

پھر اس میں بڑی کلاسوں کے بچے بھی شامل ہوگئے اور اس سب کے پیچھے سر اکرام تھے، جو بچوں کو نورالحق کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔

❀❀❀
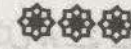
اور پھر ایک دن سر اکرام کو وہ موقع مل ہی گیا، جس کی انہیں تلاش تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ موقع انہوں نے خود تخلیق کیا ہو۔ بہرحال اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

نورالحق کلاس میں سب سے آگے بیٹھنے والے بچوں میں تھا۔ لیکن سر اکرام اپنے پیریڈ میں اسے پیچھے بٹھاتے تھے۔

اس روز ان کے پریڈ کے دوران آگے بیٹھے ہوئے ایک بچے کے سر پر چھوٹا سا ایک پتھر آ کر لگا، جو پیچھے کی جانب سے آیا تھا۔ بچے کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگا۔ سر اکرام جلدی سے اس کی طرف لپکے۔

"کیا ہوا......؟"

انہوں نے بچے کا ہاتھ ہٹا کر سر کا جائزہ لیا، وہاں چھوٹا سا ایک گومڑا پڑ گیا تھا۔

"سر کسی نے پتھر مارا ہے پیچھے سے۔"

بچے کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہم جماعت نے کہا۔ سر اکرام نے چند لمحے بچے کے مضروب سر کو ملا۔ پھر وہ پیچھے والی صفوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بہتر یہی ہے کہ یہ حرکت جس نے بھی کی ہے، وہ خود ہی مجھے بتا دے، کسی دوسرے



"...پتا چلا مجھے تو سزا بھی دس گناہ زیادہ ملے گی۔"

انہوں نے کہا۔ نورالحق کے برابر بیٹھا ہوا لڑکا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"سر......! یہ پتھر نورالحق نے مارا ہے۔"

نورالحق بوکھلا گیا۔ اس سے کچھ کہا بھی نہیں گیا۔ پچھلی قطار میں بیٹھا ہوا ایک لڑکا کھڑا ہو گیا۔

"سر......! یہ نصیر جھوٹ بول رہا ہے، پتھر نورالحق نے نہیں، خود اس نے مارا ہے۔"

سر اکرام نے اسے گھورا۔

"بیٹھ جاؤ تم......!"

انہوں نے غصے سے کہا۔

"سر......! میں نے خود دیکھا ہے، پتھر نصیر نے ہی مارا ہے۔"

"بیٹھتے ہوئے یا مجھے تم کو مار مار کر بٹھانا ہوگا......؟"

سر اکرام کا لہجہ اور سخت ہوگیا۔ وہ لڑکا سہم کر بیٹھ گیا۔ سر اکرام اب نورالحق کو گھور رہے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر بڑی سفاک مسکراہٹ تھی۔ وہ بچے کے مضروب سر کو سہلا رہے تھے۔ چند لمحے بعد وہ وہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ پر چلے گئے۔ وہاں انہوں نے اپنا ڈنڈا اُٹھایا اور اپنے ایک ہاتھ سے دوسری ہتھیلی پر کئی بار ہلکی سی ضرب لگائی، جیسے اس کی سختی کو جانچ رہے ہوں۔

پوری کلاس میں سناٹا چھا گیا تھا۔

"نورالحق......! تم یہاں آ جاؤ میرے پاس۔"

سر اکرام نے پکارا۔ نورالحق اپنی جگہ سے اُٹھا اور ان کی طرف چلا آیا۔ اس کے انداز میں [illegible] بے خوفی تھی۔

"یس سر......!"

سر اکرام چند لمحے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے رہے۔

"بہت خوب......! تمہارے چہرے پر کوئی شرمندگی نہیں ہے......؟"

نورالحق نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں نورالحق......!"

سر اکرام نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم شرمندہ نہیں ہو......؟ جواب دو مجھے۔"

''نہیں سر......! میں شرمندہ نہیں ہوں۔''

''اور تمہیں ڈر بھی نہیں لگ رہا ہے......؟''

''جی نہیں سر......!''

''تمہیں تمہارے گھر میں یہ نہیں سکھایا گیا کہ اُستاد سے ڈرنا چاہئے......؟''

''جی نہیں سر......! مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اُستاد شفیق اور محبت کرنے والے ہو ہیں، وہ اپنا علم ہمیں دیتے ہیں، ان سے باپ جیسی محبت کرنی چاہئے۔ ڈرنا تو بس اللہ سے چا سر......!''

ننھے نورالحق کے لہجے میں گستاخی نہیں، مضبوطی تھی۔

''آدمی غلطی کرے گا تو دُنیا میں سب سے ڈرے گا۔''

سر اکرام نے کہا۔

''اور تم نے غلطی کی ہے، تم نے سرفراز کو پتھر مارا، تمہیں ڈر نہیں لگتا کہ تمہیں اس پر ملے گی۔''

''میں نے کوئی غلطی نہیں کی، میں نے پتھر نہیں مارا سر......!''

''اب تم جھوٹ بھی بول رہے ہو......؟ یہ اور بری بات ہے۔''

''میں جھوٹ نہیں بولتا سر......! اور انشاء اللہ کبھی بولوں گا بھی نہیں۔ یہ بھی مجھے سک گیا ہے۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ نصیر نے تمہیں پتھر مارتے دیکھا ہے۔''

''میں نے پتھر نہیں مارا سر......!''

''تو نصیر جھوٹ بول رہا ہے......؟''

''یہ میں نہیں کہوں گا سر......! لیکن میں سچ بول رہا ہوں، میں نے پتھر نہیں مارا، ا میں کلاس میں پتھر لے کر نہیں آتا، اور نہ ہی میں کسی ساتھی کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہتا ہوں۔''

سر اکرام کے چہرے پر حیرت کا تاثر اُبھرا۔ یہ عجیب بچہ تھا کہ اپنے سچ پر تو اصرار کر رہا تھا، لیکن برعکس بات کرنے والے کو جھوٹا نہیں کہہ رہا تھا۔

''تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ نصیر جھوٹ بول رہا ہے......؟''

''میں کیوں اسے جھوٹا کہوں سر......! میں تو اپنے بارے میں بات کروں گا۔''

''اس کا تو مطلب ہے کہ تم جھوٹ ہی بول رہے ہو۔''



''جی نہیں سر......! میں سچ بول رہا ہوں۔''

''تم مجھے مطمئن نہیں کر پائے، دونوں ہاتھ پھیلاؤ اپنے۔''

اور نورالحق نے ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بغیر اپنے دونوں ہاتھ ان کے سامنے پھیلا ر اکرام نے اس کی دونوں ہتھیلیوں پر ایک ایک بید مارا، پوری طاقت سے۔ انہیں اُمید تھی کے طور پر اس کے منہ سے چیخ نکلے گی اور وہ اپنے ہاتھ کھینچ لے گا۔ تب وہ اسے ڈانٹ گا، ہاتھ آگے بڑھاؤ اپنے۔

مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ ہاتھ بیڈ کے جھٹکے سے ذرا سا ہلے، مگر پھیلے رہے، اور منہ سے سی کی آواز بھی نہ نکلی۔

انہوں نے سر اُٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ ننھے بچے کی پیشانی پر پسینے کے قطرے تھے۔ ان کا غصہ اور بڑھ گیا۔ انہوں نے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر پھر بید مارے۔ مگر اس بار نہیں ہوا۔

اب سر اکرام کی بس ایک ہی خواہش تھی۔ وہ اسے تڑپ کر ہاتھ کھینچتے دیکھنا چاہتے اس کی چیخ سننا چاہتے تھے۔ ان پر دیوانگی طاری ہوگئی۔ ان کے لئے دُنیا میں اب ان پھیلی ہتھیلیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ان پر بید برساتے چلے گئے۔

شاید یہ سلسلہ کبھی نہ رُکتا، مگر ہیڈ ماسٹر صاحب اپنے معمول کے مطابق کلاسوں کا لینے کے لئے نکلے ہوئے تھے، اس کلاس کے پاس سے گزرتے ہوئے کھڑکی سے یہ منظر دیکھا ور کلاس میں چلے آئے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے اکرام صاحب......؟''

انہوں نے گرج دار آواز میں کہا۔

اکرام صاحب کے ہاتھ جھٹکے سے رُکے۔ انہوں نے نعمان صاحب کو دیکھا، لیکن ایسی میں تھے کہ دیکھ کر بھی کچھ نہ دیکھ سکے۔ ان کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں ان صاحب کو دیکھ رہے تھے۔

نعمان صاحب کو اگلے مرحلے میں یہ سمجھ میں آیا کہ پٹنے والا بچہ کاکا صاحب کا بیٹا ہے تو وہ اور بوکھلا گئے۔

''میں پوچھتا ہوں، یہ کیا ہو رہا ہے اکرام صاحب......؟ آپ اتنی بری طرح سے اس ار رہے ہیں......؟ قصور کیا ہے اس کا......؟''

اتنی دیر میں اکرام صاحب سنبھل چکے تھے۔ انہوں نے مضروب لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اس لڑکے نے کلاس میں میری موجودگی میں اس کے سر پر پتھر مارا ہے، یہ دیکھیے......!“

انہوں نے نعمان صاحب کو مضروب لڑکے کے سر پر اُبھرا ہوا گومڑا دکھایا۔

نعمان صاحب نے نورالحق کی طرف دیکھا۔

”کیا یہ سچ ہے بیٹے......؟ کیا آپ نے اسے پتھر مارا ہے......؟“

نورالحق سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

”جی نہیں......! سر......! میں نے...... نہیں مارا۔“

”آپ نے یہ بات سر اکرام کو بتائی......؟“

”جی سر......! بتائی تھی۔“

”اور اس کے باوجود آپ نے...... اور اس بری طرح......“

نعمان صاحب نے صدمے سے اکرام صاحب کو دیکھا اور پھر نورالحق کی سوجی ہوئی ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔

”سر......! گواہ ہے، جس نے اسے پتھر مارتے دیکھا ہے۔“

”کون ہے......؟ بلائیں اسے۔“

”نصیر......! یہاں آؤ۔“

نصیر آیا، اس کے انداز میں اعتماد نہیں تھا، وہ ہچکچا رہا تھا۔

”تم نے دیکھا تھا ناں، نورالحق کو پتھر مارتے ہوئے......؟“

سر اکرام نے اس سے پوچھا۔

”جی سر......! جج...... جی ہاں......!“

ہیڈ ماسٹر نعمان صاحب نے اسے گھور کر دیکھا۔

”اس کے کون سے ہاتھ میں پتھر تھا......؟“

”سس...... سیدھے ہاتھ میں...... سس...... سر......!“

نعمان صاحب کو اس کی گھبراہٹ کی وجہ سے اس پر شک ہونے لگا۔

سر اکرام اس دوران اختر کو گھور رہے تھے، جو کسمسا رہا تھا۔ یہ وہ بچہ تھا، جس نے نصیر



خلاف گواہی دی تھی، اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کوئی بات کرے، زبان کھولے۔ وہ اسے تنبیہی روں سے دیکھ رہے تھے۔

پھر ان کے کانوں میں نعمان صاحب کی آواز آئی۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو، ہے ناں......؟“

اس کے لہجے میں سختی تھی۔

”نن...... نہیں سر......!“

”اب سچ بولو......! صرف سچ......! جھوٹ بولو گے تو اسکول سے نکال دیے جاؤ گے۔ سچ بولو گے تو میرا وعدہ ہے کہ معاف کر دوں گا۔“

اکرام صاحب گھبرا کر نصیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی نگاہیں اسے ڈٹے رہنے کی تلقین کر رہی تھیں۔

نعمان صاحب نے سر اُٹھا کر کلاس کے بچوں پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور بلند آواز میں کہا۔

”کسی نے کچھ دیکھا ہو تو ہاتھ اُٹھائے۔“

اکرام صاحب نصیر کی طرف متوجہ تھے۔ اختر نے موقع پا کر ہاتھ اُٹھا دیا۔ اسے خوشی تھی کہ وہ کاکا صاحب کے بیٹے کی مدد کر رہا ہے۔

”یہاں آ جاؤ......!“

نعمان صاحب نے اسے پکارا۔ اکرام صاحب نے گھبرا کر ادھر دیکھا۔ مگر معاملات ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اختر بھی وہاں آ کھڑا ہوا۔

”نام کیا ہے تمہارا......؟“

نعمان صاحب نے اس سے پوچھا۔

”اختر...... جناب......!“

”کیا دیکھا تم نے......؟“

”سر......! میری آنکھوں کے سامنے پتھر نصیر نے ہی مارا تھا۔“

”تو تم نے سر کو بتایا کیوں نہیں......؟“

نعمان صاحب نے غصے سے کہا۔

”بتایا تھا سر......! سر نے کہا، بیٹھ جاؤ ورنہ مار مار کر بٹھاؤں گا۔“

نعمان صاحب نے سخت نگاہوں سے اکرام صاحب کو دیکھا۔ پھر نورالحق کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولے۔

''اسے میں اسپتال بھجوا رہا ہوں، آپ ان دونوں لڑکوں کو لے کر میرے دفتر میں آئیں۔''

اکرام صاحب کا چہرہ فرق ہوگیا تھا۔

نعمان صاحب باہر نکلے۔ انہوں نے اپنے چپراسی کو ایک نوٹ تھماتے ہوئے کہا۔

''انہیں ڈاکٹر اصغر کے پاس لے جاؤ۔ وہاں انہیں چھوڑ کر اقراء کتاب گھر جانا اور کاکا صاحب سے کہنا کہ فوراً اسکول آجائیں، اور پھر نورالحق کو ساتھ لے کر واپس آنا، سمجھ گئے......؟''

''جی سر......!''

❀❀❀

چپراسی نوشاد، نورالحق کو لے کر اسپتال پہنچا تو اسپتال کے گیٹ پر ہی ڈاکٹر اصغر سے سامنا ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے گھر جانے کے لئے نکل رہے تھے، نورالحق کو دیکھ کر رک گئے۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو شہزادے......؟''

تکلیف کی شدت سے نورالحق سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

''انہیں ہیڈ ماسٹر نے یہاں بھیجا ہے ڈاکٹر صاحب......!''

نوشاد نے کہا۔ اتنی دیر میں اصغر نے نورالحق کے ہاتھوں کو دیکھ لیا۔

''ارے......! یہ کیا ہوا......؟''

''مجھے تو کچھ معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب......!''

اصغر ڈاکٹر تھا، پروفیشنل تھا، پھر نورالحق سے محبت بھی کرتا تھا۔ سوال جواب میں وقت ضائع کرنے کی بجائے بولا۔

''جلدی سے آؤ میرے ساتھ......!''

اپنے کمرے میں لے جا کر اصغر نے نورالحق کے ہاتھوں کا معائنہ کیا۔ ان کی حالت کچھ اچھی نہیں تھی۔ یہ سمجھنا تو کچھ دشوار نہیں تھا کہ معاملہ کیا ہے......؟

''ڈاکٹر صاحب......! مجھے ہیڈ ماسٹر صاحب نے ایک اور کام کہا تھا، میں ابھی پانچ منٹ میں آتا ہوں جناب......!''



نوشاد نے کہا۔ اصغر نے بے دھیانی سے سر ہلا دیا۔ وہ نورالحق کے مجروح ہاتھوں کی متوجہ تھا۔ نوشاد وہاں سے نکل آیا اور اقراء کتاب گھر کی طرف چل دیا، جو اسپتال سے تھوڑی ور تھا۔

اصغر پُرتشویش نظروں سے نورالحق کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بری طرح سوجے ئے تھے۔ کہیں کہیں سے جلد پھٹ بھی گئی تھی اور خون رس رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس صورت یں نرم ترین لمس بھی بچے کے لئے بے حد اذیت ناک ہوگا۔

اسے بہت احتیاط سے کام لینا تھا۔

❀❀❀

''میرے نزدیک یہاں دینی کتابوں کی سیل حیرت انگیز، بلکہ ناقابل یقین ہے مولوی ب......!''

عبدالحق نے مولوی مہر علی سے کہا۔ وہ دونوں اس وقت فرصت میں بیٹھے تھے۔ مولوی ب نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا۔

''ان اعداد و شمار کے تحت تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حق نگر میں دین کی آگہی نوے فیصد ہی نہیں، بلکہ بہت بڑھی ہوئی ہے۔''

مولوی صاحب نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

''لیکن لوگوں سے ملتا ہوں تو معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں دین کی نہ ہونے کے برابر ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو پتر عبدالحق......!''

''یہ لوگ جو دینی کتب خرید کر لے جاتے ہیں، انہیں لے جا کر شیلف میں سجا دیتے ے، پڑھتے نہیں ہوں گے۔''

''یہی تو ہمارا المیہ ہے پتر......! قرآن سے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے خیر و برکت گھر میں رکھ کر بھول جاتے ہیں۔''

مولوی صاحب بولے۔

''مگر یہاں بات صرف قرآن کی نہیں ہے مولوی صاحب......! تفاسیر اور دیگر علمی ئی یوں ہی تو نہیں خریدتا۔''

مولوی صاحب خاموش رہے۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کتابیں خریدنے والے کون ہیں......؟ اور معاشرے میں نمایاں نظر کیوں نہیں آتے......؟ آپ کا اس سلسلے میں کیا نظریہ ہے مولوی صاحب......؟''

مولوی صاحب جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر انہوں نے سر اُٹھایا اور آہستہ سے بولے۔

''تم ان خریداروں کو غور سے تو دیکھتے ہو گے پتر......؟''

''میں آپ کی بات سمجھا نہیں مولوی صاحب......!''

''میرا مطلب ہے، تمہیں تجسس بہت ہے ناں اس سلسلے میں...... اس لئے......''

''جی......! غور سے دیکھتا ہوں۔''

''ان میں سے بہت سوں کو پہچانتے بھی ہو گے......؟''

''جی نہیں......! کوئی ایسا شخص آج تک نہیں آیا، جسے میں جانتا ہوں۔''

عبدالحق نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔

''لیکن سبھی جانے پہچانے ضرور لگتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی حیرت کی بات نہیں۔ کہیں نہ کہیں دیکھا ہو گا میں نے انہیں، اور ذہن میں شبیہ رہ گئی ہو گی۔ اب میں یہاں بہت لوگوں کو تو نہیں جانتا۔ اتنی بڑی آبادی ہے۔''

''پر میں تو یہاں برسوں سے ہوں، بہت لوگوں کو جانتا ہوں۔ لیکن اس معاملے میں میرا تجربہ بھی بالکل ویسا ہی ہے، جیسا تمہارا ہے۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں مولوی صاحب......؟''

''کتابوں کی دُکان ہے ناں پتر......! تو لاہور کے پبلشرز سے بھی بات ہوتی رہتی ہے میری۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس کاروبار میں بڑی برکت ہے، بڑا نفع ہے۔ میری سمجھ میں آتا ہے پتر......! لفظ اللہ کی بڑی نعمت ہیں ناں اور لفظ آگے بڑھانا تبلیغ ہے۔''

''جی بے شک......!''

''اور دینی، علمی کتب اور قرآن شائع کرنے والے پبلشرز کی تو بات ہی اور ہے۔ ان کی تو خود سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا بھید ہے......؟ بہت بڑی تعداد میں قرآن کی اشاعت ہوتی ہے اور چند ماہ بعد مارکیٹ میں طلب پہلے ہی جیسی ہوتی ہے۔ ایک پبلشر کا تو کہنا ہے کہ درجنوں پبلشرز قرآن کی اشاعت کا اہتمام کرتے ہیں اور سب کے سب کامیاب ہیں۔ کہہ رہا تھا کہ





پاکستان بننے کے بعد سے اب تک پاکستان کی آبادی سے زیادہ بڑی تعداد میں قرآن پاک کی اشاعت ہوئی ہے اور یہ سلسلہ رُکنے والا نہیں۔''

''یعنی ہر گھر میں افرادِ خانہ سے زیادہ قرآن کے نسخے ہونے چاہئیں۔''

عبدالحق کے لہجے میں تعجب تھا۔

''اور فروخت ہونے کی رفتار پر تو تم بھی حیران ہو۔''

''مجھے قرآن کے نسخوں پر نہیں، دینی، علمی کتابوں اور تفاسیر کی فروخت پر حیرت ہے مولوی صاحب......! اس لئے کہ حق نگر میں خواندگی کی شرح بہت ہی کم ہے۔ یہاں تو بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو سرے سے لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتے۔''

''مگر پتر......! اللہ کی رحمت پر حیرت نہیں، شکر کرنا چاہئے۔''

عبدالحق نے استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''اشاعت دین تو اللہ کی خدمت ہے ناں پتر......! سعادت ہے، اور اللہ بڑا اجر دینے والا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں مولوی صاحب......!''

''میں جب چھوٹا تھا تو ایک بات پر مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی۔ ہر شہر میں، ہر گاؤں میں مٹھائی کی دُکانیں بہت ہوتی ہیں، اور مٹھائی بنتی بھی بہت ہے، بکتی بھی بہت ہے۔ لوگ اتنی مٹھائی کھاتے نہیں، جتنی مٹھائی بنائی جاتی ہے، مگر اس کے باسی ہونے یا خراب ہونے کی نوبت نہیں آتی۔''

واقعی مولوی صاحب......! یہ بات تو ہے۔''

عبدالحق کے لہجے میں استعجاب تھا۔

''مٹھائی تو زیادہ کھائی ہی نہیں جاتی، بہت جلدی دل بھر جاتا ہے، منہ پھر جاتا ہے اس سے۔''

''میں بھی یہی سوچتا تھا، پھر میں نے ایک دن ابا جی مرحوم سے، اللہ انہیں جنت نصیب فرمائے، یہ بات پوچھ لی۔ انہوں نے غور سے مجھے دیکھا اور مسکرائے۔ پھر بولے، پتر......! مٹھائی کھانے والے بس انسان ہی تو نہیں ہیں۔ میں نے کہا، ابا جی......! جانور تو مٹھائی نہیں کھاتے۔ تو پتا ہے پتر......! ابا جی نے کیا کہا......؟''

''بتائیں مولوی صاحب......!''

"وہ بولے، اور مخلوق بھی تو ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا، تو ابا جی بولے۔ قرآن میں انسانوں کے ساتھ کس مخلوق کا ذکر ہے، جسے انسانوں ہی کی طرح اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا، اور پتر عبدالحق......! میرے تو رونگٹے کھڑے ہوگئے یہ سن کر۔"

عبدالحق کے تو اپنے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ مگر وہ بات آگے نہ بڑھ سکی۔ اسی وقت چپراسی نوشاد وہاں نازل ہوگیا۔ اس نے ان دونوں کو سلام کیا، پھر عبدالحق سے بولا۔

"کاکا صاحب......! آپ کو ہیڈ ماسٹر صاحب نے بلایا ہے، فوراً......!"

عبدالحق کو حیرت بھی ہوئی اور تشویش بھی۔

"تم کون ہو بھئی......؟"

"میں اسکول کا چپراسی ہوں کاکا صاحب......! نوشاد نام ہے میرا۔"

"اچھا نوشاد......! تم چلو، میں آتا ہوں۔"

نوشاد واپس اسپتال کی طرف چل دیا۔ مولوی صاحب نے عبدالحق کے چہرے پر پریشانی کا تاثر دیکھا تو بولے۔

"تم جاؤ پتر......! اسکول سے بلاوا کچھ غیر معمولی لگ رہا ہے۔"

"مجھے لگتا ہے، نورالحق کی کوئی شکایت ہوگی۔"

"نہیں پتر......! تمہارا بیٹا ایسا نہیں کہ اسکول سے اس کی شکایت آئے۔"

مولوی صاحب نے کہا۔

"تم جاؤ، اللہ خیر کرے گا۔"

عبدالحق اُٹھ کھڑا ہوا۔ مولوی صاحب کی بات سن کر اس کی تشویش بڑھ گئی تھی۔

"دیر ہو جائے تو ادھر آنے کی بجائے مسجد چلے جانا۔ ویسے بھی اب ظہر میں دیر نہیں ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ عبدالحق نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور دُکان سے نکل آیا۔

❀❀❀

ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے میں عدالت لگی تھی۔

"آپ خواہ مخواہ معمولی سی بات کو بڑ بنا رہے ہیں نعمان صاحب......!"

اکرام صاحب نے کہا۔



"آپ کو یہ معمولی بات لگتی ہے......؟"

"کیا ٹیچر بچوں کو مارتے نہیں ہیں......؟ کیا آپ نے کبھی اپنے کسی اسٹوڈنٹ کی مرمت نہیں کی......؟"

"کی ہے، بارہا کی ہے، لیکن آپ کی طرح نہیں......!"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے بے حد اعتماد سے کہا۔

"یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو اندازہ نہیں ہے، میرے خیال میں آپ جانتے ہیں کہ آپ نے اس بچے کو کیسے مارا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا......؟"

"آپ نے اسے ایسے نہیں مارا جیسے ایک ٹیچر اپنے کسی شاگرد کو مارتا ہے۔ اس مار کی بنیاد محبت ہوتی ہے۔ آپ نے اسے ایسے مارا ہے، جیسے آپ کی دُشمنی ہو اس سے۔"

اکرام صاحب مسکرائے۔

"آپ تو افسانہ بنا رہے ہیں۔"

"شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ اس کے ہاتھوں کا کتنا برا حال کر دیا ہے آپ نے۔"

"ہوسکتا ہے۔"

اکرام صاحب نے بے پرواہی سے کندھے جھٹک دیئے۔

"لیکن بہرحال یہ معمول کی بات ہے۔ ان بچوں کو آپ کلاس میں واپس بھیج دیں۔ یہ اسکول ہے، تھانہ نہیں کہ آپ ان سے تفتیش کریں۔"

"آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب بری طرح بگڑ گئے۔

"اور میں آپ کو بتا دوں کہ یہ معاملہ درحقیقت تھانے میں ہی جانے کے قابل ہے۔"

"تو لے جائیں تھانے میں۔"

اکرام صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ بیٹھیں، میں آپ کی موجودگی میں ہی بچوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

مگر بچوں سے بات میں تو پانچ منٹ بھی نہیں لگے۔ نعمان صاحب نے پولیس کی دھمکی دی تو نصیر نے اُگل دیا کہ پتھر اسی نے مارا تھا اور یہ سب کچھ کرنے کے لئے سر اکرام نے اسے کہا تھا۔

"اب بولیں، یہ پولیس کیس ہے یا نہیں......؟"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔ اکرام صاحب کچھ پریشان ہو گئے تھے، لیکن بہرحال تھے پکے آدمی۔

"میری بات کے آگے اس کی بات کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔"

انہوں نے نصیر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اور یہ جھوٹ کیوں بولے گا......؟"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اپنی جان بچانے کے لئے......!"

اکرام صاحب نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"سب کچھ اسی کی وجہ سے تو ہوا ہے، اس نے جھوٹی گواہی دی تھی۔"

"اور جو سچی گواہی دے رہا تھا، اسے آپ چپ کرا رہے تھے، اس کی سن ہی نہیں رہے تھے۔"

"اچھا......! آپ کا جو جی چاہے کریں۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب کی برداشت جواب دے گئی۔

"آپ کا رویہ بہت برا ہے، مجرمانہ ہے۔ اب میں اسکول کی بدنامی کی پرواہ بھی نہیں کروں گا اور عبدالحق صاحب سے کہوں گا کہ تھانے میں پرچا کٹوائیں آپ کے خلاف۔"

اور اسی وقت عبدالحق آ گیا۔ اس نے سلام کر کے دونوں اساتذہ سے ہاتھ ملایا، دونوں بچوں کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر ہیڈ ماسٹر کی طرف متوجہ ہوا۔

"خیریت تو ہے سر......! آپ نے مجھے بلایا......؟"

"شرمندہ ہوں کاکا صاحب......! مجبوری تھی۔"

"ارے نہیں......! میں کوئی شکایت تو نہیں کر رہا ہوں۔"

عبدالحق نے جلدی سے کہا۔

"بلکہ مجھے تو تشویش ہے۔ نورالحق نے ضرور کوئی شرارت کی ہوگی۔ مگر مجھے بتانے کی کیا ضرورت ہے......؟ میں نے تو اسے آپ لوگوں کے سپرد کر دیا ہے۔ شرارت کرے، بدتمیزی کرے تو سزا دیں اسے۔"

"سزا ہی دی گئی ہے اسے۔"





ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔

"اکرام صاحب نے اسے بہت بری طرح مارا ہے۔"

"تو مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی......؟ یہ تو آپ لوگوں کا معاملہ ہے۔ آپ کا حق ہے، ضرورت محسوس کریں تو ماریں۔"

عبدالحق نے سکون کی سانس لی۔ اسی لمحے چپراسی نوشاد بھی آ گیا۔ اسے اکیلا آتے دیکھ کر نعمان صاحب متوحش ہو گئے کہ کہیں معاملہ اتنا بگڑا ہوا تو نہیں کہ نورالحق کو اسپتال میں داخل کرلیا گیا ہو۔

"نورالحق کو ساتھ نہیں لائے تم......؟"

انہوں نے نوشاد سے پوچھا۔ اس پر عبدالحق کو پریشانی ہوئی۔

"انہیں تو آپ نے مجھے بلانے کے لئے بھیجا تھا۔"

"اسی کے ساتھ نورالحق کو اسپتال میں بھجوایا تھا۔"

"اسپتال......؟"

عبدالحق اور پریشان ہو گیا۔

"ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ چھوٹے صاحب کو گھر پہنچا دیں گے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ کئی دن اسکول نہیں آسکیں گے۔"

نوشاد نے وضاحت کی۔ عبدالحق کچھ مطمئن ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ یہ ڈاکٹر اصغر کی بات ہو رہی ہے۔

"یہ سب کچھ ہو گیا، مگر آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے......؟"

عبدالحق نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہا۔

"میں بتاتا ہوں۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا، پھر چپراسی کی طرف مڑے۔

"تم باہر جاؤ......!"

نوشاد کے باہر جانے کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب نے عبدالحق کو تفصیل سے آگاہ کیا۔ اکرام صاحب اب دم بخود بیٹھے تھے۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے......؟"

عبدالحق نے سب کچھ سننے کے بعد خشک لہجے میں کہا۔

"آپ کے بچے کے ساتھ دانستہ، سازش کے تحت بہت بڑی زیادتی کی گئی ہے۔ اسے یقیناً بہت نقصان پہنچا ہے اور خوش قسمتی سے میں وہاں نہ پہنچتا تو جسمانی طور پر اسے بہت زیادہ نقصان پہنچ سکتا تھا۔"

"مجھ سے کیا توقع کرتے ہیں آپ......؟"

"میں چاہتا ہوں کہ آپ اکرام صاحب کے خلاف تھانے میں رپورٹ درج کرائیں تاکہ آئندہ یہ کسی کے ساتھ ایسا نہ کر سکیں۔"

یہ سن کر عبدالحق کو شاک لگا۔ چند لمحے تو وہ کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔ پھر وہ بولا۔

"استغفر اللہ......! آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے......؟ میں کسی اُستاد کے خلاف کسی بھی طرح کی کارروائی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ جبکہ آپ تو انتہائی بات کر رہے ہیں۔ میں خود بھی اساتذہ کی عزت کرتا ہوں اور اپنے بیٹے کو بھی یہی سکھانا چاہتا ہوں۔"

"آپ نے دیکھا نہیں کہ انہوں نے آپ کے بچے کا کیا حشر کیا ہے، گھر جا کر دیکھ لیں، پھر سوچیں، پھر فیصلہ کریں۔"

"آپ کیسی بات کر رہے ہیں سر......؟ میرا بچہ اگر ان کے ہاتھوں مر بھی جاتا......"

عبدالحق نے ہاتھ سے اکرام صاحب کی طرف اشارہ کیا۔

"تو بھی میں ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہونے دیتا، بھول جائیے اس واقعے کو۔"

عبدالحق کے لہجے میں قطعیت تھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب گنگ ہو کر رہ گئے۔ اکرام صاحب بھی ششدر تھے۔ عبدالحق اکرام صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

"شاید میں سمجھ سکتا ہوں سر......! کہ جو ہوا، اس کی وجہ کیا تھی......؟"

اس نے کہا۔

"میں بڑی عاجزی سے آپ کو بتاؤں کہ بندۂ عاجز ہوں۔ جو مقام ہے میرا، اللہ کا دیا ہوا ہے۔ جو عزت ہے، اللہ کی عطا کی ہوئی ہے۔ میں الحمد للہ......! نہ اس پر اِتراتا ہوں نہ فخر کرتا ہوں۔ میں عجز اختیار کرتا ہوں لیکن اس کا انکار کر کے ناشکرا پن تو نہیں کر سکتا ناں......! اب اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ مجھ سے چڑتے ہیں، کچھ نفرت بھی کرتے ہوں گے۔ اس کا کچھ حصہ میرے بیٹے کو مل گیا تو مجھے اس پر شکایت نہیں۔ بہت بڑی نعمت کی بہت معمولی سی قیمت ہے یہ۔"

پھر وہ ہیڈ ماسٹر صاحب کی طرف مُڑا۔



"آپ سے ایک التجا ہے میری۔ ان کے خلاف کسی بھی قسم کی کوئی کارروائی نہ ہونے دیں۔ یوں سمجھ لیں، جیسے یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ تاکہ میں اپنے بیٹے کو اس کے باوجود ان کا احترام کرنا سکھا سکوں۔ میرا کوئی زور نہیں ہے آپ پر، اس لئے التجا کر رہا ہوں آپ سے۔"

"کاکا صاحب......! میں بہت......"

اکرام صاحب نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ عبدالحق نے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ کچھ بھی کہیں گے سر......! تو اس سے میری شرمندگی اور بڑھے گی۔ میں آپ سے اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ میرا بیٹا کلاس کے دوسرے بچوں کی طرح آپ کا ایک شاگرد ہے اور آپ اس کے معاملے میں آزاد ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ استاد جو کچھ بھی کرتا ہے، اپنے شاگردوں کی بہتری کے لئے کرتا ہے۔"

"کاکا صاحب......! آپ بیٹھیں تو، میں آپ کے لئے کچھ منگاؤں۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں سر......!"

"یہ آپ کی نہیں، ہماری ضرورت ہے کاکا صاحب......! ہمارے لئے یہ عزت کی بات ہوگی۔"

"عزت، ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اللہ نے آپ کو بہت عزت دی ہے۔"

عبدالحق نے کہا۔

"لیکن آپ کی خوشی کے لئے پھر کبھی سہی......! اب تو نماز کا وقت ہو رہا ہے۔"

عبدالحق ان سے ہاتھ ملا کر نکل آیا۔ وہاں موجود تین بڑوں میں سے کسی کو بھی دونوں بچوں کی موجودگی کا احساس نہیں تھا۔ عبدالحق کے جانے کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب کی نظران پر پڑی تو انہوں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم اپنی کلاس میں جاؤ......!"

❀❀❀

اصغر نورالحق سے بہت پیار کرتا تھا۔ اس کے ہاتھوں کا حال دیکھ کر وہ اندر ہی اندر غصے سے کھول رہا تھا۔ اس نے نورالحق کے ہاتھ کو چھوا تو نورالحق کی چیخ نکل گئی۔

"تمہارے تو مزے آ گئے میاں نورالحق......!"

اصغر نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

''کم از کم ایک ہفتے کے لئے تو اسکول سے چھٹی مل گئی تمہیں۔''

نورالحق نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ خاموش شکایت تھی۔ اصغر تڑپ گیا۔

''اپنا غصہ چھپانے کے لئے مذاق کر رہا تھا یار......! ورنہ تمہاری تکلیف پر میں ہنس سکتا ہوں بھلا......؟''

اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''میرے بس میں ہو تو ابھی جا کر اس کی جان لے لوں، جس نے تمہارا یہ حال کیا ہے۔''

نورالحق اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اصغر کی سچائی محسوس کر کے وہ مسکرایا۔ مگر اس مسکراہٹ میں بھی اذیت جھلک رہی تھی۔ اصغر بڑی نزاکت اور احتیاط سے ڈریسنگ کر رہا تھا۔

''یہ بتاؤ......! تمہیں مارا کس نے ہے......؟''

''میرے میتھ کے ٹیچر نے۔''

''انور تو کہتا ہے کہ تم میتھ میں بہت اچھے ہو۔''

اصغر نے کہا۔ وہ تکلیف کا احساس کم کرنے اور نورالحق کا دھیان بٹانے کے لئے اس سے باتیں کر رہا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم نے ہوم ورک نہیں کیا ہوگا......؟''

''میں گھر جاتے ہی سب سے پہلے اپنا ہوم ورک کرتا ہوں چاچو......!''

''تو کلاس میں سوال حل کرنے میں غلطی ہوئی ہوگی......؟''

''نہیں چاچو......!''

''تو کوئی شرارت کی ہوگی......؟''

اصغر خان بوجھ کر لمبی بات کر رہا تھا۔

''نہیں چاچو......!''

''تو پھر خود ہی بتا دو ناں یار......! کچھ تو کیا ہوگا تم نے......؟''

اسی وقت چپراسی نوشاد آ گیا۔

''کیا بات ہے......؟''

اصغر نے اس سے پوچھا۔



''چھوٹے صاحب کو لے جانے کے لئے آیا ہوں۔''

''نہیں میں گھر پہنچا دوں گا، تم جاؤ......!''

نوشاد ہچکچایا۔

''صاحب نے ساتھ لے کر آنے کو کہا تھا۔''

''ان سے کہنا، یہ تو اب کئی دن اسکول نہیں آ سکیں گے، اور میں انہیں گھر پہنچا دوں گا۔''

نوشاد واپس چلا گیا۔

''ہاں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ کچھ نہ کچھ تو کیا ہوگا تم نے......؟''

نورالحق اسے تفصیل سے بتانے لگا۔ اتنی دیر میں اصغر نے ڈریسنگ مکمل کر لی۔

''تمہارے حق میں گواہی نہیں سنی تمہارے سر نے......؟''

اس نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر حال میں تمہیں سزا دینا چاہتے تھے۔''

نورالحق نے کچھ نہیں کہا۔

''اور یہ کوئی اچھی بات نہیں، ٹیچر کو ایسا نہیں ہونا چاہئے۔''

نورالحق اب بھی خاموش تھا۔

''ایسے شخص کو ٹیچر بننے کا کوئی حق نہیں۔''

اصغر کا لہجہ ہر لحظہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔

''کیا نام ہے اس کا......؟''

''سر اکرام......!''

''وہ اب اس اسکول میں نہیں رہ سکے گا۔ اگر میں اسے نکلوا نہیں سکا تو اس کا تبادلہ ضرور کرا دوں گا۔''

نورالحق کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی۔

''چلو......! اب میں تمہیں گھر پہنچا دوں۔''

نورالحق اُٹھ کھڑا ہوا۔

❀❀❀

نورالحق بہت غور سے ارجمند کو دیکھ رہا تھا۔ اصغر اسے چھوڑ کر جا چکا تھا۔ ارجمند اس کی پٹی میں لپٹے ہاتھوں کو دیکھ کر دہل گئی تھی۔ مگر پھر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ لیکن حمیدہ تو پاگل ہی ہوگئی تھی۔

"کس نے کیا ہے یہ حال میرے بچے کا......؟"

"اسکول کے ایک ٹیچر نے مارا ہے اماں جی......!"

"ہاتھ ٹوٹیں اس منحوس کے، ایسا کیا کر دیا تھا میرے بچے نے......؟"

"کچھ بھی نہیں......! بے قصور مارا ہے، لیکن آپ فکر نہ کریں اماں جی......! اسے اب میں اس اسکول میں رہنے نہیں دوں گا۔"

مگر حمیدہ ایسے ماننے والی کہاں تھی......؟

"اس کی تو میں ابھی خبر لوں گی اسکول جا کر......!"

"اب تو چھٹی ہو چکی ہوگی دادی اماں......!"

ارجمند نے دبی دبی آواز میں اسے یاد دلایا۔

"خیر......! کل سہی......!"

اصغر جانے لگا تو ارجمند نے کہا۔

"بھائی جان......! آپ اجازت دیں تو میں ہلدی لگا دوں نورالحق کے ہاتھوں پر......؟"

اصغر ہنسنے لگا۔

"یہ بات اماں جی کے منہ سے اور اچھی لگتی، مگر خیر......!"

"میں آپ کی ڈاکٹری کو چیلنج نہیں کر رہی ہوں بھائی جان......! لیکن ہلدی درد کھینچ لے گی بہت تیزی سے۔"

"ٹھیک ہے بھابی......! لیکن پین کلر پھر بھی دیتی رہئے گا۔"

اصغر نے کہا اور پھر یہ سمجھایا کہ کچھ باتوں کا لازماً خیال رکھنا ہے۔ کچھ احتیاط بہت ضروری ہے۔

"اور خدانخواستہ کوئی پیچیدگی ہو تو آپ مجھے آدھی رات کو بھی بلوا سکتی ہیں۔"

"شکریہ بھائی جان......!"

اور شام کو ارجمند نے نورالحق کی پٹی کھولی تو ہاں کی سوجن دیکھ کر دہل گئی۔ نورالحق کو





یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔

"امی کتنی محبت کرتی ہیں مجھ سے......!"

اس نے سوچا۔

"مجھ سے زیادہ میری تکلیف کو محسوس کرتی ہیں۔"

ارجمند نے اسے اپنی طرف متوجہ پایا تو بے پرواہی سے بولی۔

"کوئی بڑی بات نہیں، ہلدی درد بھی کھینچ لے گی اور سوجن بھی کم کر دے گی۔"

"اور میرا حوصلہ بڑھانے کے لئے بہادر بھی بنتی ہیں، اپنی پریشانی چھپاتی ہیں۔"

نورالحق نے سوچا۔ مگر حمیدہ کے لئے تو نورالحق کے ہاتھوں کی طرف دیکھنا بھی ممکن نہیں تھا۔

❀❀❀

ظہر کے بعد عبدالحق معمول کے مطابق کھانا کھانے کے لئے گھر آیا تو وہ ذہنی طور پر تیار تھا کہ اسکول کے واقعے پر بات ہوگی، اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مشکل مرحلہ حمیدہ کو سمجھانے کا ہوگا۔ اس کی تو جان تھا نورالحق۔

لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ حمیدہ زرینہ کی طرف گئی ہوئی تھی۔ نورالحق شاید دواؤں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ رابعہ اس سے کسی بھی موضوع پر بات نہیں کرتی تھی، اور ارجمند نے بھی کوئی بات نہیں کی۔

البتہ مغرب کے بعد وہ گھر آیا تو یہ معاملہ اُٹھا۔

"پتر عبدالحق......! تجھے تو معلوم ہی نہیں ہوگا کہ آج سکول میں نورالحق کے ساتھ کیا ہوا......؟"

حمیدہ نے بات شروع کی۔

"مجھے معلوم ہے اماں......! ہیڈ ماسٹر نے مجھے بلوا لیا تھا۔"

"یہ بتا......! اس ماسٹر کا کیا ہوا جس نے میرے بچے کو اس بری طرح مارا......؟"

عبدالحق کو احساس تھا کہ کچھ فاصلے پر بیٹھا نورالحق پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہے۔ یہی وقت تھا کہ وہ بیٹے کے دل و دماغ پر اساتذہ کی عزت کی اہمیت ہمیشہ کے لئے نقش کر سکتا تھا۔

"اماں......! ٹیچر کے بارے میں اتنی حقارت سے بات نہیں کرنی چاہئے۔"
اس نے قدرے بلند آواز میں کہا۔
"دو کوڑی کے اس ماسٹر نے میرے بچے کی یہ حالت کر دی اور تو اس کی حمایت کر رہا ہے......؟"
حمیدہ بپھر گئی۔
"سمجھنے کی کوشش کرو اماں......! استاد اللہ کی طرف سے علم بانٹنے اور پھیلانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ عزت...... اتنی بڑی عزت اسے اللہ نے دی ہے۔ وہ دو کوڑی کا کیسے ہو سکتا ہے......؟ یہ تو اللہ کو ناراض کرنے والی بات ہوئی اماں......!"
حمیدہ کا لہجہ قدرے نرم ہو گیا۔
"پر اللہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت تو نہیں دی ناں......!"
"معمولی سی مار پیٹ کو قتل کہنا تو بڑی زیادتی ہے اماں......!"
"معمولی مار پیٹ......؟"
حمیدہ نے تنک کر کہا۔ پھر وہ نورالحق کی طرف مڑی۔
"ادھر آ پتر......! اپنے بابا کو ہاتھ دکھا اپنے۔"
نورالحق آیا، اس کے سامنے کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیئے۔ اب ان پر پٹی نہیں بندھی تھی۔ ارجمند نے پٹی کھول کر اس کے ہاتھ پر جانے کس کس چیز کا نیم گرم لیپ لگایا تھا۔ اس سے اسے بہت آرام آیا تھا اور درد میں بھی بہت کمی ہوئی تھی۔ سوجن بھی بڑی حد تک اُتر گئی تھی۔
عبدالحق نے اس کے ہاتھ دیکھے تو اندر سے کانپ گیا۔ لیکن وہ کمزوری دکھانے کا وقت نہیں تھا۔
"ایسا ہوتا ہے اماں......!"
اس نے سمجھانے والے لہجے میں کہا۔
"استاد مارتے ہیں، بچوں کے ماں باپ کو زیادہ لگتا ہے، لیکن آج تک کسی استاد کے مارنے سے کوئی بچہ نہیں مرا۔"
حمیدہ نے نورالحق کو اپنے پاس بٹھا کر نزاکت سے اپنے پہلو سے چپکا لیا۔
"تیرے منہ میں خاک پتر......!"





اس نے تند لہجے میں کہا۔
"تو خدانخواستہ جب تک یہ مر نہ جائے، تجھے اس پر ترس نہیں آئے گا......؟"
"اماں......! ترس کھانا کوئی اچھی بات نہیں۔ میرا بیٹا مرد ہے، یہ اور مضبوط ہو گا، اور استاد کی عزت کرے گا تو اللہ اس کے علم میں اضافہ کریں گے۔ بچے غلطی کرتے ہیں اور استاد سزا دیتے ہیں، یہ معمول کی بات ہے اماں......!"
"لیکن میں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔"
نورالحق اچانک بول اُٹھا۔
"انہوں نے مجھے غلط مارا......!"
عبدالحق نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ اس کا لہجہ بہت سخت تھا۔
"اگر وہ تمہیں غلطی پر مارتے اور تم سہہ لیتے تو کون سی بڑی بات تھی بیٹے......؟"
اس نے کہا۔
"انہوں نے غلط مارا اور تم نے، ہم نے برداشت کیا تو ان کی عزت کی۔ اور علم اس عزت کے بدلے ملتا ہے بیٹے......! استاد کچھ بھی کرے، تمہیں اس کی عزت کرنی ہے ہر حال میں۔"
"انہیں دُشمنی ہے مجھ سے......!"
نورالحق کا لہجہ بدستور وہی تھا۔
"ارے نہیں بیٹے......! جو تمہیں دُنیا کی سب سے قیمتی چیز دے رہا ہو، وہ تمہارا دُشمن کیسے ہو سکتا ہے......؟"
عبدالحق نے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔
"کبھی غلط فہمیاں، بدگمانیاں ہو جاتی ہیں، اور پھر دُور بھی ہو جاتی ہیں۔"
"تو میں انہیں معاف کر دوں......؟"
نورالحق کا لہجہ اور خراب ہو گیا۔
"بری بات......! بہت بری بات......!"
عبدالحق نے سخت لہجے میں کہا۔
"اُستاد کے لئے ایسے الفاظ سوچنا بھی نہایت بے ادبی ہے، اور تم تو منہ سے نکال رہے ہو، شرمندگی مجھے ہو رہی ہے۔"

نورالحق سہم کر چپ ہوگیا۔ مگر حمیدہ بھڑک گئی۔

"بچے کو تو، تو ڈرا دھمکا کر سمجھا لے گا پتر......! مگر میں ماننے والی نہیں۔"

"آپ کیا چاہتی ہیں اماں......؟"

عبدالحق نے بے بسی سے کہا۔

"سکول کی چھٹی کا وقت نہ ہوا ہوتا تو میں تو آج ہی خبر لیتی اس ماسٹر کی۔ پر آج نہیں تو کل سہی......!"

عبدالحق کا چہرہ فق ہوگیا۔

"اماں......! خدا کے لئے......!"

وہ گڑگڑایا۔

"اسے ماروں گی بھی، بے عزتی بھی کروں گی، اور سکول سے نکلواؤں گی بھی۔"

نورالحق کے دل کو خوشی ہوئی۔ اصغر چاچو نے بھی سر اکرام کو اسکول سے نکلوانے کی بات کی تھی اور وہ خود بھی یہی چاہتا تھا۔

"یہ کام تو آج ہی ہو جاتا اماں......! میں نے رُکوایا ہے۔"

عبدالحق نے کہا۔ نورالحق کو یہ سن کر جھٹکا لگا۔

"کیوں......؟"

"جس معاشرے میں استاد کی عزت نہ ہو اماں......! وہ اندھا اور پست معاشرہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔"

عبدالحق نے کہا۔

"ہمیں اپنے معاشرے میں بری مثال قائم نہیں کرنی چاہئے۔"

"کیسی بات کر رہا ہے تو......؟"

"سمجھنے کی کوشش کرو اماں......! اللہ کے فضل و کرم سے معاشرے میں بہت عزت ہے ہماری، اللہ نے مرتبہ عطا فرمایا ہے، طاقت اور اثر و رسوخ ملا ہے ہمیں۔ اگر ہم استاد کی بے عزتی کی مثال قائم کریں گے، چاہے اُستاد سے غلطی ہوئی ہو، وہ بھی انسان ہیں اماں......! ان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہم انہیں اس کی سزا دیں گے تو پھر یہاں یہ رواج بن جائے گا۔ کوئی بھی اثر رسوخ والا، کوئی بھی دولت مند شخص کسی بھی اُستاد کو بغیر کسی وجہ کے بھی بے عزت کر دے گا۔ یہی نہیں، پھر جسمانی طاقت رکھنے والے بھی آگے بڑھیں گے۔ لفنگے، بدمعاش اور غنڈے اُستادوں



ھ اُٹھائیں گے، اور جب ایسا ہوگا تو علم اُٹھ جائے گا، تہذیب لُٹ جائے گی، معاشرہ جنگل سے بدتر ہو جائے گا، اور یہ جتنی بھی برائیاں اور نقصانات ہوں گے، ان میں سب سے بڑا حصہ ہمارا سب سے بڑھ کر ہماری ذمہ داری ہوگی۔ یہ کمائی اچھی لگے گی تمہیں......؟"

عبدالحق جذباتی ہوگیا تھا۔

"کیوں......؟ ہماری کیوں ہوگی......؟"

"اس لئے کہ کسی برائی کا آغاز کرنے والے کو اللہ اصل ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ قیامت ن جتنے لوگ بھی وہ برائی کریں گے، اس کا ایک حصہ اس برائی کا آغاز کرنے والے کو پہنچتا رہے سوچو تو کتنا جمع ہو جائے گا، جہنم رسید ہی کروا دے گا ناں......؟"

"یہ کیا بات ہوئی......؟ تیرے کہنے سے کیا ہوتا ہے......؟"

حمیدہ نے غصے سے کہا۔

"یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں اماں......! یہ اللہ کا فرمان ہے۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا، زمین پر پہلا قتل تھا کسی انسان کا، تو اللہ نے فرمایا کہ اب قیامت تک جتنے انسان بھی انسانوں ے ہاتھوں قتل ہوں گے، ان میں قابیل کا حصہ لگے گا۔ کیونکہ پہلا قتل قابیل نے کیا۔ اس جرم کا وازہ قابیل نے کھولا۔ لوگوں کو یہ راستہ قابیل نے دکھایا۔ تو یہاں علم بانٹنے والے کو بے عزت رنے کی مثال میں تو قائم نہیں کرنا چاہتا اماں......! تم چاہتی ہو تو ضرور کرو، مگر سوچ سمجھ لو۔"

حمیدہ نے بے بسی سے پاس کھڑی ارجمند کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں سوال ا۔ ارجمند نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مگر اس ماسٹر کو کسی اور اسکول میں تو بھجوا دے۔"

"نہیں اماں......! یہ بھی بری مثال ہی ہوگی۔"

"اس پر تو میں نہیں مانوں گی۔"

"تو اب یہ میری بے عزتی ہوگی۔"

عبدالحق نے کہا اور حمیدہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں اماں......! میری عزت رکھ لو، اور اگر نہ رکھنا ہو تو کوئی بات نہیں۔ تم سے بڑھ کر تو کچھ بھی نہیں میرے لئے۔"

حمیدہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر اس نے عبدالحق کے ہاتھ تھامے اور انہیں اپنے لبوں سے لگا لیا۔

"تو جو کہہ رہا ہے پتر......! تو ٹھیک ہی کہہ رہا ہوگا۔ تو اللہ سے ڈرنے والا ہے، غلط بات تو نہیں کرے گا۔"

"شکریہ اماں......!"

لیکن نورالحق کے دُکھ اور مایوسی کی کوئی حد نہیں تھی۔

❁❁❁

اگلا دن اتوار تھا، چھٹی کا دن۔ پیر کے دن موقع ملا تو عبدالحق نے بات وہیں سے شروع کی، جہاں موقوف ہوئی تھی۔ مولوی صاحب کو یاد بھی نہیں تھا، اسے انہیں یاد دلانا پڑا۔

"اوہ......! وہ......؟"

مولوی صاحب بولے۔

"تو تم سمجھ تو گئے ہو گے......؟"

"جی......! اتنا سمجھ گیا کہ جنات کی بات ہو رہی تھی۔"

"یہ بات میں نے بعد میں بھی بہت لوگوں کے منہ سے سنی۔"

مولوی صاحب نے کہا۔

"اور پتر......! یہ حقیقت ہے کہ جمعرات کے دن مٹھائی کی طلب غیر معمولی حد تک بڑھ جاتی ہے۔"

"وہ تو قدرتی بات ہے مولوی صاحب......! میں نے دیکھا ہے کہ جمعرات کے دن بچے بھی مٹھائی بانٹتے پھرتے ہیں، جو نظر آجائے، اسے کھلاتے ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو پتر......! تو تمہیں یقین نہیں ہے اس پر......؟"

"ایسی بات نہیں مولوی صاحب......! میں اپنے ذہن کو کھلا رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں، دُنیا میں کروڑوں، اربوں بھید ہے اللہ کے، اور عقل انہیں نہیں سمجھ سکتی۔ تو عقل پر انحصار کرنے والے انہیں اوہام قرار دے کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ جہالت ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس سے بچایا ہوا ہے۔"

"اور یوں دیکھا جائے پتر......! تو اس بات کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس لئے کہ جو کچھ ہے اور جس کے لئے ہے، وہ اس پر اللہ کا فضل ہے۔"

"جی......! بے شک مولوی صاحب......! لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ آدمی کو فضل



اسباب پر بھی غور کرتے رہنا چاہئے۔"

"فضل کے لئے شاید کسی سبب کا، کسی اہلیت کا ہونا ضروری نہیں پتر......!"

مولوی صاحب نے کہا۔

"میں غور کرتا ہوں تو سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ نے سب کچھ اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔ بندہ گمان کرتا ہے کہ اس نے یہ کیا تو یوں ہوگیا۔ بس اس نے تو آخرت کے انجام کی ذمہ داری ...ں پر ڈالی ہے۔ وہ بھی برائے نام......! کیونکہ نیک اعمال تو وہی عطا فرماتا ہے۔ البتہ برائیاں ...اپنی کمائی ہوئی ہیں۔ اور وہ ان سے بھی بچاتا رہتا ہے اپنے بندوں کو۔ کبھی نرمی سے، کبھی سختی ...بھی حکمت سے۔ بندے کو البتہ پتا نہیں چلتا۔"

"بے شک پتر......!"

مولوی صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

"بندے کو کہاں پتا چلتا ہے، اور کیسے پتا چل سکتا ہے......؟ کتنی برائیوں سے اللہ بچاتا ہے اور کتنی اس کی برائیاں مٹا بھی دیتا ہے، اپنی ہی عطا کی ہوئی نیکیوں کے بدلے۔"

"اور کتنی ہی ان کے بغیر بھی، وہ غفور الرحیم ہے۔"

دونوں کو احساس ہوا کہ وہ موضوع سے ہٹ گئے ہیں۔ دونوں نے ایک ہی لمحے میں احساس کے تحت ایک دوسرے کو دیکھا۔ مولوی صاحب مسکرائے اور بولے۔

"یہ اللہ کی ذاتِ پاک کی وسعت ہے کہ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے ...ں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے اور اسے پتا بھی نہیں چلتا۔ اب دیکھو ناں، بات ہم کچھ اور کر رہے

"جی ہاں......! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آدمی کو اللہ کی ہر عنایت پر غور کرنا چاہئے۔"

عبدالحق نے کہا۔

"مگر آدمی کیا غور کر سکتا ہے پتر......؟ اللہ ہی راہنمائی فرمائے تو بات بنتی ہے۔"

"لیکن بندے کی کم سے کم ذمہ داری تو یہ ہے ناں مولوی صاحب......! کہ وہ اللہ ...رجوع کرے۔"

مولوی صاحب پھڑک گئے۔

"بے شک پتر......! الحمدللہ......! یہ بہت بڑی بات کہی ہے تم نے، اور رجوع کرنا ...ل میں بھی شکر و استغفار ہے اور پریشانی میں بھی شکر اور استغفار۔ میں یہاں آنے سے پہلے

جہاں تھا، وہاں کا ایک واقعہ سناؤں تمہیں۔ ایک آدمی تھا، جس کے پاس چار بھینسیں تھیں، مگر اللہ کی رحمت سے وہ غیر معمولی طور پر زیادہ دودھ دیتی تھیں، ایسا کہ یقین نہ آئے۔ اس کے گاہک ان لوگوں سے بھی زیادہ تھے جن کے پاس دس دس بھینسیں تھیں۔ وہ لوگ حسد کے مارے اس کے بارے میں خبریں پھیلاتے تھے کہ وہ دودھ میں ملاوٹ کرتا ہے۔ لیکن اس سے دودھ لینے والے کہتے تھے کہ اتنا خالص، اچھا اور برکت والا دودھ کسی کا ہوتا ہی نہیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کی بھینسیں اتنا زیادہ اور گاڑھا دودھ کیسے دیتی ہیں......؟

پھر اچانک تبدیلی آئی۔ اس کا سپلائی کیا ہوا دودھ پتلا ہونے لگا۔ لوگوں نے شکایت کی تو اس نے حلفیہ کہا کہ وہ دودھ میں پانی نہیں ملا رہا ہے۔ بھینسیں دودھ ہی ایسا دے رہی ہیں۔ مگر پھر بھینسوں کا دودھ بھی کم ہونے لگا۔ اس کی وجہ سے اسے گاہک چھوڑنے پڑے۔ وہ جن بھینسوں پر اِتراتا تھا، اب انہی کی وجہ سے اسے شرمندگی ہونے لگی۔

پھر اس پر ایک افتاد آ پڑی۔ ایک بھینس بیمار ہوئی اور آٹھ دس دن میں ہی مر گئی۔ جب دوسری بھینس بیمار ہوئی تو وہ بوکھلا گیا اور جیسا کہ ہمارے ہاں دستور ہے، اس نے بھی یہی سوچا کہ کسی حاسد نے اس پر، اس کی بھینسوں پر سفلی کرایا ہے۔ وہ ایک عامل کے پاس گیا۔ عامل نے بھی اس کے خیال کی تائید کی اور کافی پیسے لے کر اسے تعویذ لکھ کر دیئے۔ لیکن اس کے چند روز بعد ہی اس کی دوسری بھینس بھی مرگئی۔

اب تو اس کی پریشانی کی کوئی حد نہیں تھی۔ کسی کے مشورے پر وہ ایک اللہ والے کے پاس جا پہنچا اور اسے تفصیل سے اپنی پریشانی کے بارے میں بتایا۔

''تیرا کیا خیال ہے......؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے تیرے ساتھ......؟''

اللہ والے نے پوچھا۔

''مجھے یقین ہے سائیں......! کہ مجھ پر سفلی کیا گیا ہے۔''

''تو ٹھیک سمجھا، لیکن تجھے یہ نہیں معلوم ہوگا کہ یہ کس کی حرکت ہے......؟''

''جی سائیں......! مجھے نہیں معلوم۔ آپ بتاؤ مجھے۔''

بھینس والے نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

''تو نے کیا ہے خود پر سفلی عمل......!''

بھینس والا تو بھوں پکا رہ گیا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں سائیں......!''



''خرابی باہر ڈھونڈنے کی بجائے اپنے اندر تلاش کر۔ تو کیا سمجھتا تھا، تیری بھینسوں میں کوئی خوبی ہے......؟ نہیں بے خبر......! اللہ نے، جو رزاق ہے، ایک جانور کا پیٹ بھرنے کا ذریعہ بنا کر تجھے عزت اور فراخی عطا فرمائی تھی، تو نے اسے محروم کر دیا، تو اللہ نے اس کے حصے کا رزق تجھ سے واپس لینا ہی ہے، جو تیرے اور تیرے بچوں کے حصے کا ہوگا، وہ تجھے ملتا رہے گا۔ کچھ سمجھ میں آیا تیری......؟''

''ہاں سائیں......! میں سمجھ گیا، پر یہ بتائیں، اب کچھ ہو سکتا ہے......؟''

''کیوں نہیں ہو سکتا نادان......؟ اللہ کے دروازے بند نہیں ہوتے کبھی۔ تلافی کر اور توبہ کر، اور سوچ لے کہ آگے جو اللہ کی مرضی، تو بس اس میں شکر ادا کرے گا۔ اللہ جتنا چاہے گا، لوٹا دے گا اور چاہے گا تو پہلے سے بھی زیادہ دے گا۔''

وہ واپس آیا، اللہ کی بارگاہ میں رویا، گڑگڑایا، تلافی بھی کی۔ چند روز بعد ہی دودھ پہلے جیسا اور وافر ہوگیا۔ لیکن بھینسیں صرف دو رہ گئی تھیں۔ لیکن پتر عبدالحق......! اللہ نے توبہ قبول کی اور برکت عطا فرمائی تو ایک سال میں وہ اس قابل ہوگیا کہ اس نے چار بھینسیں اور خرید لیں۔

تو پتر......! بندے کے لئے عافیت اسی میں ہے کہ شکر اور استغفار کے ذریعے اللہ سے رابطہ رکھے اور سفلی اعمال سے بچے۔ شکر کی بجائے غرور کرنا، استغفار کی بجائے اکڑنا، رحم کی بجائے ظلم کرنا، کسی کو کچھ دینے کی بجائے محروم کرنا، کسی کو آرام پہنچانے کی بجائے تکلیف پہنچانا، کشادہ دلی کی بجائے تنگ دلی اور سخاوت کی بجائے کنجوسی کرنا، ان اعمال سے دُور ہونا جو اللہ کو پسند ہیں، اور وہ اعمال کرنا جو اللہ کو ناپسند ہیں اور جن کی ترغیب شیطان دیتا ہے، وہ سب سفلی اعمال ہیں۔''

''آپ نے یہ نہیں بتایا مولوی صاحب کہ معاملہ کیا تھا......؟''

''دودھ والے کے پاس ایک دن بھوک سے بلکتا بلی کا بچہ آیا۔ اس نے اسے تھوڑا سا دودھ دے دیا۔ پھر وہ بلی کا بچہ صبح و شام اس کے پاس آنے لگا اور وہ اسے دودھ دینے لگا۔ اب جانور تو تیزی سے بڑے ہوتے ہیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہ قد آور بلا بن گیا۔ مگر دودھ والے کے پاس وہ ہر روز دو وقت آتا تھا۔ ایک دن کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے دودھ والے کو اسے دودھ دینے میں تاخیر ہوگئی تو بلا بے صبری سے غرایا، جیسے ناراضگی کا اظہار کر رہا ہو۔ دودھ والے کو یہ بات بہت بری لگی۔ بولا، ہمارا کھاتا ہے، ہمیں پہ غراتا ہے۔ اب ہٹا کٹا ہوگیا ہے، جا

کہیں سے بندوبست کر اپنا۔ میں تو اب دودھ نہیں دوں گا تجھے۔ بلاّ بیٹھا رہا تو اس نے مار کر اسے
بھگا دیا۔ چند روز تک یوں ہی ہوتا رہا۔ بلاّ آتا، اُمید بھری نظروں سے اسے تکتا اور دودھ والا اس
سے منہ پھیرے رہتا۔ زیادہ تنگ آتا تو مار کر اسے بھگا دیتا۔ اس دوران اسے یہ اندازہ بالکل نہیں
ہوا کہ بھینسوں کا دودھ پتلا ہو رہا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد بلاّ اس کی طرف سے مایوس ہوگیا اور اس نے آنا ہی چھوڑ دیا۔
تب پہلے دودھ پتلا ہوا، پھر بھینس بیمار ہوئی اور مرگئی۔''

''اسے یہ خیال نہیں آیا کہ یہ سب بلےّ کی مایوسی کے بعد ہوا ہے......؟''
عبدالحق نے کہا۔

''آدمی کو کہاں پتا چلتا ہے پتر......! اوّل تو وہ ہر نفع کو اپنی محنت کا نتیجہ سمجھتا ہے اور
کچھ اللہ سے نسبت ہو اور اسے اللہ کا کرم سمجھے تو بھی اسے اپنی ہی کسی خوبی کی وجہ سے اللہ کا انعام
سمجھتا ہے۔ اور پتر......! آدمی کا بھی کیا قصور......؟ غیب کتنا زیادہ ہے اور اس بے چارے کی آگہی
کتنی کم ہے۔ اب وہ بلاّ دو وقت میں کتنا دودھ پیتا ہوگا......؟ آدھا پاؤ......؟ زیادہ سے زیادہ ایک
پاؤ......؟ تو دودھ والا یہ کیسے سمجھ سکتا تھا کہ اللہ نے اس کے دودھ میں اسے بلےّ کا حصہ مقرر فرمایا
ہے۔ وہ تو یہی سوچتا تھا کہ جانور پر رحم کرنا اس کی اچھائی ہے اور اسے دودھ پلانا اس کی سخاوت
ہے۔ وہ کیسے سمجھ سکتا تھا کہ اس ایک پاؤ دودھ کی وجہ سے اللہ اسے دو من دودھ دیتا تھا۔ اس کی جگہ
میں ہوتا تو میں بھی نہ سمجھ پاتا یہ بات۔

استغفر اللہ......! اب دیکھو ناں، اس نے اللہ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حق دار کا
حق روکا تو اس کا صلہ اور اجر بھی رُک گیا۔ مگر اس کی سمجھ میں تو پھر بھی بات نہیں آئی۔ اللہ کی باتیں،
اللہ کے بھید سمجھنا کوئی آسان ہے......؟''

''مگر ایسے بھی لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں۔''

''میں اولیاء اللہ کی بات نہیں کرتا پتر......!''
مولوی صاحب نے کہا۔

''ہر کوئی آدمی، ہم جیسا، کچھ نہیں سمجھتا۔ ہاں......! جسے اللہ سمجھائے، وہ سمجھ جاتا ہے،
اور جتنا اللہ سمجھائے اتنا ہی سمجھتا ہے۔ بندے کے پاس تو اس کے اپنے گمان کے سوا کچھ بھی نہیں
ہے پتر......! وہ کچھ بھی تو نہیں سمجھتا، اور اس نہ سمجھنے کی وجہ جانتے ہو پتر......؟''
عبدالحق نے نفی میں سر ہلایا۔



''آدمی اپنے بارے میں سوچتا ہے، حالانکہ اسے ہر پل اپنے ربّ کے بارے میں
سوچنا چاہئے۔ وہ خود کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، حالانکہ اسے اللہ کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وہ
سمجھتا کہ وہ ہرگز کوئی قابل ذکر شئے نہیں، اور جتنا وہ خود کو سمجھتا ہے، جتنا اپنے بارے میں گمان
کرتا ہے، اتنا ہی اللہ سے دُور اور بے خبر ہوتا جاتا ہے۔ زندگی تو پتر......! بس ربّ کے بارے میں
سوچنے کے لئے ہے۔''

''کیسے مولوی صاحب......؟ کس طرح سوچے آدمی......؟''

مولوی صاحب جواب دینے ہی والے تھے کہ ایک گاہک آگیا۔ عبدالحق نے اُٹھ کر
اسے ڈیل کیا۔ اسے کتاب دے کر وہ واپس آیا اور اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے مولوی صاحب کو سوالیہ
نظروں سے دیکھا۔

''لمبی بات ہے پتر......! اپنی رات کی محفل میں بات کریں گے اس پر۔ اصل میں تو
دوسری بات کر رہے تھے۔''

''جی ہاں......! اور بات ہمیشہ کی طرح کہیں کی کہیں نکل گئی۔''

''ربّ کی بات ہے ناں، ختم ہونے والی نہیں۔ مگر ہم بات دینی کتب کی سیل کی کر
رہے تھے۔''

''جی مولوی صاحب......!''

''ایک پبلشرز کا کہنا ہے کہ اب تک قرآن کے مختلف پبلشرز کے چھاپے ہوئے جتنے
نسخے فروخت ہوئے ہیں، اس حساب سے ہر گھر میں قرآن کے پندرہ بیس نسخے ہونے چاہئیں۔''

''یہی بات میں حق نگر کے بارے میں سوچتا ہوں اور مجھے حیرت ہوتی ہے، کیونکہ
یہاں تو پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔''

''پبلشرز بتاتے ہیں کہ اس کاروبار میں بڑی برکت ہے۔ ناکام کوئی نہیں ہوتا۔ پر
دینی کتابوں کے پبلشرز پر تو اللہ کا ایسا فضل ہے کہ آدمی ان پر رشک کرتا رہ جائے، اور کتب فروشوں
کا بھی یہی حال ہے۔ میری اپنی دُکان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری دُکان بہت اچھی چلتی ہے۔
درسی اور معلوماتی کتابیں بھی بکتی ہیں الحمدللہ......! کورس کی کتابوں کا تو معاملہ ہی اور ہے۔ لیکن
میرے دینی کتابوں کے سیکشن پر فضل عظیم ہے اللہ کا، اور میں بھی یہی سوچتا رہا ہوں، جو تم سوچ
رہے ہو۔ یہاں اتنے پڑھے لکھے لوگ نہیں ہیں۔ پھر یہ کتابیں کیسے بکتی ہیں......؟ اور بکتی ہیں تو
پڑھی بھی جاتی ہوں گی۔ پڑھی جاتی ہیں تو ان کے نمایاں اثرات ہمارے گرد و پیش، ہمارے ماحول

پر اثر انداز ہوتے کیوں نظر نہیں آتے......؟"

"یہی تو میں بھی سوچتا رہا ہوں۔"

"ہم یقین سے کچھ بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ ہم کچھ جانتے نہیں۔ ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اللہ نے ہمیں بتایا۔ کتاب کے ذریعے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اجتماعی طور پر اور القا کے ذریعے انفرادی طور پر۔ اور جو القا یا گیا، اس کے بارے میں بھی ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے، تو ہمارے پاس قیاس اور گمان کے سوا کچھ نہیں بچتا، اور ہم اس سے کام لیتے ہیں۔"

"مگر اس معاملے میں میری تو سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا۔"

"اور مجھے اس پر غور کرتے ہوئے والد مرحوم کی بات یاد آئی۔ اور میں نے سوچا کہ جنات میں مسلمان بھی ہوتے ہیں اور وہ یقیناً دینی کتب بھی خریدتے ہوں گے۔ دینی کتب کی اشاعت اور فروخت زیادہ ہونے میں ان کا دخل بھی ہوگا۔ اب پتر عبدالحق......! ہم یہ تو جانتے ہیں کہ ہماری طرح جنات بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور قیامت کے دن ان سے بھی ہماری طرح حساب لیا جائے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ جنوں نے قرآن سنا اور اسلام قبول کیا۔ مگر ہمیں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔ ان کی معاشرت، ان کا طرزِ زندگی، ان کا کھانا پینا، ان کے رزق و روزگار کے معاملات، ان کی مصروفیات، یہ کچھ بھی نہیں معلوم ہمیں۔

اور اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اتنی تفصیل بتائی بھی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب جاننا ہمارے لئے ضروری نہیں تھا۔ ورنہ ہمیں بتایا جاتا، لہٰذا ہمیں اس میں تجسس کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بہت ہی معتبر دینی لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ تمام بڑی بڑی دینی درس گاہوں اور جامعات میں انسانوں سے زیادہ جنات دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ بہت سے انسانی روپ میں ہوتے ہیں اور بہت سے دوسری شکلوں میں، اور یہ تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا کہ جو نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں، وہ کتنی بڑی تعداد میں ہوتے ہیں۔

اور پتر عبدالحق......! مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ یہ میرے نزدیک ایسی حقیقت ہے جس پر میں یقین رکھتا ہوں اور اس یقین کے نتیجے میں میری سمجھ میں یہ بات بھی آتی ہے کہ دینی کتب کیوں زیادہ فروخت ہوتی ہیں......؟ بلکہ میرا گمان ہے کہ شاید جنات میں شرح خواندگی ہمارے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔"

عبدالحق عجیب سی کیفیت میں مولوی صاحب کی باتیں سن رہا تھا۔ حیرت اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔



"یہ تو میرا قیاس تھا، گمان تھا۔"

مولوی صاحب نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"اب میں تمہیں اپنے یقین کے بارے میں بتاتا ہوں۔ اللہ اپنے لشکر کے ہر سپاہی کی مدد کرتا ہے، خاص طور پر ان کی جو اس کے دین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہوں۔ وہ اگر اسے کاروبار سمجھ کر بھی کریں گے، اسے اپنا روزگار بھی بنائیں گے تو اللہ انہیں بڑھ چڑھ کر نوازے گا۔ وہ انہیں ناکام کبھی نہیں ہونے دے گا۔ وہ یہ کام دُنیا کی خاطر کریں گے تو وہ اللہ کے فضل سے دُنیا میں بھی پھلیں پھولیں گے، اور آخر کے لئے کریں گے تو ان کے اجر کی کوئی حد ہی نہیں ہوگی، انشاء اللہ......! تو میرے نزدیک یہی وجہ ہے کہ اشاعت کے کام میں اللہ نے بہت وسعت اور فراخی رکھی ہے۔ اب کون یہ کام صرف دُنیا کے لئے کر رہا ہے......؟ اور کسے آخرت کی زیادہ فکر ہے......؟ یہ اللہ اور بندوں کے درمیان معاملہ ہے۔ میرا تمہارا اس میں کیا بیچ......؟"

"بے شک مولوی صاحب......!"

"اور ابھی میں نے جس یقین کی بات کی۔"

مولوی صاحب چند لمحے سوچنے کے بعد بولے۔

"اس کے تحت ایک اور گمان بھی ہے میرا۔ اللہ کی رحمت سے کیا بعید کہ اشاعت دین کی حوصلہ افضائی کے لئے فرشتے بھی یہ کتابیں اور قرآنِ پاک کے نسخے لے جاتے ہیں۔"

عبدالحق کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ سناٹے کی سی کیفیت میں تھا۔ مولوی صاحب کی بات پوری طرح اس کی سمجھ میں بھی آئی تھی اور اسے اس پر یقین بھی تھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر مولوی صاحب نے کہا۔

"میں نے تم سے ایک وعدہ لینے کے بعد تمہیں یہ ملازمت دی تھی پتر عبدالحق......! وہ وعدہ یاد ہے تمہیں......؟"

عبدالحق چوکنا ہو گیا۔

"جی مولوی صاحب......! یاد ہے، حکم کریں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ اب ہماری قرآن فہمی کی کلاس تمہارے گھر پر ہو۔"

قرآن فہمی کی یہ مجلس عشاء کے بعد مسجد میں ہوا کرتی تھی۔ اچھے خاصے لوگ اس میں شریک ہوتے تھے۔ اس میں مولوی صاحب بڑی عاجزی کے ساتھ لوگوں کو قرآن پر غور کرنا سکھاتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ وہ قرآن کے طالب علم ہیں۔ وہ کسی آیت کے بارے میں دوسروں کو یقینی

طور پر بتانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ لیکن یہ ضرور بتا سکتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے کس آیت سے انہوں کیا سمجھا......؟ اور وہاں سب کو یہ اجازت تھی کہ قرآن کی کوئی آیت پڑھتے ہوئے کسی کی سمجھ میں کچھ آیا ہو تو وہ سب کو بتائے اور اس پر تبادلہ خیال کیا جائے۔ لیکن اس اجازت سے استفادہ عبدالحق کے سوا کوئی نہیں کرتا تھا اور عبدالحق بھی بلا ارادہ ایسا نہیں کرتا تھا۔ منہ سے کوئی بات نکل جاتی، اور پھر مولوی صاحب اسے بولنے پر مجبور کر دیتے۔

"یہ تو میرے لئے سعادت ہوگی مولوی صاحب......!"

اس نے کہا۔

"میرے گھر کی بیٹھک حاضر ہے، لیکن......"

"میں سمجھ رہا ہوں تمہاری بات۔"

مولوی صاحب مسکرائے۔

"بات یہ ہے پتر عبدالحق......! کہ اوقاف والے اب مسجد میں ایک تنخواہ دار امام اور مؤذن رکھنا چاہتے ہیں۔ گھر تو تمہاری مہربانی سے میں پہلے ہی خالی کر چکا ہوں۔ اب جمعے کے دن سے مسجد میں نئے امام صاحب آ جائیں گے، تو اب مسجد میں اپنی محفل سجانا مناسب نہیں ہوگا، اور میرا گھر بیشتر لوگوں کے لئے دُور پڑے گا، اس لئے تم سے بات کی ہے۔"

"جزاک اللہ مولوی صاحب......!"

❀❀❀
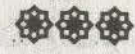
نورالحق ایک ہفتے بعد اسکول گیا تو اس کے لئے جیسے بہت کچھ بدل چکا تھا۔ نصیر کے لئے اس کے دل میں گہری ناپسندیدگی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہا تھا۔ اس کے دل میں بس یہی خیال تھا کہ یہ وہ لڑکا ہے، جس نے خود پتھر مارا اور الزام اس پر لگا دیا۔ جو کچھ ہوا، اس کی وجہ سے ہوا۔ اس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔ سر اکرام کی بھی اتنی غلطی نہیں۔

لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس سوچ کے باوجود اس کے دل میں سر اکرام کے لئے نصیر سے بھی زیادہ ناپسندیدگی تھی۔ ہاف ٹائم سے پہلے آخری پیریڈ ریاضی کا تھا، اور اس کا جی چاہتا تھا کہ اس پیریڈ کو اٹینڈ کرنے کی بجائے کلاس سے دُور، بہت دُور چلا جائے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ سر اکرام کا سامنا کیسے کرے گا......؟

لیکن سامنا تو کرنا تھا۔ وہ بھاگ تو نہیں سکتا تھا، اور پھر قصوروار وہ تو نہیں تھا، وہ



کیوں منہ چھپاتا......؟

اور اختر کے لئے اس کے دل میں بڑی محبت تھی۔ یہ وہ لڑکا تھا جس نے اس روز دو گواہیاں دی تھیں۔ ایک اس کی جو اس نے نہیں دیکھا تھا اور دوسری اس کی جو اس نے دیکھا تھا۔ اس نے اس کے حق میں اور نصیر کے خلاف گواہی دی تھی، اور سر اکرام کے دھمکانے کے باوجود اس نے گواہی دی تھی، جبکہ سر اکرام سے سبھی ڈرتے تھے۔ وہ تھے ہی بہت سخت، پھر بھی اختر نے اس کو بچانے کی کوشش کی۔ وہ اس کا احسان مند تھا۔

اور ہیڈ ماسٹر نے اسے تو اسپتال بھجوا دیا تھا اور سر اکرام کو اختر اور نصیر کے ساتھ اپنے کمرے میں بلوا لیا تھا۔ وہاں کیا ہوا، یہ اسے نہیں معلوم۔ ہاں......! وہ یہ جانتا تھا کہ ہیڈ ماسٹر نے اس کے بابا جان کو بھی اسکول بلوایا تھا۔

خوش قسمتی سے وہ وقتی طور پر سر اکرام کا سامنا کرنے سے بچ گیا۔ سر اکرام اس دن اسکول آئے ہی نہیں تھے۔

ہاف ٹائم ہوا تو اس نے اختر کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے ساتھ باہر لے کر چلا۔ اختر حیران تھا۔

"کیا ہوا چھوٹے کاکا صاحب......؟"

"کچھ نہیں......! میرے ساتھ چلو۔"

"کچھ غلطی ہوگئی مجھ سے......؟"

اختر کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"ارے نہیں......! بس آج سے ہم دوست ہیں۔"

نورالحق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا......؟"

"آپ چھوٹے کاکا صاحب ہیں اور میں...... میں......"

"چھوٹے کاکا صاحب تو تم نے مجھے بنایا ہے، ورنہ میں بھی تم جیسا ہی ہوں۔ اللہ نے مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں رکھا، اور میرا نام چھوٹے کاکا صاحب نہیں، نورالحق ہے۔"

"پر چھوٹے......"

"مجھے نورالحق کہو، اور آج سے ہم دوست ہیں۔"

باہر کئی ایک خوانچے والے کھڑے تھے۔ نورالحق کے پاس پیسے تو ہمیشہ سے ہی ہوتے تھے، دادی دیتی رہتی تھیں، لیکن وہ یہاں کچھ کھاتا پیتا نہیں تھا، اور امی کہتی تھیں، کوئی ضرورت مند نظر آئے تو پیسے اپنے پاس جمع کرانے کی بجائے اسے دے دیا کرو۔ پیسے جمع کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔ اور وہ ایسا ہی کرتا تھا۔

سو اس وقت بھی اس کی جیب میں کافی پیسے تھے، اور اس کا جی چاہتا تھا کہ دُنیا کی نعمتیں اختر کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ شاید یہ دوستی تھی، جس سے وہ اب تک محروم رہا تھا۔ ساجد بھائی کو وہ دوست سمجھتا تھا، لیکن وہ اس سے کافی بڑے تھے، انور بھی اس سے کچھ بڑا تھا، اس کا ہم جماعت تو نہیں تھا۔ ہاں ان کے درمیان بھائیوں جیسی محبت تھی۔

لیکن یہ خالص دوستی تھی، شاید ان کے درمیان بس یہی ایک تعلق تھا کہ وہ ایک ہی جماعت میں پڑھتے تھے۔ اور اب جو محبت پیدا ہوئی تھی، تو وہ دوستی تھی، خالص دوستی۔

''آلو چھولے کی چاٹ کھاؤ گے......؟''

نورالحق نے اختر سے پوچھا۔ اختر کے منہ میں پانی بھر آیا۔ لیکن فوراً ہی اس نے سُڑوک لیا۔

''نہیں چھوٹے کا......''

''پھر وہی بات......؟''

نورالحق نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں نے کہا ناں، ہم دوست ہیں، اب بولو......! چاٹ کھاؤ گے ناں......؟''

''نہیں کا......''

اختر پھر کہتے کہتے رُکا۔

''میں کیا کہوں آپ کو......؟''

''کچھ بھی کہہ لو، چھوٹے کاکا صاحب کے سوا۔''

اختر چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''کاکا کہوں تو......؟''

اس نے نورالحق سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے......! اب بتاؤ، چاٹ کھاؤ گی۔''

''نہیں کاکا......!''



''کیوں......؟ دل نہیں چاہ رہا ہے......؟''

نورالحق نے پوچھا، پھر جلدی سے بولا۔

''دیکھو، جھوٹ نہ بولنا، جھوٹ بولو گے تو ہماری دوستی نہیں چلے گی اور میں تمہیں پکا دوست بنانا چاہتا ہوں۔ اب بتاؤ......!''

''دل تو بہت چاہتا ہے کاکا......! پر میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔''

''اس کی فکر نہ کرو۔''

نورالحق نے جیب تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس بہت پیسے ہیں۔''

''پر کاکا......! دوستی میں ایسا نہیں چلتا۔ دو بار تم کھلاؤ تو ایک بار مجھے بھی کھلانا ہوگا، اور میرے پاس کبھی پیسے نہیں ہوتے۔''

''میرے ساجد بھائی کہتے ہیں، بھائیوں اور دوستوں میں ساجھا ہوتا ہے۔''

نورالحق کو یہ بات اچانک ہی یاد آئی تھی۔

''تو ایک کی چیز دونوں کی چیز، ایک کا مال دونوں کا مال، ایک کا کمرہ دونوں کا کمرہ۔''

اختر کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ چاٹ دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھرا چلا آرہا تھا اور وہ بار بار نگل رہا تھا۔ وہ اُلجھن بھری نظروں سے نورالحق کو تکتا رہا۔

''مطلب یہ کہ جو میرے پاس ہے، ہم دوست ہیں تو وہ تمہارا ہی ہے۔ ایک دن میری طرف سے تو دوسرے دن تمہاری طرف سے۔''

''لیکن میرے پاس تو ہوگا ہی نہیں۔''

''جو میرے پاس ہوگا، وہ تمہارا بھی تو ہوگا۔''

''مجھے یہ ٹھیک نہیں لگتا۔''

اس کی رغبت نورالحق سے چھپی نہیں رہ سکی۔ بلکہ نورالحق کو لگا کہ شاید اسے بھوک بھی لگی ہے۔ پھر اسے قائل کرنے کی ایک ترکیب اور سوجھ گئی۔

''دیکھو اختر......! مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ تم نہیں کھاؤ گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا، اور چھٹی کے بعد گھر پہنچنے تک مجھے بھوک لگتی رہے گی۔''

اختر یہ سن کر گڑبڑا گیا۔

''چلو، ٹھیک ہے کاکا......!''

نورالحق نے چھولے لئے اور ایک پیالہ اختر کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں نے چھولے کھائے۔ وہ پہلا موقع تھا کہ نورالحق نے باہر کی کوئی چیز کھائی تھی۔ چھولوں میں مصالحہ اسے بہت تیز لگا، لیکن مزے دار بھی لگے۔ اس نے دو گلاس پانی پیا اور چھولے والے کو پیسے دیئے۔

"مرچیں بہت تیز تھیں۔"

اس نے اختر سے کہا۔

"چلو، اب گولا گنڈا کھائیں، یا شربت پیئو گے......؟"

"جو تمہارا جی چاہے کاکا......!"

وہ گولا گنڈے والے کی طرف جا ہی رہے تھے کہ نصیر آگیا۔ وہ نورالحق کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"مجھے معاف کر دو چھوٹے کاکا صاحب......!"

"ہٹ جاؤ......! میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

نورالحق نے بے رُخی سے کہا۔

"مجھے معاف کر دو چھوٹے کاکا صاحب......! ورنہ میرا ابا مجھے جان سے مار دے گا۔"

"میں جھوٹے لوگوں سے بات نہیں کرتا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ خود دیکھ لو......!"

نصیر نے اپنی قمیص اُٹھا کر دکھایا، اس کی کمر پر نیل پڑے تھے۔ نورالحق فطری طور پر بہت نرم دل تھا، اس کی حالت دیکھ کر تڑپ گیا۔

"یہ کیا ہوا ہے تمہیں......؟"

"پتا نہیں ابا کو کس نے بتا دیا۔ کل ابا نے مجھے بہت مارا۔ کہتے تھے، چھوٹے کاکا صاحب سے معافی مانگو ورنہ روز ایسے ہی ماروں گا۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو چھوٹے کاکا جی......!"

"پر تم نے جھوٹ بول کر مجھے پھنسایا تھا۔ میں تمہیں کیوں معاف کر دوں......؟"

"میں کیا کرتا......؟ مجھے سر اکرام نے دھمکایا تھا کہ اگر میں نے تم پر الزام نہیں لگایا تو وہ مجھے ماریں گے بھی اور اسکول سے نکلوا بھی دیں گے۔ میں کیا کرتا چھوٹے کاکا جی......؟"

"اب تم اور جھوٹ بول رہے ہو، اور سر پر الزام لگا رہے ہو......؟ یہ تو اور بری بات ہے۔"





"خدا کی قسم......! میں سچ......"

"یہ سچ کہہ رہا ہے کاکا......!"

اچانک اختر بول پڑا۔

"تم یہ کیسے کہہ رہے ہو اختر......؟"

نورالحق اس کی طرف مُڑا۔

"یہ بات اس نے سر اکرام کے سامنے ہیڈ ماسٹر سے بھی کہی تھی۔ میں نے خود سنا تھا کاکا......! اور سر اکرام نے انکار بھی نہیں کیا تھا۔ ہیڈ ماسٹر بہت غصہ ہوئے تھے ان پر، اور انہوں نے یہ بات کاکا صاحب کو بھی بتائی تھی۔"

"میرے بابا جان کو......؟"

نورالحق کے لہجے میں حیرت اور بے یقینی تھی۔

"ہاں کاکا......!"

"پھر تو تمہارے ساتھ بڑی زیادتی ہوتی۔"

نورالحق نے نصیر کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھا۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہوگی۔"

اس نے اس کی کمر کی طرف اشارہ کیا۔

"تم نے اپنی امی سے ہلدی کیوں نہیں لگوائی......؟ اس سے درد بہت کم ہو جاتا ہے۔"

"اماں نے بھی مجھے مارا۔ کہتی تھیں، تو نے کاکا صاحب کے بیٹے کی پٹائی لگوائی۔ ...رے تیرے مرہم بھی نہ لگاؤں، جب تک وہ معاف نہیں کریں گے، میں تجھ سے بات بھی نہیں کروں گی۔"

نورالحق کو اس پر ترس آنے لگا۔

"چھٹی کے دن میں تمہارے گھر چلوں گا، اور تمہاری امی کو بتا دوں گا کہ تمہاری غلطی نہیں تھی۔"

"سچ چھوٹے کاکا صاحب......؟"

نصیر خوش ہوگیا۔

"تو اور کیا......؟ اب یہ بتاؤ، گولا گنڈا لو گے یا شربت پیئو گے......؟"

''کچھ بھی نہیں جی......!''

نصیر نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''کچھ تو لینا ہوگا۔ اب ہم دوست ہیں، کیوں اختر......؟''

نصیر نے اختر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اختر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کاکا نے حکم دیا تھا، میں کیسے انکار کرتا......؟ اب ہم دوست ہیں۔''

''پر تمہاری بات اور ہے، تم نے کاکا کے لئے گواہی دی تھی، جبکہ میں نے ان پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔''

''وہ تو تمہاری مجبوری تھی۔''

''تو جو آپ کا جی چاہے......!''

شربت تو نورالحق کو گھر میں بھی مل جاتا تھا، گولا گنڈا اس کے لئے بالکل نئی اور انوکھی چیز تھا۔ اس سے پہلے وہ ہاف ٹائم میں کھیلتا تھا۔ یوں باہر کبھی نہیں آیا تھا۔

''تو ٹھیک ہے......!''

اس نے کہا۔

''ہم گولا گنڈا کھائیں گے۔''

اور اسے گولا گنڈا بہت اچھا لگا۔ عجیب سا ذائقہ تھا اس کا، کھٹا میٹھا۔ اور ذرا دیر میں گھنٹی بج گئی۔ ہاف ٹائم ختم ہوگیا۔ وہ اپنی کلاس کی طرف چل دیئے۔

اس کے دل میں سر اکرام کے لئے ناپسندیدگی اور گہری ہوگئی۔ انہوں نے نصیر کو یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کیا، صرف اسے سزا دینے کے لئے۔

''لیکن کیوں......؟''

انہیں اس سے کیا دُشمنی......؟ اور دُشمنی کا کیا سوال......؟ وہ ٹیچر تھے اور وہ ایک چھوٹا بچہ۔ ان کا کوئی جوڑ نہیں تھا تو دُشمنی کیسے ہوسکتی تھی......؟ ان کے درمیان تو عزت اور احترام کا تعلق تھا۔

پڑھائی میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اس بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اس کی سمجھ میں بات آگئی۔ سر اکرام کی دُشمنی بابا جان سے ہوگی۔ وہ بابا جان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہوں گے تو انہوں نے اسے نشانہ بنالیا۔

لیکن بابا جان نے دادی کو بتایا تھا کہ انہوں نے سر اکرام کو اسکول سے نکلوانے



[illegible]ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

چھٹی کے بعد وہ نصیر کے گھر گیا۔ نصیر کی ماں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے [illegible] بہت پیار کیا۔ اس نے بڑی محبت سے گڑ کا شربت بنا کر اسے پلایا۔ وہ کچھ عجیب سا تھا۔ لیکن [illegible]حال اسے برا نہیں لگا۔ اس نے نصیر کی ماں کو بتایا کہ اس کی پٹائی میں نصیر کی غلطی نہیں تھی۔ بلکہ [illegible]کو سر اکرام نے مجبور کیا تھا، اسے اسکول سے نکلوانے کی دھمکی دی تھی۔

جواب میں نصیر کی ماں نے سر اکرام کو جس طرح کوسا اور بددُعائیں دیں، وہ نورالحق [illegible] لئے بالکل نئی بات تھی۔ ایسی باتیں، ایسے الفاظ اس نے پہلے کبھی نہیں سنے تھے۔ اسے اچھے بھی [illegible] لگے۔

سر اکرام اگلے روز بھی اسکول نہیں آئے تھے۔ نورالحق کو یقین ہوگیا کہ اصغر چاچو نے [illegible]وعدہ پورا کیا ہے اور سر اکرام کو اسکول سے نکلوا دیا ہے۔ اس خیال سے اس کے دل کو خوشی ملی۔

ہاف ٹائم میں وہ اختر اور نصیر کے ساتھ نکلا۔ اچھے دوستوں کی طرح انہوں نے ساتھ [illegible]کر کھایا پیا، لیکن ان دونوں کے انداز میں ابھی جھجک تھی۔ شاید وہ اچھے دوستوں کی طرح اس سے [illegible] تکلف کبھی نہیں ہوسکتے تھے۔

ریاضی کے خالی پیریڈ میں وہ باتیں کرتے رہے۔ اس دن کے بارے میں نورالحق کو [illegible] تجسس تھا۔ اسے تو ہیڈ ماسٹر نے اسپتال بھجوا دیا تھا، اور وہاں سے اصغر چاچو اپنے ساتھ اسے گھر [illegible] گئے تھے۔ اسے یہ معلوم تھا کہ ہیڈ ماسٹر نے بابا جان کو اسکول بلوایا تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا، وہ اس [illegible] بے خبر تھا، اور وہ دونوں اسے اس بارے میں بتا سکتے تھے۔

اور ان دونوں کو سب کچھ معلوم تھا، ساری باتیں ان کی موجودگی میں ہی ہوئی تھیں۔

''ہیڈ ماسٹر تو تھانے میں لے جانے والے تھے سر اکرام کو۔''

اختر نے بتایا۔

''اور مجھے بہت ڈر لگا۔''

نصیر بولا۔

''ابا نے ایک بار بتایا تھا کہ تھانے میں بہت مارتے ہیں۔ کبھی کبھی تو آدمی سچ مچ مر [illegible] جاتا ہے۔ پھر ہیڈ ماسٹر نے مجھے پولیس کو دینے کو کہا تو میں نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ سر [illegible]ام پولیس جتنا تو نہیں مار سکتے ناں......!''

اس کے لہجے میں معصومیت تھی۔

"اور سر اکرام نے اپنی جان بچانے کے لئے نصیر کو جھوٹا بنا دیا۔"

اختر نے کہا۔

"لیکن ہیڈ ماسٹر سمجھ گئے تھے، انہوں نے کہا کہ وہ کاکا صاحب سے ان کے خلاف پرچا کٹوانے کو کہیں گے۔"

نورالحق بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ لیکن وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

"پھر کیا ہوا......؟"

اس نے پوچھا۔

"پھر کاکا صاحب آ گئے اور انہوں نے تو تمہارے ہی خلاف بات کی کاکا......!"

اختر نے کہا۔ نورالحق منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے بے یقینی سے اختر کو دیکھا۔

"انہوں نے کہا کہ آپ لوگ جو چاہیں کریں، بدتمیزی کریں تو ماریں اسے۔ مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی......؟"

نصیر نے کہا۔

"پھر ہیڈ ماسٹر نے کاکا صاحب کو سب کچھ بتایا۔ سر اکرام کی پول کھولی اور ان کے خلاف رپورٹ درج کرانے کو کہا۔"

"پر کاکا صاحب نے انکار کر دیا۔"

نصیر بولا۔

"کہنے لگے، میرا بیٹا ان کے ہاتھوں مر بھی جاتا تو میں ان کے خلاف کچھ نہ کرتا۔"

اختر نے کہا۔ نورالحق کے دل پر گھونسہ سا لگا۔

"بابا جان مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ میں مر جاؤں تو بھی......"

"اور انہوں نے ہیڈ ماسٹر کو بھی کچھ بھی کرنے سے منع کر دیا۔"

اختر نے مزید کہا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر نصیر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ایک بات کہوں چھوٹے کاکا......!"

نورالحق نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا اور سر ہلا دیا۔

"مجھے تو لگا کہ کاکا صاحب تم سے بالکل پیار نہیں کرتے۔"

وہ جملہ نورالحق کے دُکھے دل میں خنجر کی طرح اُتر گیا۔ وہ تو خود یہی بات سوچ رہا تھا، اور اب تو باہر سے بھی تصدیق ہو گئی تھی۔ خوش قسمتی سے اسی وقت نئے پیریڈ کی گھنٹی بج گئی۔



اور اگلے روز نورالحق کو ایک اور دھچکا لگا۔ سر اکرام واپس آ گئے تھے اور سر اکرام کا
یا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

لیکن ایک تبدیلی آئی تھی۔ پہلے وہ ہر مثالی سوال حل کرانے کے لئے اسے بلاتے تھے
بورڈ پر سوال حل کرنے کے لئے کہتے تھے۔ مگر اب وہ اس کی طرف دیکھتے ہی نہیں تھے۔
جیسے ان کے لئے وہ کلاس میں موجود ہی نہ ہو۔

نصیر اور اختر بھی ان سے خوف زدہ تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ اب وہ ہر وقت کسی نہ کسی
ے ان کی مرمت لگائیں گے۔ لیکن وہ بھی محفوظ رہے۔ سر اکرام انہیں بھی پوری طرح نظر
ر رہے تھے۔

ان کی دوستی پکی ہو گئی تھی۔ ہاف ٹائم میں وہ ساتھ ہی رہتے، کھاتے پیتے اور کھیلتے۔
کی تھی۔ ایسے میں بے تکلفی ہوتی ہے۔ لیکن ان کے درمیان تکلف تھا۔ نصیر اور اختر اس کا
بھی نہیں بھولتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس کا نام نہیں لیا۔ وہ ان کے لئے چھوٹا کاکا ہی رہا۔

نورالحق کو اس کمی کا شدت سے احساس تھا۔ لیکن بالآخر اس نے اسے مجبوری سمجھ کر
لیا۔ اور سر اکرام ان تینوں سے بے تعلق ہو گئے تھے۔ یہ بہت اچھی بات تھی۔ وہ بھی ان
تعلق ہو گئے۔ مگر نورالحق کے دل میں بہت سی شکایتیں جمع ہو گئیں۔

❀❀❀

عبدالحق نے قرآن فہمی کی محفل کے سلسلے میں حمیدہ اور ارجمند سے بات کی۔ وہ دونوں
بہت خوش ہوئیں۔

"یہ تو بڑے اعزاز کی بات ہے آغا جی......!"

ارجمند نے کہا۔

"انشاء اللہ فرشتے اُترا کریں گے ہمارے گھر میں۔"

حمیدہ بولی۔

"مگر میں فکر مند ہوں اماں......!"

عبدالحق نے کہا۔

"کیوں......؟ بیٹھک تو تیری ماشاء اللہ اتنی بڑی ہے کہ سو آدمی بھی سما جائیں اس

''جگہ کا مسئلہ تھوڑا ہی ہے اماں......! میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ان کے لئے کچھ اہتمام بھی ہونا چاہئے۔ کیا ہو......؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔''

حمیدہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولی۔

''تو کھانے کا اہتمام کر لیا کرے گی نگی، تو فکر کیوں کرتا ہے......؟''

عبدالحق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ارجمند بول پڑی۔

''مغرب کے بعد سب ہی کھانا کھا لیتے ہیں اماں......!''

''یہی میں بھی کہنا چاہ رہا تھا۔''

عبدالحق نے کہا۔

''تو پھر اور کیا ہو سکتا ہے......؟''

حمیدہ کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''یہی تو سوچ رہا ہوں۔''

''تو وہ کھانا گھر لے جا سکتے ہیں اپنے۔''

حمیدہ نے کہا۔

''گھر کے سب لوگ صبح ناشتہ کر لیں گے اس سے۔''

''مناسب نہیں لگتا اماں......!''

ارجمند خاصی دیر سے چپ تھی اور کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ اس نے سر اُٹھایا اور آہستہ سے بولی۔

''اس ناشتے کی بات پر ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے۔''

عبدالحق نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''کسی شیرینی کا اہتمام کریں۔ کسی حلوائی سے بات کریں۔''

عبدالحق کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے......؟

''ذرا وضاحت تو کرو، میں کچھ سمجھا نہیں۔''

''جیسے نان ختائیاں ہو، ایک ایک لفافہ سب کو دے دیا جائے، اور اس میں اتنا ہو کہ ناشتے میں ان کے گھر کے لئے کافی ہو۔''

''ہاں......! یہ خیال اچھا ہے۔''

''مگر روز ایک ہی چیز......؟''



حمیدہ نے اعتراض کیا۔

''دل بھر جائے گا تو چیز ضائع ہونے لگے گی۔''

''باری باری مختلف چیزیں دی جائیں۔ کبھی سوجی بھرے میٹھے سموسے، کبھی بسکٹ، کبھی

ناہی۔''

ارجمند نے کہا۔

''ہاں......! یہ ٹھیک ہے۔''

حمیدہ نے تائید کی۔

''جزاک اللہ......! آپ لوگوں نے یہ بڑا مسئلہ حل کر دیا۔''

عبدالحق نے خوش ہو کر کہا۔

''اور یہاں ان کی تواضع کے لئے شربت، اور ساتھ میں کچھ اور چیزیں۔''

ارجمند نے تجویز پیش کی۔

''اس کی کیا ضرورت ہے......؟''

حمیدہ نے اعتراض کیا۔ عبدالحق نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔

''ارجمند ٹھیک کہہ رہی ہے اماں......! دیکھو، یہ سب لوگ محنت کرنے والے لوگ دن بھر کے تھکے ہارے، اور صبح بہت سویرے اُٹھنے والے۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جو ...ب کے بعد کھانا کھا کر عشاء سے پہلے ہی سو جاتے ہیں۔ اللہ مولوی صاحب کو اجرِ عظیم فرمائے۔ ...نے انہیں راستہ دکھایا اور یہ عشاء پڑھنے لگے۔ پھر مولوی صاحب نے قرآن کی دعوت دی تو ...ور آگے بڑھ آئے۔ یہ اللہ کا کرم ہے ان پر۔ مگر یہ سب تھکن سے چور ہوتے ہیں۔ اور ......! یہ اپنی بہت میٹھی نیند کی قربانی دیتے ہیں اس نیکی کے لئے۔''

''اور اس کا اجر بھی انشاء اللہ بہت بڑا ہوگا ان کے لئے۔''

ارجمند نے کہا۔

''بات تو ٹھیک ہے، پر شربت سے کیا فائدہ ہوگا انہیں......؟''

حمیدہ نے اعتراض کیا۔

''میں عام شربت کی بات نہیں کر رہی تھی دادی اماں......!''

ارجمند نے وضاحت کی۔

''بادام کا شربت شہد کے ساتھ، انشاء اللہ ان کے دماغوں کو قرآن کے لئے تر و تازہ

کر دے گا اور تھکن بھی کچھ کم ہو جائے گی۔"

عبدالحق نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"واقعی نکی......! تو بڑی عقل مند ہے۔"

حمیدہ نے ارجمند کو دادی دی۔

"یہ سب اللہ کا فضل ہے دادی اماں......!"

ارجمند نے کہا۔

"بس تو یہ بات طے ہوگئی۔"

"ایک بات اور ہے آغا جی......! آپ کی یہ محفل ہر روز عشاء کے بعد ہوگی......؟"

"اللہ نے نماز سے ایک دن کی بھی رُخصت نہیں دی ہے اپنے بندوں کو۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا آغا جی......!"

ارجمند نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اتوار چھٹی کا دن ہوتا ہے۔ اس روز اپنی اس محفل کا وقت تبدیل کر لیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اتوار کو ظہر کے بعد کا وقت رکھیں۔"

"اس سے کیا ہوگا......؟"

"سب کو بتا دیں، ظہر کی نماز کے بعد یہاں آئیں۔ پہلے کھانا کھائیں اور پھر قرآن پڑھیں اور سمجھیں۔ اس میں اللہ کی خوشی ہوگی۔ میں اس روز کھانے کا خاص اہتمام کیا کروں گی، روز ممکن نہیں ہے۔"

"واہ......! بہت خوب......! جزاک اللہ......!"

عبدالحق نے بے ساختہ دادی دی۔ حمیدہ بھی خوش ہوگئی۔

"سچ نکی......! یہ تو نے بہت اچھا سوچا۔ میرے دل کو تسلی نہیں ہو رہی تھی، اب ہوگئی۔"

"بس تو یہ طے ہوگیا۔"

عبدالحق نے کہا۔ وہ بہت مطمئن اور خوش تھا۔

❀❀❀



نورالحق ایک بار پھر اصغر کے پاس پہنچ گیا۔

اصغر نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

"کیسے ہو شہزادے......؟ اب تکلیف تو نہیں ہے ہاتھوں میں۔"

نورالحق بہت چھوٹا تھا۔ اپنی کیفیت نہیں بتا سکتا تھا، ورنہ کہتا کہ ہاتھوں کی تکلیف سے آرام آگیا چاچو......! لیکن دل کی تکلیف بڑھتی جا رہی ہے۔ اس نے اتنا ہی کہا۔

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں چاچو......!"

"تو اتنے اُداس کیوں لگ رہے ہو......؟"

"آپ نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا، وہ آپ بھول گئے۔"

"کون سا وعدہ......؟"

اصغر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"آپ نے کہا تھا، سر اکرام کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔"

"اوہ......! وہ بھولا نہیں، لیکن تمہارے بابا جان سے ہار گیا۔"

اصغر کے لہجے میں معذرت تھی۔

"بابا جان......؟"

نورالحق نے افسردگی سے سوچا۔

"میں تو تمہارے ہیڈ ماسٹر صاحب سے بھی جا کر ملا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ تو خود اکرام صاحب کے خلاف سختی سے سخت کارروائی کرنا چاہتے تھے، لیکن تمہارے بابا جان نے بہت سختی کے ساتھ انہیں روک دیا۔"

"یہ تو مجھے معلوم ہے۔"

"اب تمہارے بابا جان سے کون لڑ سکتا ہے یہاں......؟"

نورالحق کے کندھے جھک گئے، جیسے اس نے ہار مان لی ہو۔

"لیکن میاں نورالحق......! میں وعدہ کرتا ہوں تو ہر حال میں پورا کرتا ہوں۔"

نورالحق نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

اصغر نے زور دے کر کہا۔

"میں نے ایسا کام کیا ہے کہ کسی کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اکرام
صاحب خود ایک ایک کی خوشامد کرتے پھریں گے کہ ان کا تبادلہ کر دیا جائے۔"
نورالحق کی آنکھیں چمکنے لگیں۔
"کیسے چاچو......؟"
"تم بچے ہو، یہ تمہیں بتانے کی بات نہیں۔"
اصغر ہنسنے لگا۔
"تم آم کھاؤ، پیڑ گننے کی کیا ضرورت ہے......؟"
"ٹھیک ہے چاچو......!"
نورالحق نے بے دلی سے کہا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ بابا جان کچھ ہونے دیں گے۔
"نہ جانے چاچو کو کیوں اتنا یقین ہے......؟"
واپس آتے ہوئے وہ اسی بارے میں سوچتا رہا۔ یہ بات تو طے تھی کہ بابا جان کو اس
سے ذرا بھی محبت نہیں۔ سر اکرام اس روز اگر اسے جان سے بھی مار دیتے تو ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔
"بابا جان انہیں معاف کر دیتے......؟"
"نہیں......! معاف کرنے میں سر اکرام کی توہین ہوتی۔"
"تو بابا جان ان سے کہتے، کوئی بات نہیں......! آپ کے ہاتھ سے مرنا بھی میرے
بیٹے کے لئے باعث عزت ہے......؟ بیٹا تو اللہ اور بھی دے دے گا۔"
"تو اب میں کیا کروں......؟"
"ادلے کا بدلہ......!"
اتنے سے ذہن نے جواب دیا۔
"بابا جان مجھ سے محبت نہیں کرتے تو میں بھی...... ہاں......! میں کیوں کروں ان سے
محبت......؟"
لیکن اس خیال سے ہی اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ تصور میں عبدالحق اس کے سامنے
آ کھڑا ہوا، اور اس کا جی چاہا کہ وہ اس سے لپٹ جائے۔
"نہیں......! یہ تو ممکن نہیں۔ میں تو سب سے زیادہ بابا جان سے ہی محبت کرتا
ہوں۔"
ننھے نورالحق کے لئے وہ اس کی عمر سے بہت بڑی آزمائش تھی۔ اسے تو رحم مادر سے



ہی اس محبت کی تلقین کی گئی تھی۔ مگر بابا جان نے اس کا دل توڑ دیا تھا، اور ٹوٹا ہوا دل کہہ رہا تھا کہ
"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔"
کیوں نہ وہ بابا جان کی شکایت دادی سے کرے......؟ دادی کی تو کوئی بات بابا جان
ٹالتے ہی نہیں۔ وہ انہیں سمجھائیں گی، ڈانٹیں گی تو انہیں احساس ہوگا اور وہ اس سے محبت کرنے
لگیں گے۔
لیکن وہ جانتا تھا کہ کچھ نہیں ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ دادی اس سے بہت محبت کرتی ہیں۔
وہ اس کے ہاتھ دیکھ کر تڑپ گئی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ سر اکرام کو ماریں گی بھی، ان کی بے
عزتی بھی کریں گی اور اسکول سے نکلوائیں گی بھی۔ مگر آخر میں کیا ہوا......؟ انہوں نے اُلٹا بابا جان
کے ہاتھ چوم لئے اور بات ختم......!
"اور امی......؟"
امی سے بھی اسے کچھ اچھی اُمید نہیں تھی۔ امی تو ہر وقت یہی کہتی تھیں کہ اللہ کے بعد
سب سے زیادہ محبت بابا جان سے کیا کرو۔ اور یہ اللہ کے بعد والی بات بھی اس کے لئے عجیب اور
مشکل تھی۔ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنا، اور اس کا یہ حال تھا کہ اسے تو اللہ سے سرے سے
محبت تھی ہی نہیں۔
اس پر بھی اس کی اور امی کی بات ہوئی تھی۔ مگر وہ یاد کرنے کا اسے موقع نہیں ملا،
کیونکہ وہ گھر پہنچ گیا تھا۔
وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔
"کیا بات ہے نورالحق......؟ تم ایسے کیوں ہو رہے ہو......؟"
امی نے پوچھا۔
"کچھ نہیں امی......! بس یوں ہی......!"
اس نے بے دلی سے کہا۔
"کچھ تو ہے......؟"
امی نے پیار سے کہا۔ پھر اسے خوب پیار کیا اور لپٹا لیا۔
"امی کو نہیں بتاؤ گے تو ٹھیک کیسے ہو گے......؟"
اس کا دل بھر آیا، آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ امی نے اس کے آنسو دیکھے تو تڑپ گئی۔
"کیا بات ہے نورالحق......؟ کیا ہوا......؟"

ان کے لہجے میں پریشانی تھی۔ ان کے بار بار پوچھنے پر اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"بابا جان مجھ سے محبت نہیں کرتے امی......!"

"یہ کس نے کہا تم سے......؟"

امی کا لہجہ بدل گیا۔

"کسی نے نہیں......! بس مجھے معلوم ہے یہ بات۔"

"پاگل ہو تم تو......! اس دُنیا میں بابا جان سب سے زیادہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ تم سے زیادہ قیمتی دُنیا کی کوئی چیز نہیں ہے ان کے لئے۔ لیکن ابھی تم یہ بات سمجھ نہیں سکتے، بہت چھوٹے ہو ناں......!"

"آپ مجھے بہلا رہی ہیں، مگر میں جانتا ہوں۔"

امی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم نہیں سمجھتے، محبت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ تم سر اکرام والی بات پر ایسا سوچ رہے ہو ناں......؟ میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے ہاتھوں کو دیکھ کر تمہارے بابا سے زیادہ دُکھ کسی کو بھی نہیں ہوا۔ دادی اماں کو بھی نہیں۔ یہ ان کی محبت ہے کہ انہوں نے اس دُکھ کو چھپا لیا تمہاری بھلائی کے لئے۔ تمہیں ایک بہت اچھی بات سکھانے کے لئے۔ یہی تو اصل محبت ہوتی ہے۔ ایسی محبت تو میں بھی نہیں کر سکتی تم سے۔"

نورالحق نے دل میں کہا۔

"مجھے چاہئے بھی نہیں ایسی محبت۔"

اسے یاد تھا، اس کے ہاتھ دیکھ کر بابا جان کو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ انہیں اس کے ہاتھوں کی حالت دیکھ کر کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔

اس نے سمجھ لیا کہ اس پر کسی سے بھی بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب تو اسے یہ بھی یاد آ رہا تھا کہ کب سے بابا جان نے اس کے ساتھ وقت گزارنا چھوڑ رکھا ہے۔ بلکہ انہیں تو اس سے بات کرنے، اس کی طرف دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔

"کیا ایسی ہوتی ہے محبت......؟"

❀❀❀





اصغر نے غلط نہیں کہا تھا، وہ سر اکرام کے لئے پکا بندوست کر چکا ت

وہ سوچتا رہا تھا اور اسے کوئی حل سجھائی نہیں دیا تھا۔ جب عبدالحق بھائی کے حق میں ہوں تو حق نگر میں کون اس کے خلاف ہو سکتا ہے......؟

مگر پھر ایک دن اسے ایک خیال سوجھ گیا۔

"چاچا شفاعت......!"

اس میں کوئی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی کہ حق نگر میں جو شخص عبدالحق سے سب سے زیادہ محبت کرتا تھا، وہ چاچا شفاعت ہی تھے۔ بلاشبہ وہ اس کے لئے جان بھی دے سکتے تھے۔

اس نے منصوبہ بنا لیا۔

چاچا شفاعت بہت بوڑھے تھے۔ ان کی بڑی عزت تھی اور ان کی بات بھی مانی جاتی تھی۔ زمینوں کا کام تو ان کے بیٹوں نے سنبھالا ہوا تھا، اس لئے انہیں فرصت ہی فرصت تھی۔ اچھے آدمی تھے، اس لئے لوگوں کے کام آنے کو انہوں نے اپنا شغل بنا لیا۔ حق نگر میں سب لوگوں سے ان کا ملنا جلنا رہتا تھا۔ ان کی کہی ہوئی بات میں تاثیر بھی ہوتی اور وہ پھیلتی بھی بہت تیزی سے۔

اس روز چاچا شفاعت اس کے پاس دوا لینے آئے تو اس نے بات چھیڑ دی۔

"اب حق نگر وہ حق نگر نہیں رہا چاچا......!"

اس نے کہا۔

"ایسی کیا بات ہے اصغر پتر......؟"

"حق نگر میں کاکا صاحب کے بیٹے پر ظلم ہو تو وہ کیا حق نگر رہا چاچا......؟"

چاچا شفاعت سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"کیا مطلب پتر......؟ کیا ہوا چھوٹے کاکا کو......؟ مجھے تو پتا ہی نہیں۔"

"آپ کو کیا، کسی کو بھی پتا نہیں۔ میں ڈاکٹر نہ ہوتا تو مجھے بھی پتا نہ چلتا۔"

"کچھ بتاؤ تو......!"

چاچا شفاعت جھنجلا گئے۔

"میرے پاس نورالحق کو اس حال میں لایا گیا تھا کہ اس کی دونوں ہتھیلیوں کا بھرتہ بنا گیا تھا۔"

چاچا پر تو لرزہ چڑھ گیا یہ سن کر۔

"کس نے کیا یہ حال چھوٹے کاکا کا......؟"

''وہ اسکول میں ایک ماسٹر ہے، اکرام، اس نے بری طرح مارا تھا۔ اور نورالحق کی غلطی بھی نہیں تھی۔ بس کا کا صاحب کے حسد کی وجہ سے اس نے مرمت لگا دی۔''

چاچا شفاعت تڑپ گئے۔

''اور اسے اسکول سے نکالا بھی نہیں گیا......؟ میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں۔''

''وہ تو نکالا جانے والا تھا، پر کا کا صاحب نے روک دیا۔ کہا، اُستاد کی عزت ضروری ہے، اسے کچھ نہ کہنا۔ اب آپ تو جانتے ہی ہیں کہ کا کا صاحب کا دل کتنا بڑا ہے۔ پر بچے کے ساتھ تو بڑا ظلم ہوا اور اسے انصاف بھی نہیں ملا۔''

چاچا دوا بھول بھال کر اُٹھے کھڑے ہوئے۔

''کہاں چلے چاچا......؟''

''اس ماشٹر (ماسٹر) کی ٹانگیں تو دوں گا جا کر۔''

''کا کا صاحب ناراض ہو جائیں گے۔''

''انہیں منا لوں گا میں، پر ان کو پتا چلنے سے پہلے اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔''

''نہیں چاچا......! کا کا صاحب کو ناراض کرنا اچھا نہیں، اور ویسے بھی یہ صرف میرا یا آپ کا مسئلہ نہیں، یہ تو پورے حق نگر کی عزت کی بات ہے۔''

''ہاں......! ہے تو، پر اب کریں کیا......؟''

''میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔ ماسٹر کو سزا بھی مل جائے گی اور کا کا صاحب کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

''بول پتر......!''

''اس کا حقہ پانی بند کرا دیں حق نگر میں۔ خود ہی گھبرا کر چلا جائے گا یہاں سے۔''

''مگر یہ کوئی سزا تو نہ ہوئی۔ کوئی بدلہ تو نہیں ہوا چھوٹے کا کا کی تکلیف کا......؟''

''یہ اس کے لئے سزا ہی ہوگی چاچا......! وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔''

''تو ٹھیک ہے......!''

چاچا ایسے جذباتی ہو رہے تھے کہ دوا بھی بھول گئے۔

''دوا تو لے لیں چاچا......!''

اور چاچا نے بہت تیزی سے کام کیا۔ اکرام صاحب کو پتا ہی نہیں چلا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اور جب ان پر مصیبت ٹوٹی تو ان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا



ہے......؟ کوئی دُکاندار انہیں کوئی چیز دینے پر آمادہ نہیں تھا، اور تو اور لوگوں نے ان سے بات کرنا بھی چھوڑ دیا۔ پوچھتے تو کوئی کچھ بتاتا بھی نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے کسی نے اتنا کہا کہ کا کا صاحب کے بیٹے کو اس طرح مارو گے تو حق نگر میں کیسے رہو گے......؟

اور اب اصغر کو معلوم ہو گیا تھا کہ اکرام صاحب نے تبادلے کی درخواست دے دی ہے اور تبادلے کے لئے زور بھی لگا رہے ہیں۔

اور اصغر ان کی یہ مشکل آسان کرنے کے لئے پوری طرح آمادۂ تعاون تھا۔

❁❁❁

عبدالحق کے گھر میں قرآن فہمی کی محفل پہلی بار منعقد ہو رہی تھی، اور پہلے ہی موقع پر شرکاء کی تعداد بڑھ گئی تھی۔

ویسے بھی یہ تعداد ہمیشہ بدلتی رہتی تھی۔ لوگ کبھی کم ہو جاتے اور کبھی بڑھ جاتے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے، ہر روز آتے تھے اور وہاں انہیں دیکھ کر لگتا کہ ان کے پاس سماعت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔

عبدالحق کے گھر کی پہلی محفل میں شرکاء کی نصف کے لگ بھگ تعداد ایسی تھی، جو پہلی بار اس محفل میں شریک ہو رہی تھی۔ مولوی صاحب نے بھی اسے خاص موقع ہی بنا دیا۔

''برسوں سے ہم یہ سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔''

مولوی صاحب نے آغازِ کلام کیا۔

''خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس میں باقاعدگی سے شریک ہوتے رہے، اور ہم ان کے لئے بھی دُعا کرتے ہیں، جو وقتاً فوقتاً شرکت کرتے رہے۔ میں بہت سی باتیں دُہراؤں گا۔ ہم بار بار باتوں کو دُہراتے ہیں کہ یہی قرآنِ حکیم کا اُصول ہے۔ دُہرانے سے باتیں دل میں اُتر جاتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہانِ فانی سے رُخصت ہوئے تو اپنی اُمت کو بڑے تحفے دے کر گئے۔ ان میں یہ قرآن پاک ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے کہ وہ قرآن کی عملی صورت ہے، اور احادیث ہیں، جنہیں اسلام کے خادموں نے بڑی محنت، مشقت اور عرق ریزی سے منتخب کیا اور ان کی درجہ بندی کی۔

قرآن کی عظمت یہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، ذرا سوچو۔ اللہ کے الفاظ، کتنی بڑی

سعادت ہے کہ ہم اللہ کے الفاظ پڑھ رہے ہیں۔ وہ ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل عظیم ہے اور ہمارے لئے کائنات کا سب سے بڑا اعزاز۔ یہ بیش بہا دولت ہے۔ یہ ہمارے پاس موجود ہے اور ہم اسے نہ پڑھیں تو یہ ہماری بدبختی ہے۔ ارے......! ذرا سوچو تو، اللہ ہم سے کلام کر رہا ہے، ہم سے باتیں کر رہا ہے، اس سے بڑھ کر کوئی عزت ہو سکتی ہے......؟''

سب لوگ دم سادھے بیٹھے تھے۔ مولوی صاحب کی باتوں میں روانی تھی اور لہجے میں جاہ و جلال۔

''اور دیکھو، اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور اعلان کر دیا کہ اب اس کے بعد کوئی نبی، کوئی پیغمبر زمین پر نہیں آئے گا۔ نبوت کا سلسلہ مکمل ہو گیا اور بتا دیا کہ یہ قرآن آخری کتاب ہے۔ اب قیامت تک یہی نافذ رہے گی، کوئی اور کتاب نہیں آئے گی۔ یعنی دین مکمل ہو گیا۔ شریعت مکمل ہو گئی۔ اب کوئی قانون تبدیل نہیں ہوگا۔ تو اب سوچو، قیامت تک کے لئے ہم اکیلے ہیں۔ ہدایت کے لئے ہمارے پاس یہ کتاب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارک ہے اور ہمارا رب ہے، اور یہ ہمارے لئے کافی ہے، بہت کافی ہے۔

لیکن ہم قرآن کی خیر و برکت کے لئے گھر میں رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور برسوں کھول کر نہیں دیکھتے۔ تو کیا ہمیں خیر و برکت مل گی......؟ خیر و برکت تو اس کے پڑھنے، اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے اور اس کو ان لوگوں تک پہنچانے میں ہے جو اس سے بے خبر ہیں۔ اسے نہ پڑھنا تو غفلت ہے، اور غفلت مسلسل ہو تو جہالت ہے اور اللہ سے دُوری بھی۔ ایسے میں اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھلا ہم سے راضی ہوں گے......؟ ہرگز نہیں......!

میرے بھائیو......! میرے بیٹو......! یہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے تو اس اُمت پر اللہ نے ایک بھاری ذمہ داری بھی ڈال دی ہے۔ اور یاد رکھو، اللہ سب سے اچھا آجر ہے۔ وہ بغیر اُجرت کے کوئی کام نہیں لیتا اور اعلیٰ ترین اجر عطا فرماتا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ اس آخری کتاب کو، اس کے احکام اور پیغامات کو، اس کی خوش خبریوں اور تنبیہات کو اس اُمت کے باہر تک پہنچائیں۔ یہ فرض ہے ہم پر، اور یاد رکھو کہ اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے قیامت تک۔ اور گزری ہوئی تقریباً پندرہ صدیاں گواہ ہیں کہ مشرکین اور کفار اپنے بے پناہ وسائل استعمال کر کے سر توڑ کوشش کے باوجود اس میں ایک زبر زیر کی تحریف بھی نہیں کر سکے۔ اور یہ بھی بتا دوں کہ سب کچھ اللہ کرتا ہے۔ بندے سے تو وہ از راہِ عنایت و کریمی کام لے لیتا ہے۔ تو الحمدللہ......! دُنیا کی ہر بڑی زبان میں قرآن کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ قرآن کا پیغام پوری دُنیا میں پہنچایا جا چکا ہے۔ اب



ہدایت دینے والا اللہ ہے، جسے اس نے منتخب فرمایا، اس ہدایت مل گئی۔

''لیکن بدقسمتی سے اہل قرآن کی بستیاں اس روشنی سے محروم ہیں اور تاریکی میں گم ہیں۔ ہم بدنصیب غیر مسلموں تک قرآن کیا پہنچائیں گے......؟ ہم تو خود بھی نہیں پڑھتے۔ پڑھتے ہیں تو ایسے کہ قرآن زبان سے آگے نہیں بڑھتا، اندر نہیں اُترتا۔ ہمیں تو پہلے اپنے مسلمان بھائیوں تک قرآن پہنچانا ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اور نماز میں قرآن پڑھتے ہیں اور بدنصیبی دیکھو کہ ہمیں نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم نماز میں پڑھ رہے ہیں، اس کا مطلب اور مفہوم کیا ہے......؟ اللہ قبول کرنے والا ہے، مگر ہمیں اپنی نماز کو بہتر اور خوب صورت بنانے کی کوشش تو کرنی چاہئے۔

برسوں پہلے جب ہم نے یہ سلسلہ شروع کیا تو سب سے پہلے ہم نے آخری پارے کی ان چھوٹی سورتوں کا ترجمہ پڑھا اور یاد کیا، جو عام طور پر نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ اللہ نے ہمارا ہاتھ تھاما اور ہمیں بہتری عطا فرمائی۔ ہم میں بہت سے اب نماز پڑھتے ہوئے یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ جو پڑھ رہے ہیں، اس کا مطلب کیا ہے......؟ یہ ترقی ہے، آگے بڑھنا ہے اور یاد رکھو......! جب آدمی اللہ کی راہ میں قدم بڑھاتا ہے تو اللہ اسے آگے، بہت آگے لے جاتا ہے۔ بندے کا کام تو بس کسی بھلائی، کسی بہتری، کسی خیر کا آغاز کرنا ہوتا ہے۔

اب ہماری جگہ بدل گئی ہے۔ ہم یہاں پتر عبدالحق کے گھر میں یہ نیک کام کریں گے۔ اس موقع پر پتر عبدالحق نے ایک تبدیلی کی بات کی ہے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔''

''کاکا صاحب کا حکم سر آنکھوں پر......!''

کئی لوگ بیک آواز بولے۔

''تو پتر عبدالحق کا کہنا ہے کہ اتوار کا دن چھٹی کا ہوتا ہے، اس روز ظہر کے بعد کا وقت رکھا جائے۔ پہلے کھانا ہوگا اور پھر اپنی یہ محفل، اور ایک تبدیلی میرے اپنے ذہن میں بھی آئی ہے، اور وہ پڑھنے کے انداز کی ہے۔ اب ہم تسلسل کے ساتھ پڑھنے کی بجائے موضوعات پر بات کریں۔ سب کو ایک موضوع دے دیا جائے اور اس پر جس کے ذہن میں جو آیت آئے، ہم اسے پڑھیں، اس پر غور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔''

بیشتر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ لیکن سب نے بڑی مستعدی سے تائید کی۔

''جو آپ کا حکم مولوی صاحب......!''

مگر عبدالحق کو یہ تجویز بہت اچھی لگی۔ اسے اپنے ذہن کے دریچے کھلتے ہوئے محسوس

ہوئے۔ وہ کچھ اس نہج پر کام کرنے کے سلسلے میں پہلے ہی سے غور کر رہا تھا۔

''اور ہمیشہ کی طرح میں ایک بات پھر سے واضح کر دوں۔''

مولوی صاحب نے کہا۔

''مجھ سمیت ہم میں سے کوئی بھی نہ تو عالم دین ہے نہ ہی عالم قرآن۔ ہم تو بس اللہ سے رجوع کرنے کے لئے، اللہ کی خوش نودی اور رضا کے لئے اور اللہ کی طرف سے ہدایت اور راہنمائی کے لئے اجتماعی طور پر قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

چند لمحے خاموشی رہی۔ مولوی صاحب نے پانی پیا، پھر کھنکھار کر گلا صاف کیا اور بولے۔

''اب ہم اللہ کا نام لے کر اس کام کا آغاز کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں اللہ کی بارگاہ میں دُعا کرنی ہے۔''

مولوی صاحب کی تقلید میں سب لوگوں نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔

مولوی صاحب نے پہلے تو آیت نور پڑھی اور پھر دُعا شروع کی۔

''اے اللہ......! ہمیں اپنے نورِ ہدایت سے نوازیئے۔ اے اللہ......! ہمارے سینوں کو قرآنِ پاک، اس کے مفہوم اور اس کے علوم کے لئے کھول دیجئے۔ اے اللہ......! ہم نفس کے مارے کمزور ہیں اور شیطان کا آسان شکار، ہمیں شیطان کے شر سے بچائے رکھئے اور خاص طور پر قرآن کو پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے معاملے میں شیطان کی مداخلت اور اس کے حملوں سے تحفظ عطا فرمایئے۔ اے اللہ......! جو لوگ قرآن سے گمراہ ہو جاتے ہیں، ہمیں ان لوگوں میں شامل ہونے سے بچائے رکھئے۔ اے اللہ......! آپ نے قرآن میں فرمایا

''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ''

تو اے ہمارے ربّ......! ہم حاضر ہیں، ہم آپ کے اس کلامِ عظیم سے نصیحت اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اے اللہ......! ہم آپ کے حکیمانہ کلام کو، جس کی ایک ایک آیت میں ہزارہا نکتے، حکمتیں اور پیغامات پنہاں ہیں، سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ لیکن آپ قادرِ مطلق ہیں، وہاب ہیں، جسے جو چاہیں عطا فرما دیں، خواہ وہ اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ آپ چاہیں تو اسے اہلیت کے بغیر ہی وہ کچھ عطا فرما دیں اور چاہیں تو اسے اہلیت سے بھی نواز دیں۔ تو اے اللہ......! ہمیں بھی قرآنِ پاک کی فہم سے نواز دیجئے۔ اے اللہ......! ہمیں دانستہ اور نادانستہ اپنے کلام کی کسی آیت مبارکہ کی غلط تشریح و توضیح سے بچائے رکھئے۔ اے اللہ......! ہماری راہنمائی





یئے، صراطِ مستقیم کی طرف، اور ہمیں آسانیاں عطا فرمایئے، اپنی اطاعت کے لئے اور نیک وں کے لئے، اور ہمیں نرمی، شفقت اور آسانی کے ساتھ بدی سے روکتے رہئے، آمین......!''

سب لوگوں نے خشوع و خضوع کے ساتھ بلند آواز میں آمین کہا۔

''اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں مولوی صاحب......!''

عبدالحق نے کہا۔

''بولو پتر......! یہاں بولنے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔''

''مجھے یہ آپ کی موضوع والی بات بہت اچھی لگی ہے۔ لیکن مولوی صاحب......! اس لئے وقت چاہئے۔''

''میں سمجھا نہیں......!''

''یہ ممکن نہیں کہ آج آپ ایک موضوع دیں اور کل اس پر ہم بات کر سکیں۔''

''بات تمہاری ٹھیک ہے۔''

مولوی صاحب نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

''تو اس سلسلے میں کوئی تجویز ہے تمہارے پاس......؟''

''جی......! میرے خیال میں روز کا معمول جاری رہنا چاہئے، اور موضوعات پر گفتگو لئے اتوار کا دن مخصوص کر لیا جائے۔''

''یہ ٹھیک ہے......! اس دن وقت بھی زیادہ ہوگا ہمارے پاس۔''

مولوی صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''اور اس کے لئے ایک نشست بھی ناکافی ہوگی۔''

عبدالحق نے کہا۔

''تو کوئی بات نہیں......! وہ الگ سلسلہ چلتا رہے گا۔''

''جی ٹھیک ہے......! تو پہلے موضوع دے دیں۔''

''تو ہمارا پہلا موضوع ہے:

''اللہ کے نزدیک نیکی کیا ہے......؟''

اور اس کے لئے حوالہ ہے چوتھے پارے کی پہلی آیت مبارکہ

''لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ''

''ہرگز نہیں پہنچ سکتے تم نیکی کو جب تک کہ نہ خرچ کرو

اس میں سے جو تم محبوب رکھتے ہو۔"

مولوی صاحب نے موضوع دیتے ہوئے آیت، اور اس کا ترجمہ بھی پڑھ کر سنایا۔

"اور یہ خرچ کرنا اللہ کی راہ میں ہے۔ اللہ کو خوش کرنے کے لئے......؟"

عبدالحق نے سوال اُٹھایا۔ درحقیقت وہ سوال نہیں تھا، لوگوں کو سمجھانے کے لئے وضاحت کرنا مقصود تھا۔ مولوی صاحب سمجھ گئے۔

"بالکل......! صرف اور صرف اللہ کے لئے۔"

انہوں نے زور دے کر کہا۔

شرکاء میں کچھ لوگ پڑھے لکھے بھی تھے۔ ان میں عبید صاحب بھی تھے جو سرکاری ملازم تھے، وہ بولے۔

"جی ہاں......! اللہ مجھے معاف کرے، افسر کو خوش کرنے کے لئے تو میں اتنی اعلیٰ چیز دینے کی کوشش کرتا ہوں، جو اپنے سب سے محبوب بیٹے کو بھی نہیں دے سکتا، اور اللہ کے نام پر سوال کرنے والے کو وہ باسی روٹی دے کر ٹرخانے کی کوشش کرتا ہوں جو میں نہ خود کھاؤں اور نہ اپنے گھر میں کسی کو کھانے دوں۔ اب میں سمجھ گیا کہ یہ دُنیا اللہ کے ہاں نیکی نہیں۔ جزاک اللہ مولوی صاحب......! کاکا صاحب......! آج میری سمجھ میں ایک بہت بڑی بات آ گئی۔"

اور وہاں موجود لوگوں کے چہروں کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بات بہت مؤثر انداز میں تقریباً سب کے دلوں میں اُتر گئی ہے۔

"یہ سب اللہ کا فضل ہے عبید میاں......!"

مولوی صاحب نے کہا۔

"ہم سب مل بیٹھ کر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ مدد فرماتے ہیں۔ یہی تو فہم قرآن کی خوب صورتی ہے کہ آدمی نیک عمل کرنا سیکھے اور اس کی خرابیوں کو دُور کر کے اسے خالص کر لے۔"

"مولوی صاحب......! آج کچھ پڑھنے کی بجائے اہم ترین باتیں نہ کریں......؟"

عبید صاحب نے کہا۔

"مثلاً......؟"

مولوی صاحب نے غور سے انہیں دیکھا۔

"مثلاً یہ کہ قرآن کیسے پڑھا جائے......؟"



"باوضو تو ہونا ہی ہے۔ دل میں یہ خیال ہو کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اور دل میں خوف ہو، دُنیا کی ہر چیز بھول جائیں۔ دھیان صرف قرآن کی طرف ہو، اور آدمی اللہ سے التجا کرے کہ مجھے اس کی سمجھ عطا فرما دیجئے۔"

"میں کیفیت کی بات کر رہا تھا حضرت......!"

عبید صاحب بولے۔

"کیفیت تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے میاں......!"

"لیکن یہ بھی تو کہا جاتا ہے کہ رونے کے مقام پر رونا نہ آئے تو رونے جیسی صورت بنا لو۔"

عبید صاحب نے کہا۔ عبدالحق نے چونک کر انہیں دیکھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ ان کے اندر گہرائی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس مجلس سے انہیں کچھ حاصل ہو رہا ہے۔

"یعنی کوئی کیفیت خود پر طاری بھی کی جا سکتی ہے۔"

عبید صاحب نے اپنی بات مکمل کی۔

"یہ ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق کرتا ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ پھر وہ عبدالحق کی طرف مڑے۔

"تم اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہو گے پتر......؟"

"جی مولوی صاحب......!"

عبدالحق نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کہا جاتا ہے، نماز پڑھتے وقت یہ تصور قائم کرو کہ تم اللہ کے روبرو ہو اور اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یہ تمہارے لئے ممکن نہ ہو تو یہ تصور ضرور کرو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ ذاتی طور پر میرا عمل یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے میں یہ ذہن میں رکھتا ہوں کہ یہ میرے علیم و کریم ربّ کا کلام ہے اور اس سے مجھے بہت بڑا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ یہ کہ میرا ربّ مجھ سے ہم کلام ہے، اپنے الفاظ کے ذریعے۔ میں قرآن پڑھ رہا ہوں تو درحقیقت میرا ربّ مجھ سے باتیں کر رہا ہے، مجھے سمجھا رہا ہے، میری راہنمائی کر رہا ہے، مجھے ڈرا رہا ہے، تنبیہ کر رہا ہے، مجھے خوش خبری سنا رہا ہے، میری آگہی بڑھا رہا ہے، مجھے علم عطا فرما رہا ہے، اور مجھے غور سے سننا چاہئے، اور بعد میں بھی عمل کرنا چاہئے۔ جن باتوں سے ڈرایا جائے، ان سے بچوں، جن پر انعام کا وعدہ کیا ہو، ان پر عمل۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ قرآن قیامت تک زمین پر سانس لینے والے تمام انسانوں سے

اللہ کا خطاب ہے۔ جو اللہ سے اس کی باتیں سننے کا موقع گنوا دیتے ہیں، قرآن سے منہ موڑے رہتے ہیں، وہ شاید دُنیا کے سب سے بدنصیب انسانوں میں سے ہیں۔ تو میں قرآن کو ایسے پڑھتا ہوں جیسے اللہ اس کے ذریعے اپنے الفاظ میں مجھ سے باتیں کر رہے ہوں۔“

”بے شک نماز اور قرآن بندے کو اپنے ربّ سے قریب کر دیتے ہیں، بلکہ اس تک پہنچا دیتے ہیں۔“

مولوی صاحب نے کہا۔

”لیکن شرط صدق کی ہے۔“

”جی بے شک......!“

اب مولوی صاحب نے بھی حاضرین کو سمجھانے کے لئے عبدالحق والی تکنیک آزمائی۔

”لیکن پتر عبدالحق......! ایک بات بتاؤ۔ ہر آیت پڑھتے ہوئے کیا تمہیں واقعی یہ لگتا ہے کہ اللہ تم سے مخاطب ہے......؟“

”جی مولوی صاحب......!“

”تو پھر ہر آیت کو تم خود پر آزماتے بھی ہوگے......؟ اس سے کچھ سمجھتے بھی ہوگے......؟“

”کوشش تو یہی کرتا ہوں مولوی صاحب......! جہاں کسی آیت کا خود سے تعلق نہیں جوڑ پاتا، وہاں اس پر غور کرتا رہتا ہوں اور اللہ سے راہنمائی طلب کرتا ہوں۔“

مولوی صاحب چند لمحے سوچتے رہے، پھر بولے۔

”میں سورۂ بقرہ کے چھٹے رکوع کا حوالہ دے رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ تم اس سے اپنا تعلق کیسے جوڑتے ہو......؟ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے فضل و کرام کا تذکرہ فرما رہے ہیں اور انہیں قیامت کے دن سے ڈرا رہے ہیں۔

میں سوچتا ہوں کہ اللہ مجھے یاد دلا رہے ہیں کہ اس دن میں بھی اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے ان کے سامنے کھڑا ہوں گا، اور نہ کوئی میرے برے اعمال پر میری شفاعت کرنے والا ہوگا اور نہ ہی بدلے میں کچھ قبول کیا جائے گا۔

اور پھر اللہ بنی اسرائیل کو یاد دلاتے ہیں کہ وہ آلِ فرعون کے ہاتھوں بہت بڑے عذاب سے دوچار تھے، جوان کے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، اور



نے انہیں ان سے نجات عطا فرما دی۔

میں سوچتا ہوں کہ اللہ نے اس کی صورتِ حال کو بلائے عظیم قرار دیا تو الحمدللہ میں یا میری قوم اتنے بڑے کسی عذاب سے دوچار نہیں، اور مجھے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اور پھر اللہ یاد دلاتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے سمندر کو درمیان سے پھاڑ کر بنی اسرائیل کے لئے سمندر پار کرنے کا راستہ بنا دیا، اور جب آلِ فرعون نے اسی جگہ سے سمندر پار کرنے کی کوشش کی تو اللہ نے سمندر کو رواں کر دیا اور بنی اسرائیل کے دیکھتے ہی دیکھتے فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہوگیا۔

یہاں میں تصور میں وہ راستہ دیکھتا ہوں جو اللہ نے سمندر کو روک کر اس کے درمیان بنایا۔ اس راستے کے دونوں طرف کیسے پانی کی مہیب اور بلند دیواریں ساکت و جامد کھڑی ہوں گی۔ میں خود کو اس راستے سے گزرتے ہوئے دیکھتا ہوں اور ہر سانس، ہر قدم خوف سے بے حال ہوتا ہوں کہ اب یہ سمندر رواں ہوا اور جب، اور پار اُتر کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اللہ کی قدرت کی کوئی حد ہے نہ احسان کی۔ پھر میں پلٹ کر فرعونیوں کے لشکر کو غرق ہوتے دیکھتا ہوں اور سمجھ لیتا ہوں کہ تکبر کرنے والے نافرمانوں کو اللہ کتنی آسانی سے نیست و نابود کرتے ہیں۔“

اتنا کہہ کر عبدالحق ایک گہری سانس لینے کے لئے رُکا۔

”اور پھر میری سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ مجھے کیا سمجھا رہے ہیں......؟ کیا بتا رہے ہیں......؟“

تمام حاضرین سانس روکے بیٹھے تھے۔ ہر نگاہ عبدالحق کے چہرے پر جمی تھی۔

”مجھے لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے فرما رہے ہیں، اے میرے بندے......! تجھ پر کتنا ہی سخت وقت آ جائے، تو کتنی ہی بڑی پریشانی اور آزمائش سے دوچار ہو، وہ بنی اسرائیل کی بلائے عظیم جیسی تو نہیں ہو سکتی۔ اور میں جو سمندر کو پھاڑ کر، روک کر ان کی مدد کرنے کی اور پھر سمندر کو دوبارہ رواں کر کے آلِ فرعون کو غرق کرنے کی قدرت رکھتا ہوں تو تمہاری پریشانی کی کیا حیثیت ہے......؟ میں چاہوں تو ایک لمحے میں دُور کر دوں۔ تو تم ہر پریشانی اور مصیبت میں صرف مجھے پکارنا، مجھ سے مدد مانگنا اور مجھی سے اُمید رکھنا۔ اگر تم ایمان والے ہوگے تو پریشانی سے نجات پاؤ گے۔ اور اے میرے بندے......! کفر، شرک اور تکبر ہرگز نہ کرنا ورنہ تمہارا حشر آلِ فرعون جیسا ہوگا۔ میرا عذاب بہت دردناک اور میری پکڑ بڑی سخت ہے، اور آخرت کا عذاب تو اور بھی بھیانک ہوگا۔ اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اللہ کی اس بات کو ہمیشہ یاد رکھوں۔

اور آگے اللہ یاد دلا رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وعدے کے مطابق چالیس دن کے لئے اللہ سے ملاقات کے لئے گئے تو ان کے عتاب میں بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا کر خود پر ظلم کیا، اور اللہ نے احسانِ عظیم فرمایا کہ اس ظلمِ عظیم کے باوجود انہیں معاف کر دیا، ان کی بخشش فرما دی۔

یہ پڑھ کر مجھے لگتا ہے کہ اللہ مجھے بتا رہے ہیں کہ وہ کیسے غفور الرحیم ہیں۔ کتنا زیادہ بخشنے والے ہیں اور ان کی مغفرت کا دامن کتنا وسیع ہے۔ وہ کتنے مہربان ہیں اپنے بندوں پر۔ آلِ فرعون سے نجات اور ان کی غرقابی جیسی کھلی اور عظیم نشانی دیکھنے کے باوجود بنی اسرائیل کے لوگوں نے اس بدترین جرم کا ارتکاب کیا، جسے اللہ سب سے ناپسند کرتے ہیں، جس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ اس پر کبھی نہیں بخشیں گے۔ لیکن بندے شرمندہ ہوں اور توبہ کرتے ہوئے ان سے رجوع کریں تو وہ اس پر بھی بخش دیتے ہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ گناہوں سے بچوں، لیکن بشر ہونے کے ناطے نہ بچ پاؤں تو جلد سے جلد پہلی فرصت میں اللہ سے رجوع کروں اور اس پر توبہ کروں۔"

عبدالحق نے ایک گہری سانس لی۔

"میں اس طرح سے قرآن پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں مولوی صاحب......! لیکن سب سے پہلے اللہ کی مدد طلب کرتا ہوں کہ وہ قرآن کے ذریعے گمراہ ہونے سے مجھے اپنی پناہ میں رکھے۔"

"اللہ تمہاری فہم قرآن میں اضافہ فرمائے پتر عبدالحق......!"

مولوی صاحب نے کہا۔

"بے شک یہ بہت اچھا طریقہ ہے، قرآن پڑھنے اور سمجھنے کا۔ میرا خیال ہے کہ یہاں موجود تمام لوگ آئندہ سے اسی انداز میں کوشش کریں گے۔"

تمام لوگ اثبات میں سر ہلانے لگے۔ بات خاصی حد تک اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

"میں ایک اور حوالہ دینا چاہتا ہوں مولوی صاحب......!"

عبدالحق نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"ضرور پتر......!"

"سورۂ بقرہ کے چھٹے رکوع میں آگے اللہ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ اس نے ان کو دھوپ سے بچانے کے لئے ان پر بادلوں کا سایہ عطا فرمایا اور آسمان سے ان کے لئے من و سلویٰ اُتارا، اعلیٰ ترین رزق، جس کے لئے انہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا تھا۔ پھر





یں رکوع کے آغاز میں ان کی پانی کی ضرورت پوری فرمانے کا بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ م کو چٹان پر عصا مارنے کا حکم دیا اور اس کے نتیجے میں پانی کے بارہ چشمے پھوٹے۔ بنی اسرائیل رہ قبیلے تھے، ان میں سے ہر ایک کو اپنا الگ پانی بھی مل گیا۔

پھر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ یکسانیت سے اُکتا گئے ور آسمان سے اُترے ہوئے ایک جیسے کھانے پر ان سے صبر نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ اللہ سے دُعا یں کہ وہ انہیں زمین سے پیدا ہونے والی اجناس، گیہوں، دالیں، پیاز، لہسن وغیرہ عطا فرمائے۔ ر موسیٰ علیہ السلام بہت خفا ہوئے کہ وہ اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ چیز مانگ رہے ہیں، جو کفرانِ ہے، ناشکری ہے۔ اور اس کے بعد اس رکوع میں اللہ ہمیں مطلع فرماتے ہیں کہ اس کے نتیجے نی اسرائیل ذِلت اور محتاجی میں بری طرح گھر گئے۔

اس سے میری سمجھ میں آ گیا کہ اگر میں کبھی خوش حالی کے بعد ذِلت اور محتاجی سے ہوں تو مجھے غور کرنا چاہئے کہ کب اور کہاں میں نے اللہ کی کس نعمت پر ناشکرا پن کیا ہے۔ یاد کروں اور اس پر استغفار کروں تاکہ اللہ معاف کر دے اور ذِلت اور محتاجی دُور کر کے مجھے اپنی نعمتوں سے نوازے۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس بات کی آگہی بھی اللہ کی رحمت اور بہت ت ہے، اللہ کے تمام بندوں کے لئے۔"

"بے شک......! اللہ کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا۔"

مولوی صاحب بولے۔

"لیکن بندے کو اللہ سے اس کی توفیق مانگتے رہنا چاہئے اور نعمتوں کا احساس ہوتے ں پر شکر ادا کرنا چاہئے۔ اس کے بڑے فائدے ہیں۔ مگر کفرانِ نعمت کرنا، اللہ کی نعمتوں کی رنا، ناقدری کرنا اور ناشکرا پن کرنا تو محرومی اور محتاجی کو دعوت دینا ہے۔"

وہ حاضرین کی طرف مُڑے۔

"مجھے اُمید ہے کہ بہت کچھ سب لوگوں کی سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ لیکن خود پڑھنے کی اور ہے۔ آپ لوگ سورۂ بقرہ کے چھٹے اور ساتویں رکوع کو غور سے پڑھئے گا تو شاید اللہ کی سے اور بھی بہت کچھ سمجھ میں آ جائے۔ اللہ ہم سب کو فہم قرآن، پنے نورِ ہدایت سے ے۔"

سب لوگ اُٹھنے لگے۔

"ذرا رُک جائیے......!"

زبیر نے کہا۔ ساجد کو وہ پہلے ہی اشارہ کر چکا تھا۔ پھر سب کو ایک ایک پیکٹ دیا گیا۔

''یہ کیا ہے......؟''

کسی نے پوچھا۔

''تبرک ہے، شیرینی۔ آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے لئے۔''

زبیر نے کہا۔

❀❀❀

چوہدری عبدالستار کو اپنے بڑے بیٹے آصف میں بے شمار خوبیاں نظر آتی تھیں۔ وہ ہمیشہ اس سے سیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کا ادب لحاظ حد سے زیادہ کرتا تھا۔ کوشش کرتا تھا کہ اس کی موجودگی میں کارندوں سے بھی اونچی آواز میں گفتگو نہ کرے۔

لیکن محبت دل سے ہوتی ہے اور محبت کے معاملے میں آدمی بہت بے بس اور مجبور ہوتا ہے۔ اب وہ کیا کرتا کہ محبت اسے کاشف سے زیادہ تھی، اس کی خودسری، بدتمیزی، اکھڑپن اور بدلحاظی کے باوجود۔ لیکن قدر وہ آصف کی بہت کرتا تھا۔

اب اس وقت بھی وہ دل ہی دل میں اسے سراہ رہا تھا۔ کاشف کی یہ خوبی اسے سب سے زیادہ پسند تھی۔ ذاتی طور پر، اپنی محفل میں وہ چاہے کچھ بھی کرے، لیکن اس کی موجودگی میں بالکل مختلف ہوتا تھا، اور یہ ظاہر کرتا تھا جیسے اس کا ان مشاغل سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

اب اس وقت بھی چوہدری شراب سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور آصف اس کے روبرو مؤدب بیٹھا تھا۔

''تم پیو گے......؟ تمہارے لئے جام بناؤں......؟''

اس نے بیٹے سے پوچھا۔

''نہیں پاپا جی......! شکریہ......!''

''کیوں بھئی......؟ پیتے تو تم ہو ناں......؟''

''آپ کے سامنے نہیں پاپا جی......!''

''بھئی......! اب تو تم برابر کے بیٹے ہو۔ میں ایم این اے تو تم ایم پی اے۔''

''وہ سب اپنی جگہ، پر آپ ہمیشہ پاپا رہیں گے اور میں آپ کا بیٹا۔''

''اورنگ زیب شاہ جہاں کا بیٹا تھا، لیکن اس نے باپ کو معزول کر دیا تھا۔''



''نہ تو آپ شاہ جہاں ہیں پاپا جی اور نہ میں اورنگ زیب بننا چاہتا ہوں۔''

چوہدری نے شراب کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے سوچا۔

''کاشف کو وزارتِ عظمیٰ مل جائے تو شاید وہ مجھے یہ کہہ کر ٹکٹ بھی نہ دے کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ابھی اسے ملک سے باہر نہ بھجوایا ہوتا تو جانے کتنے مسائل کھڑے کر چکا ہوتا اب تک......؟''

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر چوہدری نے کہا۔

''بولنے پر تو پابندی نہیں لگاؤ، چپ کیوں بیٹھو ہو......؟''

آصف ہچکچایا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں پاپا جی......!''

''نہیں......! تم کچھ کہنا چاہتے ہو اور کہہ نہیں رہے ہو۔''

''وہ پاپا جی......!''

''میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو......؟''

آصف نے کچھ نہیں کہا۔ سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھتا رہا۔

''تم عبدالحق کے بارے میں مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو......؟''

آصف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''آپ کیسے جان لیتے ہیں پاپا جی......؟''

چوہدری مسکرایا۔

''باپ ہوں تمہارا، تم پوچھنا چاہتے ہو کہ اس سلسلے میں بات کچھ آگے کیوں نہیں بڑھی......؟''

''تجسس تو ہے پاپا جی......! پر میں نے سوچا کہ کچھ ہوگا تو آپ خود بتا دیں گے۔''

''میں تم سے ہر معاملے میں بات کرتا ہوں، یہ ایک طرح کی تربیت ہے تمہاری۔ مجھ سے ہی تو سیکھنا ہے تمہیں۔''

''جی پاپا جی......!''

''میں مزاجاً شطرنج کا کھلاڑی ہوں، اور ایک شکاری بھی ہوں۔''

''پر میں نے آپ کو کبھی شطرنج کھیلتے نہیں دیکھا۔''

''تم نے غور نہیں کیا، میں نے مزاجاً کہا ہے۔''

چوہدری نے اسے ٹوکا۔

''دوسرے میں عام بساط پر شطرنج کھیل کر اپنی صلاحیت کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ شروع میں، میں نے بہت شطرنج کھیلی۔ مگر اب زندگی اور سیاست کی بساط پر شطرنج کھیلتا ہوں۔''

چوہدری نے توقف کیا۔ وہ جانتا تھا کہ آصف کو بھی شطرنج کا شوق ہے، جبکہ کاشف کو اس کی بالکل تمیز نہیں تھی۔

آصف کی دلچسپی بڑھ گئی۔

''دلچسپ بات ہے پاپا جی......! ذرا مثال دے کر واضح کریں تو میں بھی کچھ سمجھوں۔''

''شطرنج میں ہدف مخالف بادشاہ ہوتا ہے۔ فوج اپنے پاس بھی ہوتی ہے اور مخالف بادشاہ کے پاس بھی، برابر کی فوج۔ ہمیں اپنے دفاع کو کمزور کئے بغیر مخالف بادشاہ کے دفاع کو توڑ کر اسے گرانا ہوتا ہے۔ اس کے لئے مخالف کے دفاعی حصار میں کمزوریاں تلاش کرنی ہوتی ہیں۔ اپنے کم اہمیت کے یا غیر اہم مہرے کی قربانی دے کر مخالف کے اہم ترین مہرے کو مارنا ہوتا ہے اور اس عمل کے ذریعے بتدریج مخالف بادشاہ کے دفاع کو توڑنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات مخالف کے پیدل کو مارنے کے لئے اپنا مہرہ دینا پڑتا ہے اور کبھی کسی نقشے میں اپنے ہی کچھ مہرے یا پیدل اپنے ہی راستے کی رکاوٹ بنتے ہیں، تو انہی خود ہی راستے سے ہٹانا پڑتا ہے۔ یہ دُور تک دیکھنے کا کھیل ہے۔''

آصف بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

''اب تم بتاؤ......! کچھ سمجھے......؟''

آصف چند لمحے سوچتا رہا۔

''یقین سے تو نہیں کہہ سکتا پاپا جی......! لیکن کاشف کو اس بساط سے ہٹا دیا۔''

''درست......! لیکن کیوں......؟''

''وہ اپنی جذباتیت اور جلد بازی کی وجہ سے ہمارے اٹیک کو کمزور کر رہا تھا۔''

''شاباش بیٹے......! بہت خوب......! اور کچھ......؟''

''آپ نے ایک پیدل کھڑا کر دیا، امیر علی، لیکن اس کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا۔''

''حالانکہ وجہ میں نے اسی وقت تمہیں بتا دی تھی۔''

''مجھے تو شطرنج کی زبان میں سمجھائیں ناں پاپا جی......!''



''وہ ہمارے بادشاہ کو ہلاک کر رہا تھا۔ ہمارے دفاع کو کمزور کر رہا تھا۔ اس کی وجہ سے جیتی ہوئی بازی میں ہمیں مات ہو سکتی تھی۔ اس لئے اسے بساط سے ہٹانا ضروری ہو گیا تھا۔''

''لیکن پاپا جی......! بساط پر تیزی تو ہے ہی نہیں۔ کوئی ایکشن نظر نہیں آتا۔''

''یکطرفہ گیم میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ تیزی تو اس گیم میں ہوتی ہے جس میں آپ کا مدمقابل بھی پوری طرح شامل ہو۔ یہاں معاملہ ایسا نہیں ہے۔ بہرحال میں نے اپنے حریف کے ایک پیدل کو تاڑ لیا ہے۔ وہ پیدل اس کے لئے اہم ہے، اسے بچانے کے لئے وہ ضرور کچھ کرے گا۔''

''اور آپ اسے شکار کر لیں گے......؟''

''ہاں......! میں نے کہا ناں، کہ میں شکاری بھی ہوں۔''

''اور یہ شکار کس کا ہے......؟''

''شیر کا شکار ہے، اسی لئے تو وقت لگ رہا ہے۔''

چوہدری نے کہا۔

''میرا کمال یہ ہے کہ چارے کے طور پر مچان کے نیچے بکری بھی میں نے اپنی نہیں، اسی کی باندھی ہے۔ بکری چلائے گی تو وہ کھنچا چلا آئے گا۔''

''مگر کب......؟''

''دیکھو بیٹے......! مچان پر بیٹھ کر شیر کا شکار کرنا محفوظ تو ہوتا ہے، لیکن صبر آزما ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو کئی راتیں گزر جاتی ہیں انتظار میں، اس میں بے صبرا پن خطرناک ہوتا ہے۔''

''اس پیدل، اس بکری کے بارے میں کچھ بتائیں گے آپ......؟''

''وہ ایک ایسا شخص ہے، جسے عبدالحق انکار نہیں کر سکتا۔''

''تو پھر دیر کیوں لگ رہی ہے......؟''

''شاید اس کی ہمت نہیں ہو رہی ہے، عبدالحق سے بات کرنے کی۔''

''آپ مجھے اس کے بارے میں بتاتے کیوں نہیں......؟''

''خود دیکھ لینا، مجھے لگتا ہے، اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔''

آصف چوہدری گہری سانس لے کر رہ گیا۔

❀❀❀

حق نگر میں بی اے کرنے والے نوجوانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ شاید اتنی کم کہ انہیں اُنگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ انہی میں سے ایک اسد علی تھا، اس کی سیکنڈ ڈویژن آئی تھی۔ مگر بہر حال گریجویٹ تو تھا، اور اس نے سوچا تھا کہ گریجویشن کرتے ہی اسے بہت اچھی سرکاری ملازمت مل جائے گی۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ سرکاری ملازموں کے کیسے عیش ہوتے ہیں۔ تو سرکاری ملازمت اس کا خواب تھا۔

دو سال میں اسے نے بے شمار درخواستیں ارسال کیں، اچھی خاصی تعداد میں انٹرویو بھی دیئے، لیکن ملازمت نہ مل سکی۔ طبعاً وہ سیدھا سادہ تھا۔ چالاکی اور تیزی وطراری اس کی فطرت میں تھی نہیں۔

پھر کسی نے اسے بتایا کہ نوکری میرٹ پر نہیں، سفارش پر ملتی ہے، اور سفارش جتنی بڑی ہو، کام اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے، اور یہی نہیں، محکمہ بھی ڈھنگ کا مل جاتا ہے اور اس محکمے میں بھی اچھا مقام مل جاتا ہے، بشرطیکہ سفارش ٹاپ کلاس ہو۔

مگر اس کی سفارش کرنے والا کون تھا......؟ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو چاچا زبیر کے سوا کوئی نظر نہیں آیا۔ چنانچہ اس نے اس سلسلے میں چاچا زبیر سے بات کی۔ زبیر نے اس کی بات بڑے تحمل اور توجہ سے سنی۔

''تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ سفارش سیاسی لوگوں کی چلتی ہے۔''

''پر چاچا......! میں تو آپ کے سوا کسی کو جانتا ہی نہیں، اور آپ تو یہاں سے لاہور تک ہر طرح کے معاملات سنبھالتے ہیں۔''

''لیکن میرا کوئی سیاسی اثر رسوخ نہیں، اور زیادہ تر سرکاری لوگوں سے تو ہماری چپقلش ہی رہتی ہے۔''

''تو مجھے کچھ نہیں ملے گا......؟''

اسد علی کے لہجے میں مایوسی تھی۔ شاید اس کے لہجے سے زبیر کے دل پر گہرا اثر ہوا۔

''تم دل چھوٹا کیوں کرتے ہو......؟ ہمارا بہت بڑا سیٹ اَپ ہے اللہ کے فضل وکرم سے۔ میں تمہیں بہت اچھی جاب دے سکتا ہوں۔''

''پر چاچا......! مجھے تو سرکاری نوکری ہی کرنی ہے۔''

''اس سلسلے میں، میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں......! ایک مشورہ دے سکتا ہوں تمہیں۔''



اسد علی متوقع نظروں سے اسے تکتا رہا۔

دو سال تم نے ضائع کر دیئے۔ اس دوران تم ایم اے بھی کر سکتے تھے۔ مگر اب اس کی کیا بات کرنی، اب ایسا کرو کہ ایم اے کی تیاری کرو اور اس کے ساتھ سول سروس کے امتحان کی تیاری کرو۔''

''اس میں تو بہت وقت لگے گا چاچا......!''

''جوان آدمی ہو، وقت کی کیوں پرواہ کرتے ہو......؟''

مگر اسد علی کم ہمت بھی تھا۔

''یہ دونوں کام ہی بہت مشکل ہیں چاچا جی......!''

''مشکل کچھ نہیں ہوتا۔ بس بندے کو محنت کرنی ہوتی ہے۔''

''مجھ سے اتنا انتظار نہیں ہوگا چاچا......!''

اس نے کہا۔ درحقیقت وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے اتنی محنت نہیں ہوگی۔

''سمجھنے کی کوشش کرو بیٹے......! ابھی تمہیں ملازمت ملی بھی تو کلرکی ہی تو ملے گی، اور کلرک بے چارہ تھوڑی بہت ترقی کر لے، تب بھی مرتے دم تک کلرک ہی رہتا ہے۔ میں تمہیں وہ سمجھا رہا ہوں جو کاکا کو دیکھ کر سمجھا ہے۔ کاکا نے یہی راستہ اپنایا تھا اور بہت بڑے افسر بنے۔ کس شان سے افسری کی انہوں نے، یہ دُنیا جانتی ہے۔ کچھ بننا ہے تو تمہیں بھی یہی کرنا ہوگا۔''

اسد علی بہت مایوس ہوا۔ یہ سب اس کے بس کا تھا ہی نہیں۔

اب اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا، یہ کہ کوئی سیاسی آدمی تلاش کرے۔ مگر بڑے لوگوں میں وہاں چوہدریوں کے سوا کوئی نہیں تھا، اور ویسے ان کی پارٹی کے کارکن بھی تھے۔ اس نے کچھ کارکنوں سے بات بھی کی، اور انہوں نے بات آگے بھی بڑھائی۔ مگر آصف چوہدری کی طرف سے کورا جواب آ گیا۔

''جسے ووٹ دیا تھا، اس سے مانگو، ہم پر تمہارا کوئی حق نہیں۔''

یہ کام اسد علی پہلے ہی کر چکا تھا۔ مگر حق نگر کے ایم پی اے کا کہنا تھا کہ ہم تو حزبِ اختلاف میں ہیں اور وہ بھی بے حیثیت حزبِ اختلاف میں۔ ہمارے توسط سے تو تمہارا کام نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اسد علی حکمراں پارٹی کے لوگوں کے پیچھے پڑا رہا۔ ایک کارکن کو جو چوہدری عبدالستار تک رسائی رکھتا تھا، اس پر ترس آ گیا۔ اس نے چوہدری سے اس کے لئے بات کی۔

چوہدری ہر بات غور سے سنتا تھا اور کبھی کسی بات کو فوری ردّ نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنے کارکن مشتاق سے اسد علی کے بارے میں تمام معلومات حاصل کیں۔

''میں دیکھوں گا کہ اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں......؟''

اس نے کہا۔ مشتاق نے یہ خوش خبری اسد علی کو سنا دی۔ اس کی اُمیدیں پھر سے تازہ ہوگئیں۔

مگر چھ ماہ گزر گئے اور کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس دوران کاکا صاحب اپنی فیملی سمیت حق نگر شفق ہوگئے۔ اسد علی ہر دوسرے تیسرے دن مشتاق سے ملتا تھا اور مشتاق اس سے عاجز آیا ہوا تھا۔ ایک دن اس نے چڑ کر کہا۔

''ہمارے پیچھے کیوں پڑے ہو......؟ یہ تمہارے کاکا صاحب اتنے بڑے آدمی بنتے ہیں، ان سے کہو، اور دیکھو کہ کسی کام کے ہیں بھی یا نہیں......؟''

اسد علی کو بہت برا لگا۔ عبدالحق کے متعلق ایسا ویسا سننا اس کے لئے اپنے باپ کے بارے میں سننے کے برابر تھا۔ لیکن مجبوری تھی، ضرورت اپنی تھی اور اس کے لئے بہت بڑی ضرورت تھی۔ برداشت کر گیا۔

''ذرا سوچو، کاکا صاحب کو چھوڑ کر چوہدری صاحب سے اپنی ضرورت بیان کرتے ہو، اس میں تو کاکا صاحب کی بہت بڑی بے عزتی، بلکہ ذِلت ہے۔''

اب اسد علی کی برداشت جواب دے گئی۔

''ٹھیک ہے......! اب میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔''

مشتاق نے سکون کا سانس لیا کہ جان چھٹی۔ اور اسد علی کی عبدالحق سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ جانتا تھا کہ وہ بھی وہی کچھ کہیں گے جو چاچا زبیر نے کہا تھا، اور وہ اس کے لئے قابل عمل تھا ہی نہیں۔ سو وہ صبر کر کے بیٹھ گیا۔

اور اب ڈیڑھ ماہ پہلے مشتاق خود اس کے پاس آیا، وہ بہت خوش تھا۔

''مجھے لگتا ہے، تمہاری بات بن گئی ہے اسد......!''

اسد علی تو بھوں چکا رہ گیا۔

''کیا ہوا مشتاق بھائی......؟''

''بڑے چوہدری صاحب نے مجھے بلایا تھا، اور تمہارے بارے میں بات بھی کی۔''

اسد علی کی حیرت کی کوئی حد نہیں تھی۔





''میں انہیں یاد تھا......؟''

''ہمارے چوہدری صاحب کبھی کوئی بات بھولتے نہیں۔''

مشتاق نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''تو کہا کیا انہوں نے......؟''

اسد علی ہیجان میں مبتلا ہوگیا۔

''کہہ رہے تھے، تمہیں بہت اچھے محکمے میں بہت اچھی ملازمت دلوائیں گے۔''

اسد علی کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

سچ کہہ رہے ہو......؟''

''ہاں......! مگر ان کی ایک شرط ہے۔''

اسد علی کا جوش سرد پڑ گیا۔ وہ اس قابل کہاں تھا کہ کوئی شرط پوری کرتا......؟ پھر بھی اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

''بتاؤ تو......!''

''تمہاری سفارش لے کر خود کاکا صاحب کو چوہدری صاحب کی حویلی جا کر ان سے بات کرنا ہوگی۔''

''یہ...... یہ کیسے ممکن ہے......؟''

''کمال ہے......! نوکری نہیں دلوا سکتے، پر تمہارے کاکا صاحب اتنا سا کام تو کر سکتے ہیں۔''

''اس میں تو ان کی بے عزتی ہے۔''

''اب تم جانو اور کاکا صاحب جانیں۔ چوہدری صاحب کی یہی شرط ہے۔''

مشتاق کے لہجے میں بے رُخی در آئی۔ اسد علی چند لمحے سوچتا رہا، پھر بولا۔

''اور اس کے بعد بھی مجھے نوکری نہیں ملی تو......؟''

مشتاق برہم ہوگیا۔

''آئندہ ایسی بات کی تو تھپڑ مار دوں گا۔ بڑے چوہدری صاحب وعدہ کریں تو ہر حال میں پورا کرتے ہیں۔''

اسد علی جانتا تھا کہ کاکا صاحب اس پر بہت شفقت کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان سے بات کرن کی نہیں ہوتی تھی۔ ہر روز وہ ارادہ کرتا اور جب عمل کا وقت آتا تو اس کا حوصلہ

جواب دے جاتا۔

اسی کیفیت میں ایک ماہ گزر گیا۔ تب ایک دن اسے نورالحق کا خیال آیا۔

"ہاں......! یہ کام تو کیا جا سکتا ہے۔"

اس نے دل میں سوچا۔

"اور شاید اس طرح سے میرا کام بھی ہو جائے گا۔"

وہ اسکول کی چھٹی کے وقت اسکول کے گیٹ پر پہنچ گیا۔

❁❁❁

نورالحق اپنے دوستوں کے ساتھ باہر نکلا تو گیٹ پر اسے اسد چاچا نظر آ گئے۔ اس نے انہیں سلام کیا۔ اسد علی نے سلام کا جواب دیا اور بولا۔

"مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

نورالحق نے اپنے دوستوں سے کہا۔

"تم لوگ جاؤ، میں اسد چاچا کے ساتھ جاؤں گا۔"

وہ دونوں چل دیئے۔ راستے میں اسد علی نے اپنی بات شروع کی۔

"بات یہ ہے نورالحق......! کہ میرا ایک کام ہے، جو صرف کاکا صاحب ہی کر سکتے ہیں۔"

نورالحق نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تو آپ بابا جان سے بات کریں۔"

"میں نہیں کر سکتا، تم ان سے بات کرو۔"

"میں کیا کہوں انہیں......؟"

"ان سے کہنا کہ میرا ایک کام ہے، جو انہیں کرنا ہے۔"

"یہ تو میں کہہ دوں گا۔"

نورالحق نے نہایت اطمینان سے کہا۔

"صرف کہنا نہیں ہے، ان سے پکا وعدہ لینا ہے کہ وہ میرا یہ کام ضرور کریں گے۔"

"یہ بات آپ ان سے کہہ دیں۔"

"میری وہ بات نہیں جو تمہاری ہے، تم ان کے اکلوتے بیٹے ہو، دُنیا میں سب سے





یادہ محبت وہ تم سے کرتے ہیں۔"

"سب یہی سمجھتے ہیں۔ بس مجھے معلوم ہے کہ بابا جان مجھ سے بالکل محبت نہیں رتے۔"

نورالحق نے دل میں سوچا۔

"وہ تمہاری بات نہیں ٹال سکتے۔ بس تمہیں ان سے پکا وعدہ لینا ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔"

نورالحق نے بے دلی سے کہا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ بابا جان اس کی بات مانیں گے۔

"کوشش نہیں، بس یہ کام کرنا ہے۔"

نورالحق نے بے بسی سے اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسد علی نے گھر تک ے چھوڑا اور پھر واپس چلا گیا۔

اور اب وہ نتیجے کا منتظر تھا۔

❁❁❁

نورالحق نے اس پر بہت سوچا، مگر عبدالحق سے بات کرنے کی اسے ہمت نہیں ہوئی۔ رف عبدالحق سے دُور نہیں ہوا تھا، بلکہ اس سے ڈرنے بھی لگا تھا۔

ادھر اسکول میں اس کی خوشی پوری ہوگئی تھی۔ سر اکرام نے خود ہی اپنا تبادلہ کرا لیا تھا وہ یہ شہر ہی چھوڑ گئے تھے۔ اس پر اسے خوشی اس بات کی بھی تھی کہ بابا جان اس معاملے میں ہار تھے۔

اپنی اس سوچ پر اسے شرم بھی آئی۔

"بھلا کوئی بیٹا اپنے باپ کے ہارنے پر خوش ہوتا ہے......؟"

مگر پھر اس نے سوچا۔

"یہ بات ہی کچھ ایسی ہے۔"

بہت سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ امی سے بات کرنا مناسب رہے گا۔ ویسے تو نتا تھا کہ یقینی کامیابی کے لئے اسے دادی سے بات کرنی چاہئے۔ کیونکہ ان کی بات بابا جان ی نہیں سکتے تھے۔

مگر غور کرنے کے بعد اس نے اس خیال کو دل سے نکال دیا۔ یہ درست تھا کہ وہ اسد چاچا کی نظروں میں سرخرو ہونا چاہتا تھا اور اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ ان کے کام کے لئے بابا جان کو رضامند کرے، اور دادی یہ کام بآسانی کر دیتیں۔

لیکن دادی سے وہ اس طرح بات نہیں کر سکتا تھا، جیسے امی سے کر لیتا۔ دادی پر تو وہ یہ بھید کھولنا ہی نہیں چاہتا تھا، ورنہ دادی، بابا جان کو ڈانٹتیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بابا جان کو احساس دلایا جائے، تب وہ اس سے محبت کریں، یہ تو محبت مانگنا ہوا، اور وہ مانگے کیوں......؟ جبکہ یہ اس کا حق ہے۔

دوسرے یہ کہ دادی سے بات کرنے کے بعد اس کا کام ہوتا تو وہ دادی کی محبت اور احترام کی وجہ سے ہوتا، جو بابا جان کے دل میں ان کے لئے تھی اور وہ چاہتا تھا کہ بابا جان یہ کام اس کی محبت میں کریں۔ اسے کم از کم یہ اطمینان تو ہو جائے کہ بابا جان بہت زیادہ نہ سہی، کچھ تو محبت کرتے ہیں اس سے۔

سو اس نے ارجمند سے بات کی، لیکن اسے احساس نہیں ہوا کہ اس نے شکایت سے شروعات کی ہے۔

''امی......! باہر سب یہی سمجھتے ہیں کہ بابا جان مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔''

اس نے کہا۔ ارجمند نے چونک کر اسے دیکھا۔

''بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بابا جان دُنیا میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔''

اس نے مزید کہا۔

''تو یہ سچ بھی ہے۔''

ارجمند بولی۔

''مگر امی......''

''صرف تم ہی ہو، جسے یہ بات معلوم نہیں۔ باقی تو دُنیا کے سب لوگ جانتے ہیں۔''

ارجمند نے کہا اور پیار سے اس کے رُخسار کو تھپ تھپایا۔

اپنے بابا جان کے بارے میں بدگمانی کرتے ہو......؟''

''امی......! بابا جان ہر ایک کا ہر کام کرا دیتے ہیں، ہے ناں......؟''

''کام کرانے والا تو اللہ ہے بیٹے......! ہاں......! تمہارے بابا کوشش کرتے ہیں سب کے لئے۔''



''ٹھیک ہے امی......! تو میرا بھی ایک کام ہے۔ بابا جان کوشش کریں گے اس کے لئے......؟''

ارجمند ہنسنے لگی۔

''ابھی تم اتنے چھوٹے ہو، تمہارا تو ہر کام انشاء اللہ میں ہی کر دوں گی۔''

''جی نہیں......! وہ بابا جان ہی کر سکتے ہیں۔''

''ایسی بات ہے......!''

ارجمند سنجیدہ ہوگئی۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔''

''آپ یہ بتائیں، بابا جان منع تو نہیں کریں گے......؟''

ارجمند سوچ میں پڑ گئی۔

''چھوٹا سا بچہ جانے کیا فرمائش کرنے والا ہے......؟''

اس نے سوچا۔

''دل میں شکایت بیٹھ گئی ہے، سمجھتا ہے کہ آغا جی اس سے بالکل محبت نہیں کرتے۔ تو ن ہے، اس کی فرمائش آزمائش ہو آغا جی کے لئے۔''

اس کا مطلب ہے کہ اسے بہت سوچ سمجھ کر بولنا ہوگا۔

''دیکھو بیٹے......!''

اس نے کہا۔

''بہت سے کام ایسے ہیں جو تمہارے بابا جان کر سکتے ہیں، لیکن نہیں کر سکتے۔ ایسے ام کے لئے تو وہ کسی کو بھی انکار کر سکتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے انہیں انکار کرتے ہوئے۔''

''میں نے بھی دیکھا ہے امی......!''

نورالحق نے جلدی سے کہا۔ ارجمند نے چونک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''بابا جان نے دادی کو بھی منع کر دیا تھا۔''

''کب......؟''

''جب وہ سر اکرام کو اسکول سے نکلوانے جا رہی تھیں۔''

ارجمند پریشان ہوگئی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ بیٹے کے ننھے سے دل میں شکایت انس چبھ گئی ہے اور بہت گہرائی میں اُتر گئی ہے۔ اسے نکالنا نہایت ضروری ہے۔

"مگر کیسے نکالی جائے......؟ پھانس نکالنے میں بہت تکلیف ہوتی ہے، اور پھر گہرائی تک اُتر جانے والی پھانس...... اور نہیں نکالی گئی تو ساری عمر اذیت دیتی رہے گی، کیا کروں......؟"

"کیا ہوگیا ہے امی......؟ آپ بھی میری بات نہیں سن رہیں۔"

نورالحق نے شکایت کی۔ ارجمند نے اسے لپٹا کر خوب پیار کیا۔

"بہت بدگمانی کرنے لگے ہو تم......! بہت بری بات ہے۔ اب مجھ سے بھی بدگمانی کرو گے......؟"

"آپ میری بات کا جواب دیں ناں......!"

"دیکھو، جو کام اللہ کے حکم کے خلاف ہو، اللہ کو ناراض کرنے والا ہو، جس میں بھلائی نہ ہو، وہ تو تمہارے بابا جان کبھی نہیں کریں گے۔ کس کے لئے بھی نہیں کریں گے۔ تمہاری دادی کے لئے بھی نہیں۔"

"میرا کام ایسا نہیں ہے۔"

"تو پھر تمہارے بابا جان کبھی انکار نہیں کریں گے۔"

ارجمند نے بے حد اعتماد سے کہا۔

"تو آپ بابا جان سے بات کریں، ان سے کہیں......"

ارجمند نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھ سے نہ کہو، خود اپنے بابا جان سے کہنا۔ پھر دیکھ لینا کہ وہ تم سے کتنی محبت کرتے ہیں۔"

نورالحق ہچکچا رہا تھا۔

"نہیں نورالحق......! بات تو تمہیں ہی کرنی ہوگی۔"

ارجمند نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور بات ختم کر دی۔ نورالحق ابھی سے خوفزدہ ہو رہا تھا۔

❀❀❀
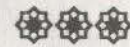
اتوار کی دوپہر کی پہلی مجلس کے لئے عبدالحق نے خاص طور پر بلیک بورڈ کا بندوبست کیا تھا اور چاک کا ڈبہ بھی رکھ لیا تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ ان چیزوں کی بھرپور افادیت سامنے آئی۔ ارجمند نے بھی کھانے کے سلسلے میں بڑی محبت سے اہتمام کیا تھا۔ کچھ اس پُرنور محفل





فیض تھا کہ ہر چیز نہایت خوش ذائقہ اور لذیذ بنی تھی۔

سب لوگوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ پھر پندرہ منٹ کے وقفے کے بعد مولوی صاحب ے حسب معمول دُعا کرائی اور اللہ سے ہدایت اور راہنمائی طلب کرتے ہوئے گمراہی سے بچانے ی التجا کی۔

پھر وہ حاضرین سے مخاطب ہوئے۔

"یہ ہماری اپنی نوعیت کی ایک منفرد اور پہلی محفل ہے۔ مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ے کہ اس کے ذریعے ہم پر قرآن کو سمجھنے کے اور زیادہ، بے شمار دروازے کھلیں گے۔ یاد رکھو، اچھا ل بھی اللہ کی طرف سے راہنمائی کے لئے ہوتا ہے۔

آپ سب کو یاد ہوگا کہ ہم نے چوتھے پارے کی پہلی آیت سے اخذ کرتے ہوئے ی کے موضوع کو منتخب کیا تھا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ نے اس آیت مبارکہ پر بھی غور کیا ہوگا اور نیکی ے بارے میں قرآن میں جستجو بھی کی ہوگی، اور جو ایسا نہیں کر سکے، وہ بھی انشاء اللہ فیض پائیں ے۔ اجتماعی کوشش کا یہی تو فائدہ ہوتا ہے۔ تو اب جس کے پاس کچھ بھی ہو، وہ بتائے۔"

عبید صاحب نے ہاتھ کھڑا کیا۔

"مجھے اس سلسلے میں سورۂ بقرہ کی دو آیات پر اللہ کی طرف سے غور کرنا نصیب ہوا ہے رت......!"

انہوں نے بے حد احترام سے کہا۔

"مجھے اُمید ہے کہ یہاں اس محفل کی برکت سے اللہ پاک ہم سب کو ان آیات کو ری طرح سمجھنا نصیب فرمائیں گے۔"

عبدالحق کو خوشی ہوئی۔ عبید صاحب نے اسے پچھلی نشست میں بھی متاثر کیا تھا اور ب ثابت ہوگیا تھا کہ اللہ ان پر خاص کرم فرما رہا ہے۔ خود عبدالحق نے بھی یہی دو آیات منتخب کی یں۔

مولوی مہر علی نے عبدالحق کی طرف دیکھا۔ عبدالحق بلیک بورڈ کی طرف بڑھا۔ چاک ے ڈبے سے اس نے چاک نکالی اور بہت پاکیزہ خط میں بورڈ پر لکھنا شروع کیا۔

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ o"

(۱۷۷ سورۃ البقرہ)

پھر اس نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ تحریر کیا۔

''نہیں ہے نیکی یہی کہ کرلو تم اپنے چہرے مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی (یہ ہے کہ) آدمی ایمان لائے اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور پیغمبروں پر، اور دے مال اس (اللہ) کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں، اور قائم کرے نماز اور دے زکوٰۃ، اور (نیک وہ ہیں) جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب عہد کرلیں اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، تنگ دستی میں اور جسمانی تکالیف میں اور جنگ کے وقت، یہی لوگ ہیں راست باز ایمان میں سچے اور یہی لوگ ہیں متقی۔''

پھر اس نے دوسری آیت مبارک لکھی۔

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ص مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ o"

(۲۶۷ سورۃ البقرہ)

پھر اس نے اس آیت مبارکہ کا بھی ترجمہ تحریر کیا۔

''اے ایمان والو......! خرچ کرو مدہ اور پاکیزہ چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو نکالا ہے ہم نے تمہارے لئے زمین سے، اور مت قصد کرو ایسی بری چیز اس میں سے خرچ کرنے کا، جسے تم خود لینا گوارہ نہ کرو، مگر یہ کہ چشم پوشی سے کام لو اس کے بارے میں، اور جان رکھو کہ اللہ ہے بے نیاز اور قابل ستائش۔''

عبدالحق نے ترجمہ تحریر کیا اور اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔



''آپ سب ان آیات پر غور کریں، پھر ہم ان پر بات کریں گے۔''

مولوی مہر علی نے کہا۔ عبدالحق بہت غور سے وہاں موجود لوگوں کے چہروں کو دیکھ رہا تھا، ار جو کچھ اس نے دیکھا، وہ اس کے لئے بہت بڑی خوشی کا باعث تھا۔ سب لوگوں کی نظریں بلیک رڈ پر تھیں اور ہر چہرے پر غور و فکر کا تاثر تھا۔ وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ ہر شخص بساط بھر ان آیات غور کر رہا ہے۔ یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے، لیکن یہ طے تھا کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے، روشنی پھیلتی ہے اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔

کچھ دیر کے بعد مولوی صاحب نے کہا۔

''اب ہمیں ان آیات پر بات کرنی ہے۔ کسی کو بھی جھجکنے کی ضرورت نہیں، ہم سب الب علم ہیں، تو اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں۔ یاد رکھو......! بات سے بات نکلتی ہے اور بات ے بات کھلتی ہے۔ اگر تم کوئی کمزور بات کرو اور اس پر تبادلہ خیال سے کوئی اہم نکتہ اللہ کی رحمت ے ہم پر واضح ہو جائے، اس پر تمہیں اجر ملے گا، انشاء اللہ......!''

سب سے پہلے عبدالرحمٰن نے زبان کھولی۔ وہ عمر رسیدہ آدمی تھے اور باقاعدگی سے رآن پڑھنے والے تھے۔

''اوپر والی آیت کا پہلا حصہ صاف طور پر کہہ رہا ہے کہ صرف نماز پڑھ لینا، عبادت کر لینا نیکی کی حیثیت سے کافی نہیں۔''

انہوں نے کہا۔

''میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

عبید صاحب نے کہا۔

''جی ضرور......!''

''اس آیت کو سمجھنے کی کوشش سے پہلے ہمیں ہی سمجھنا ہوگا کہ نیکی کا مفہوم کیا ہے......؟''

''نیکی بھلائی ہے۔''

کسی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''اور اللہ کے ہر حکم میں بھلائی ہے۔''

کوئی اور بولا۔

''تو نیکی اللہ کا حکم ماننا ہوا۔''

یہ تیسری آواز تھی۔

''لیکن اللہ کا حکم ماننے کے بھی تو آداب ہیں۔''

عبید صاحب نے معترضانہ لہجے میں کہا۔

''جی......! بے شک......!''

عبدالحق نے ان کی تائید کی۔

''نیکی کا اجر اللہ دیتا ہے، لیکن اس نے نیکی کے لئے شرطیں بھی عائد کی ہیں اور وہ ان کی درجہ بندی بھی کرے گا۔''

مولوی صاحب جانتے تھے کہ یہ بات وہاں اکثریت کی سمجھ سے بالاتر ہوگی، لہٰذا انہیں بات کو آگے بڑھانا تھا۔

''کوئی مثال دو......!''

''نماز نیکی ہے۔''

عبدالحق نے کہا۔

''لیکن جو نماز دکھاوے کے لئے پڑھی جائے، اسے اللہ اپنے لئے نہیں مانتا، جبکہ نماز تو اللہ ہی کے حکم پر اور اللہ کے لئے ہی پڑھی جاتی ہے۔''

''میں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایسے لوگوں سے فرمائیں گے کہ اس کا اجر ان سے لو، جنہیں دکھانے کے لئے یہ پڑھی تھی۔''

عبید صاحب بولے۔ یہ سن کر بیشتر لوگوں کے جسموں میں واضح طور پر تھرتھراہٹ نظر آئی۔

''اور یہ بات ہر نیکی کے لئے ہے۔''

عبید صاحب نے مزید کہا۔

''نہیں......! میرے خیال میں یہ بات نہیں۔''

مولوی مہر علی نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

''کیسے......؟''

عبید صاحب نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جو کچھ ہم اللہ کے لئے کرتے ہیں، یعنی عبادات، یہ میرے خیال میں صرف انہی کے لئے ہے، واللہ اعلم......!''



''اللہ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے۔ لیکن میرا بھی یہی خیال ہے۔''

عبدالحق نے کہا۔

''نماز، اذکار، تسبیحات اور حج، یہ صرف اللہ کے لئے ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے کچھ بھی دکھاوے کے لئے کرے گا تو نہ وہ نیکی ہوگا اور نہ اسے اللہ سے اس کا اجر ملے گا۔ ہاں......! وہ چاہے تو دے بھی دے۔ کیونکہ وہ دلوں کا حال اور نیتیں بھی جانتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے، اور جسے جو چاہے عطا کرتا ہے، لیکن یہ تنبیہ اسی کی ہے کہ دکھاوا نہ کرو۔''

''اور جو کچھ بھلائی، نیکی انسانوں کے لئے کی جائے تو اس کا اجر اللہ کافر کو بھی دیتا ہے، مگر صرف دُنیا میں۔ آخرت میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔''

''بات نیکی کی ہو رہی ہے، یہ کہ نیکی کیا ہے......؟''

عبید صاحب نے کہا۔

''اللہ کی اطاعت میں خلوصِ دل سے کیا جانے والا ہر کام۔''

عبید صاحب بولے۔

''اس آیت کے حوالے سے میرا دل اس پر مطمئن نہیں ہوتا۔''

عبید صاحب نے کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ اس آیت میں جس نیکی کا ذکر اللہ نے فرمایا ہے، وہ اس تعریف سے بہت، بہت زیادہ بڑی ہے۔''

''ایسا کیوں لگتا ہے آپ کو......؟''

عبدالرحمٰن نے ان سے پوچھا۔

''واللہ اعلم......! ہم تو کچھ بھی نہیں جانتے، کچھ بھی نہیں سمجھتے، اِلّا یہ کہ اللہ ہمیں سمجھا دے۔ میرے خیال میں قرآن میں جگہ جگہ نیکی کے لئے خیر کا لفظ آیا ہے، جو بہت جامع اور وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مگر یہاں بِرّ استعمال ہوا ہے۔''

''عربی کا ذخیرہ الفاظ اتنا کثیر ہے کہ بعض اوقات کسی چیز کے لئے دسیوں الفاظ ہیں۔''

مولوی مہر علی نے کہا۔

''مگر آپ کی بات میرے دل کو لگتی ہے عبید صاحب......! لگتا ہے، یہ سب نیکیوں سے بڑی نیکی کی بات ہو رہی ہے۔''

"تو اب یہ غور کیا جائے کہ سب سے بڑی نیکی کیا ہے......؟"

کسی نے کہا۔

"اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب سے بڑی نیکی اللہ سے محبت کرنا ہے۔"

عبدالحق نے کہا۔

"سورۂ بقرہ کے بیسویں رکوع میں اللہ نے فرمایا ہے کہ انسانوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسرں سے ایسی محبت کرتے ہیں، جنہیں محبت اللہ سے کرنی چاہئے۔ جبکہ ایمان والے اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ گویا ایمانِ کامل اللہ کی محبت کے بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اللہ ہماری راہنمائی فرمائے۔ مجھے لگتا ہے کہ بات ایسے ہی ہے۔"

مولوی مہر علی نے کہا۔

"کیونکہ اس آیت کریمہ میں جہاں خرچ کرنے کا ذکر ہے، وہاں اللہ کی محبت کا حوالہ موجود ہے۔"

"تو اللہ کی محبت تو بہت بلند مقام ہے اور ہر کس و ناکس کے لئے نہیں۔"

عبید صاحب نے کہا۔

"ہم جیسے لوگ تو بس اتنا کرسکتے ہیں کہ اللہ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لئے، اللہ کو خوش کرنے اور اس کی رضا کے لئے اس کے احکامات پر اخلاص کے ساتھ عمل کریں۔"

"اللہ کی رحمت تو بے پایاں ہے۔ اس سے اللہ نے پوری کائنات کا احاطہ کیا ہوا ہے، اور اللہ کی کریمی ایسی ہے کہ وہ کسی بندے کو کسی چیز سے بھی محروم نہیں رہنے دیتا۔ ہر ایک کو اس کی حیثیت، اہلیت اور بساط کے برابر ہر نیکی کا موقع ملتا ہے۔"

"یہ بات وضاحت طلب ہے۔"

عبید صاحب بولے۔ سب لوگ بے حد توجہ سے یہ گفتگو سن رہے تھے۔

"جہاد کی مثال لے لیں۔"

مولوی صاحب نے کہا۔

"کیا کمزور، کیا طاقت ور، کیا مرد اور کیا عورت، اللہ نے کسی کو بھی اس نعمت سے محروم نہیں ہونے دیا۔ ہر شخص اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق یہ عزت اور سعادت حاصل کرسکتا ہے۔"

"اور محبت کے لئے بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے محبت کرو، اس کا درجہ اللہ کی محبت کا ہی ہے۔"





عبدالحق نے کہا۔

"اور میرے خیال میں تو یہ آیت کریمہ اس طرف راہنمائی کرتی ہے، اور اس کی ترغیب پر غور کیجئے۔ اس بہت بڑی عظیم الشان نیکی کا آغاز...... اللہ بتاتا ہے کہ پہلی چیز ایمان ہے، ایمان کے بغیر کچھ بھی نہیں، پھر ایمان کے معاملے میں ترتیب ہے۔ سب سے پہلے اللہ پر ایمان...... یہ آغاز ہے، پھر قیامت کے دن پر اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینے اور اس کے بعد اللہ کے فیصلے اور جزا پر ایمان کہ وہ آپ کو جنت عطا فرماتا ہے یا جہنم، پھر فرشتوں پر......"

عبید صاحب نے ہاتھ کھڑا کیا۔ عبدالحق کہتے کہتے رُکا۔

"جی فرمایئے......!"

"قطع کلامی کے لئے معافی چاہتا ہوں۔"

عبید صاحب کے لہجے میں بڑی عاجزی تھی۔

"لیکن اللہ پر ایمان کے بعد آخرت پر ایمان کی کوئی بہت بڑی معنویت ہوگی۔ ورنہ آخرت تو سب سے آخر میں ہے، وہ تو انجام ہے۔"

"اللہ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے۔ ہم اس سے راہنمائی کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ شاید اس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ آخرت کو اولیت دینے میں ہی فلاح ہے۔ دُنیا میں سو سال کی زندگی بہت اچھی، پُرآسائش اور ہنسی خوشی گزار لی اور دائمی زندگی میں جہنم ملا تو اس سے بڑا خسارہ تو ممکن ہی نہیں۔ شاید ہمیں یاد دلایا جارہا ہے کہ اللہ پر ایمان لاکر مطمئن نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ قیامت کے دن اللہ چھوٹے سے چھوٹے عمل کا بھی حساب لے گا اور ہمیں جواب دہی کرنی ہوگی۔ اگر وہ عمل قابل گرفت ہوا اور اللہ سب کو اس سے محفوظ فرمائے، برے اعمال کا پلڑا نیک اعمال پر بھاری ہوا تو ایمان کی وجہ سے بچت نہیں ہوگی۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ نے ایمان کے لئے فرمایا ہے تو تقریباً ہر بار اس کے ساتھ نیک اور صالح ایمان کی تلقین فرمائی ہے۔

پھر یہ سوچیں کہ نفس تو ہمیں ہر پل گناہوں پر اُکساتا ہے۔ اس کے مطالبے انہی چیزوں اور باتوں کے لئے ہوتے ہیں، جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے، اور نفس بہت طاقت ور ہوتا ہے اور اس کی ترغیب سے لڑنا آسان نہیں۔ تو بچت اس میں ہے کہ آدمی ہر وقت آخرت کی فکر کرے اور آخرت کی طرف سے ڈرتا رہے۔ یہ چیز اسے تقویٰ کی طرف لے جاتی ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس روز فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا، اور اپنے اعمال پر تو بخشش کم از کم ہم عام لوگوں کی نہیں ہوسکتی۔ تو اللہ کا ڈر اور خوف ہی ہمیں بچا سکتا ہے، برے اعمال سے بھی اور ان کے برے

نتائج سے بھی۔ کیونکہ اللہ متقیوں کے لئے دُنیا میں بھی مہربان ہے اور آخرت میں بھی مہربان ہوگا۔ تو دُنیا میں اپنے بے لگام نفس سے لڑنے کے لئے ہمارے پاس یہی دو ہتھیار ہیں، اللہ کا خوف اور آخرت کا خوف، اور ہر چیز اللہ پر ایمان سے مشروط ہے، اس لئے اس آیت مبارکہ میں یہی دو چیزیں سب سے پہلے بیان کی گئی ہیں۔ واللہ اعلم......!"

"الحمدللہ......! بات سمجھ میں آ گئی۔"

عبید صاحب بولے۔

"اور آخرت پر ایمان، فرشتوں پر، پھر اللہ کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان، یہاں بھی معاملہ حسن ترتیب کا ہے۔ پیغمبروں پر ایمان لانے سے پہلے کتاب پر ایمان لانا ہوگا، کیونکہ وہ کلام اللہ کے مطابق ہی تو تعلیم دیتے ہیں۔ اور کتاب پر ایمان لانے سے پہلے فرشتوں پر ایمان لانا ہوگا، جو کتاب کو پیغمبروں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ کتاب پر ایمان کے بغیر انسان پیغمبر کو اللہ کا پیغمبر کیسے مان سکتا ہے......؟ اور فرشتوں پر ایمان کے بغیر کتاب کو اللہ کی کتاب کیسے مان سکتا ہے......؟ انہی وجوہات کے تحت تو لوگ ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اللہ کے کلام کو بشر کا کلام قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس نے گھڑ لیا ہے، اور پیغمبر کو اللہ کا رسول نہیں مانتے کہ یہ تو ہم جیسا عام انسان ہے۔"

"بے شک......! سمجھ میں آتا ہے کہ یہی حسن ترتیب ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا۔

"اور پھر آگے اللہ نے نیکی کے لئے اشارہ دیا کہ وہ اللہ کی محبت ہے۔ فرمایا کہ اللہ کی محبت میں مال دو، مال اس لئے کہ آدمی کو مال سے بہت محبت ہوتی ہے، وہ اسے اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔"

"لیکن محبت تو آدمی اپنے بیوی بچوں سے بھی بہت کرتا ہے۔"

عبید صاحب نے کہا۔

"بے شک......!"

اس بار مولوی صاحب بولے۔

"لیکن وہ اور دوسرے رشتے ناطے اللہ نے آدمی کو ذاتی طور پر عطا فرمائے ہیں۔ وہ انہیں کسی دوسرے کو نہیں دیتا، نہ دے سکتا ہے۔ کسی کو بیٹا بنا لینے سے وہ بیٹا نہیں بن جاتا، اور نہ بیٹے کو ناراض ہو کر عاق کرنے سے ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں وہ آپ کا بیٹا نہ رہے، اور مال تو اللہ



کا دیا ہوا ہے، آدمی کے پاس امانت ہے اور جمع کرنے کے لئے نہیں، بلکہ خرچ کرنے کے لئے ہے۔ تو جو کچھ بھی اللہ نے کسی کو ایسا عطا فرمایا ہے، جو دوسروں کے ساتھ بانٹا جا سکتا ہے، اسے بانٹنے کا بڑا اجر ہے۔ کسی شخص کو محبت میں بانٹو تو بھی اس کا اجر ہے، لیکن اللہ کی محبت میں، اس کی رضا اور خوش نودی کے لئے ایسا کرو تو وہ عظیم الشان نیکی ہے اور اس کا اجر عظیم ہے، انشاء اللہ......!"

"جی......! میں سمجھ گیا۔"

عبید صاحب نے کہا۔ دوسرے لوگ بھی اثبات میں سر ہلانے لگے۔

"ہاں پتر عبدالحق......!"

مولوی صاحب نے عبدالحق سے کہا۔

"تو یہاں ترتیب میں رشتہ دار سب سے پہلے ہیں، اور رشتوں میں سب سے پہلے گھر کے رشتے ہیں۔ ماں باپ، بیوی بچے، سورۂ بقرہ ہی کے ستائیسویں رکوع میں فرمایا۔

"وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ○"

اور جواب میں فرمایا۔

"قُلِ الْعَفْوَ......"

یعنی جو تمہارے پاس ضرورت پوری کرنے کے بعد زائد ہے، رشتہ داروں میں بھی ترجیحات کا تعین ہے۔ پہلے سب سے قریبی رشتہ دار اور آخر میں دُور کے رشتہ دار، پھر یتیم، پھر مسکین، مسکین وہ ہیں جن کی آمدنی ان کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ پھر مسافر ہیں، جو سفر میں پھنس گئے ہیں اور واپسی کے لئے ان کے پاس زادِ راہ نہیں۔ پھر مانگنے والے ہیں، جو آپ سے سوال کرتے ہیں۔ پھر گردنیں چھڑانے میں خرچ کرو۔ اس سے مراد غلام ہیں۔ غلام کو خرید کر آزاد کرنے کا بڑا اجر ہے۔"

"مگر اب تو غلام نہیں ہوتے۔"

حاضرین میں سے کسی نے اعتراض کیا۔

"بالکل......! لیکن قیدی ہوتے ہیں، جن پر جرمانہ عائد ہوتا ہے اور وہ اسے ادا کرنے کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے رہائی نہیں پا سکتے۔ ان کا جرمانہ ادا کر کے انہیں رہائی دلا دو۔ پھر وہ لوگ جو مقروض ہیں، قرض بہت بڑی مصیبت ہے، مقروض ادا کرنے کے قابل نہیں اور قرض خواہ کسی بھی وجہ سے اس پر زبردست دباؤ ڈال رہا ہے، یہ حالت بھی غلامی ہی جیسی ہے۔ اس کا قرض ادا کر دو، اس بوجھ سے اور خوف سے اسے نجات دلا دو۔"

مولوی صاحب نے وضاحت کی۔

''مختصر یہ کہ ایمان کے بعد اللہ کا دیا ہوا مال اللہ کی محبت میں خرچ کرنا عظیم الشان نیکی ہے۔''

عبدالحق نے کہا۔

''اب کے بعد ہے نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔''

''اور جو آیت کے شروع میں ہے کہ نیکی یہی نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرلو۔''

عبدالرحمٰن نے کہا۔

''تو کیا یہاں بات نماز کی نہیں ہو رہی ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ عبدالحق سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے سر اُٹھایا۔

''اللہ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے۔ شاید یہ بے ترتیب نماز کی بات ہو رہی ہے، ورنہ اللہ خود فرما رہا ہے کہ نماز قائم کرنا عظیم الشان نیکی ہے۔''

''میرا خیال ہے، تم ٹھیک کہہ رہے ہو پتر عبدالحق......!''

مولوی صاحب نے کہا۔

''آیت کے آغاز میں جس نماز کا ذکر ہے، وہ شاید یہ ہے کہ جب جی چاہا، نماز پڑھ لی، ورنہ چھوڑ کر، بھول کر بیٹھے رہے۔ نماز کے لئے تو اللہ نے جہاں بھی تلقین فرمائی ہے، نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ قائم کرنے کا مطلب اللہ کے مقرر کئے ہوئے وقت پر باقاعدگی سے بلا تاخیر، بغیر کسی التوا اور انقطاع کے نماز پڑھنا اور اس سلسلے کو جاری اور قائم رکھنا، اور یہاں بھی نماز قائم کرنے کا حکم آیا ہے۔''

''جی ہاں......! اور زکوٰۃ تو فرض ہی ہے۔ عظیم الشان نیکی ہے کہ مستحقین اور ضرورت مندوں کے کام آتی ہے، اور زکوٰۃ ادا کرنے والے کے مال کو پاک کر کے اللہ کا تحفظ عطا کرتی ہے۔''

عبدالحق نے کہا۔

''اور اس کے بعد اللہ نے اپنے عہد کو پورا کرنے کو عظیم الشان نیکی کہا ہے۔ جب ہم کسی سے کوئی پکا وعدہ، کوئی عہد کرلیں تو اسے ہر حال میں مکمل طور پر پورا کریں۔''

''اس کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں ہے......؟''



حاضرین میں سے کسی نے پوچھا۔

''اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے تو اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ بس سنو اور مان لو۔''

مولوی مہر علی بولے۔

''اور یہی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے لئے ہے۔ تو عام حالات میں تو یہ گستاخی ہوگی کہ کسی حکم کی وجہ پوچھی جائے، لیکن ہم لوگ طالب علم ہیں اور قرآن کو سمجھنے کے لئے اکٹھا ہو کر کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے یہ سوال نہیں ہے، دراصل غور و فکر کی کوشش ہے۔''

پوچھنے والا گھبرا گیا تھا، شرمندہ اور خوفزدہ تھا۔

''جی......! میرا یہی مطلب تھا مولوی صاحب......!''

''یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے کہ ہم بنی اسرائیل کی طرح اللہ کے حکم پر حجت کریں اور اس سے منہ موڑیں، اور اس لئے ہم سب پہلے شیطان کے شر سے اللہ کی امان مانگتے ہیں۔''

مولوی صاحب نے کہا۔ پھر ایک گہری سانس لی۔

''واللہ اعلم......! میں غور کرتا ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ یہ بات واقعی بہت اہم ہے۔ جو شخص روبرو موجود شخص سے عہد شکنی کر سکتا ہے، جس میں فوری طور پر پکڑے جانے کا اور لڑائی جھگڑے تک کا احتمال ہے، وہ اللہ کے عہد کو کیا خاطر میں لائے گا......؟ اور اللہ سے کیا ہوا عہد بہت اہم ہے۔ میرا اشارہ میثاق ازل کی طرف ہے۔ اس کی تفصیل پھر کسی موقع پر بیان کریں گے۔ مختصراً یہ سمجھ لیں کہ اللہ نے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو جمع کر کے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ صرف اور صرف اس کی عبادت کریں گے، کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی اطاعت کریں گے۔ ان کے توسط سے نازل ہونے والی کتابوں اور شریعت پر عمل کریں گے۔''

''اور سورۂ بقرہ میں ہی پانچویں رکوع کی پہلی آیت عہد کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔''

عبدالحق نے کہا۔

''اس میں اللہ نے بنی اسرائیل پر اپنی عنایتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں، جو انہوں نے اس سے کیا اور وہ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ یعنی آخرت میں انہیں نوازے گا۔ اور قرآن میں اللہ نے کئی جگہ اعلان فرمایا ہے کہ وہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف

نہیں کرتا۔"

"بالکل درست......!"

مولوی صاحب نے کہا۔ پھر وہ حاضرین سے مخاطب ہوئے۔

"کچھ اس کی اہمیت سمجھ میں آئی آپ لوگوں کے......؟"

"جی مولوی صاحب......! جزاک اللہ......!"

کئی آوازیں اُبھریں۔

"اور آیت مبارکہ میں آخری چیز یہ ہے کہ وہ لوگ جو تنگ دستی میں، جسمانی تکالیف میں اور حالت جنگ میں صبر کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، یعنی ایسی صورتِ حال میں اللہ سے دُعا کرتے اور رجوع کرتے ہیں، اس کی مدد کی اُمید رکھتے اور انتظار کرتے ہیں، یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی مدد سے ہی انہیں لذت حاصل ہوگی، وہ اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے۔ اور آخر میں اللہ نے اس عظیم الشان نیکی کے انعام کی خوش خبری عطا فرمائی ہے کہ یہی لوگ صحیح معنوں میں ایمان والے اور متقی ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہم سب محض مسلم ہیں، مومن نہیں۔ ہم نے زبان سے اقرار کیا ہے۔ ایمان ہمارے اندر نہیں اُترا ہے، اور ایمان تو اللہ ہی عطا فرماتا ہے۔ یہی بات تقویٰ کے لئے ہے کہ وہ بندے کے بس کی بات نہیں۔ اللہ ہی عطا فرماتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ تم اس طرح سے نیکی کرو گے تو میں تمہیں سب سے بڑی یہ دو نعمتیں، دولتیں عطا فرماؤں گا۔ ایمان اور تقویٰ۔ یہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔ اللہ ہمیں اس آیت مبارکہ میں بیان کی گئی نعمتوں میں خلوصِ دل سے بہت اچھی طرح عمل کرنا نصیب فرمائے۔"

اس پر سب نے بلند آواز میں آمین کہا۔

"میں ایک تجویز پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔"

عبید صاحب نے کہا۔

"جی ضرور......!"

مولوی صاحب بولے۔

"ہم سب کو آج کی اس گفتگو اور اس آیت مبارکہ پر اچھی طرح غور کرنا چاہئے، تاکہ یہ سب کچھ ہمارے اندر اُتر جائے۔ اس لئے دوسری آیت مبارکہ پر اگلی نشست میں غور کیا جائے۔"

مولوی صاحب نے گھڑی میں وقت دیکھا۔

"بہت اچھی تجویز ہے، اور ویسے بھی عصر کی اذان میں بس دس منٹ رہتے ہیں۔



ہمیں عصر کی تیاری کرنی ہے۔ اس لئے بس اب دُعا کر لیتے ہیں۔"

پھر مولوی صاحب نے دُعا کرائی۔ سب سے پہلے کوتاہیوں اور بے خبری پر استغفار، پھر اللہ کا شکر کہ اس نے سب کو جمع ہو کر یہ کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور پھر یہ دُعا کہ اللہ تمام حاضرین کو قرآن فہمی کے معاملے میں آگے بڑھنا نصیب فرمائے۔

❀❀❀

ارجمند کو نورالحق کی طرف سے بڑی تشویش تھی۔ وہ عبدالحق سے مسلسل بدظن ہو رہا تھا اور یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اب یہ سلسلہ رُک جائے۔ چنانچہ اس رات اس نے عبدالحق سے اس سلسلے میں بات کی۔

"یہ تو بہت بری بات ہے۔"

عبدالحق کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"اب میں اسے کیسے سمجھاؤں......؟"

"وہ بہت چھوٹا ہے ابھی۔"

ارجمند نے کہا۔

"اتنی بڑی باتیں ابھی اسے سمجھائی نہیں جاسکتیں۔ میں نے کوشش کی تھی، لیکن کچھ فرق نہیں پڑا۔ شکایت اس کے اندر گہرائی میں اُتر گئی ہے۔ بڑا ہوگا تو سمجھ جائے گا۔"

"یہ ضروری تو نہیں، نہیں سمجھا تو اس کی شخصیت پر اثر پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے، شکایتیں تو اسے پہلے سے بھی تھیں، اسکول ٹیچر والی بات کھلی تھی، اس لئے باقی شکایتیں بھی اس میں شامل ہوگئیں۔"

"مگر میں نے ایسا کیا کیا ہے اس کے ساتھ......؟"

"آپ نے غور نہیں کیا۔ یہاں آنے کے بعد آپ اس سے بالکل ہی دُور ہوگئے۔ یہاں آپ نے اسے بالکل وقت نہیں دیا۔"

"تم بھی شکایت کر رہی ہو......؟"

"میں شکایت نہیں کر رہی ہوں۔ بتا رہی ہوں تاکہ آپ صورتِ حال کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکیں۔"

"تو میں قرآن فہمی کی مجلس ترک کر دوں بیٹے کے لئے......؟"

عبدالحق کا لہجہ بہت سخت تھا۔ ارجمند دہل گئی۔

"اللہ مجھے اس سے محفوظ رکھے کہ میں کبھی ایسا سوچوں بھی، میں یہ تو نہیں کہہ رہی ہوں۔"

"تو پھر......؟"

عبدالحق کا لہجہ اب بھی کڑا تھا۔

"جو کہوں گی، اسے سن کر آپ ناراض تو نہیں ہوں گے......؟"

"میری ناراضگی کی پرواہ نہ کرو، تم کہو......!"

وہ لہجہ ایسا تھا کہ اس کے بعد ارجمند کے لئے کچھ کہنا ناممکن تھا، لیکن یہاں بات بیٹے کی شخصیت، اس کے مستقبل کی تھی۔ اس نے کہا۔

"آپ کی ایک مصروفیت مجھے غیر ضروری لگتی ہے۔"

"وہ بھی بتا دو۔"

"آپ کو کتابوں کی دُکان پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے آپ کے پاس۔ مجھے تو کبھی کبھی لگتا ہے کہ آپ ناشکرا پن کر رہے ہیں۔"

عبدالحق سوچ میں پڑ گیا۔ ارجمند کبھی کسی بات پر اصرار نہیں کرتی تھی۔ بحث کی تو نوبت ہی نہیں آنے دیتی تھی۔ مگر آج معاملہ مختلف تھا، اور شاید ایسا نورالحق کی محبت کی وجہ سے تھا، اور وہ نورالحق سے محبت کرتی تھی۔ اس کی سگی ماں نہ ہونے کے باوجود تو درحقیقت یہ اس کی محبت تھی، اس کا احسان تھا اس پر۔

اور مولوی صاحب کی دُکان پر ملازمت کرنا اس کے اپنے خیال میں اس کی ضرورت تھی۔ لیکن اس ضرورت کے بارے میں وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات تو وہ حمیدہ کے بے حد اصرار پر بھی اسے کبھی نہ بتاتا۔

مگر اب ارجمند کو بتانا ضروری ہو گیا تھا۔

"وہ میری ضرورت ہے۔"

اس نے آہستہ سے کہا۔ ارجمند چند لمحے سوچتی رہی، پھر بولی۔

"آپ کہہ رہے ہیں تو مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ آپ کی ضرورت ہے۔"

"یہ ہے ارجمند......؟"

عبدالحق نے دل میں سوچا۔



"اس نے پوچھا نہیں کہ کیوں اور کیسے......؟ بس سنا اور مان لیا......؟"

"مگر میں تمہیں بتاؤں گا ضرور......!"

اس نے کہا۔

"تم جانتی ہو ارجی......! کہ میں حج سے کس طرح محروم ہوں......؟ اور مجھے اس کی وجہ بھی معلوم ہے۔ میں اپنی جہالت میں یہ نہ سمجھ سکا کہ حج کا موقع کسی کے توسط سے بھی ملے، دراصل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کے گھر اس کے اذان کے بغیر کوئی نہیں جا سکتا۔ مجھے سعودی حکومت کے مہمان کی حیثیت سے حج کا موقع ملا اور میں نے یہ سوچ کر اسے ضائع کر دیا کہ میں تو اپنے وسائل سے بھی جا سکتا ہوں، اپنی جگہ کسی ایسے شخص کو بھیج دوں، جو خود اس کی استطاعت نہیں رکھتا۔ میں نے یہ نہیں سوچا کہ میں اللہ کے بلاوے کو رڈ کر رہا ہوں۔ اللہ کو یہ بات بری لگی۔ اپنے طور پر خود کو خوب ٹٹولنے کے بعد بھی مجھے نہیں لگتا کہ میں نے غرور اور تکبر کی وجہ سے ایسا کیا۔ لیکن اپنے باطن کو میں نہیں جانتا، اللہ جانتا ہے۔ بہرحال اس کے نتیجے میں مجھ پر اللہ نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا۔ کیسے کیسے کوشش کی میں نے، تم جانتی ہو۔ توبہ استغفار بھی کیا، مگر قبولیت نہیں ملی، معافی نہیں ملی۔"

"ایک بات کہوں......!"

ارجمند نے کہا، عام طور پر وہ قطع کلامی کرتی نہیں تھی۔ عبدالحق کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"شاید یہ غرور اور تکبر کی بات نہیں، اللہ کے بلاوے پر انکار کرنا......"

عبدالحق نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔

"ابھی کچھ عرصہ پہلے میں اسی نتیجے پر پہنچا۔ میری سمجھ میں آیا کہ اللہ دُنیا کی سب سے بڑی سعادت اور نعمت کے لئے آپ کو نہایت عزت کے ساتھ بلائے اور آپ انکار کر دیں، چاہے کتنی ہی اچھی نیت کے ساتھ کریں، یہ تو کفرانِ نعمت ہے۔ بدتمیزی اور گستاخی ہے۔ مجھے تو "اللھم لبیک" کہنا چاہئے تھا۔"

"مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بڑی آزمائش ہو آپ کے لئے، اور یہ طے ہے کہ ایسا ہی ہونا تھا۔"

"بہرحال مجھے خیال آیا کہ اللہ نے مجھے بے حد و بے حساب عطا فرمایا ہے، مگر میں اس سے حج نہیں کر سکوں گا۔ تو میں نے اللہ سے نہایت پاکیزہ رزق کی دُعا کی اور مجھے خیال آیا کہ

میں عام لوگوں کی طرح محنت کروں، چھوٹی سی ملازمت کروں اور وہ پیسہ جمع کرتا رہوں۔ اس لئے میں نے مولوی صاحب کی دُکان پر ملازمت کی۔ اصرار کر کے ملازمت لی اور ان سے تنخواہ ان دو لڑکوں کے برابر مقرر کروائی، جو ان کی دُکان پر کام کرتے ہیں۔ وہ میں الگ جمع کر رہا ہوں۔ یہ ہے میری ضرورت۔ اور سچ پوچھو تو کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کسی اجنبی شہر میں جا کر مزدوری کروں، جہاں مجھے کوئی پہچانتا نہ ہو۔ وہ خون پسینے کی کمائی ہوگی۔ شاید اللہ اسے قبول فرمالے۔ مگر تم سب کو چھوڑ نہیں سکتا۔''

ارجمند سسکیوں سے رو رہی تھی۔

''میں اللہ سے آپ کے لئے بہت دُعا کرتی ہوں آغا جی......! اور انشاء اللہ ایک دن آپ حج کریں گے۔ لیکن آپ کی یہ سوچ اور یہ کوشش مجھے بہت اچھی لگی۔ کاش اللہ بھی اسے پسند فرمائے۔ میں سمجھ گئی کہ یہ ملازمت آپ کے لئے کتنی ضروری ہے۔''

''اب یہ بتاؤ کہ میں نورالحق کے لئے کیا کروں......؟ اس کا بھی تو مجھ پر حق ہے۔ وہ یہ سمجھے کہ میں اس سے محبت نہیں کرتا، یہ تو اس پر ظلم ہے۔''

''اس کی ایک صورت نکل آئی ہے۔''

ارجمند نے کہا۔ عبدالحق نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''نورالحق کا کوئی کام ہے، جو آپ کرا سکتے ہیں۔''

عبدالحق نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''نورالحق کا کوئی کام......؟''

''جی......! مجھ سے یہی کہا ہے اس نے، ننھا بچہ ہے، وہ کام آپ کرا دیں گے تو اسے آپ کی محبت پر یقین آجائے گا۔''

''میں تو تجسس سے بے حال ہو رہا ہوں۔ اتنے چھوٹے بچے کو کیا کام ہو سکتا ہے ہے......؟ ذرا بتاؤ تو مجھے......!''

''مجھے نہیں معلوم، میں نے اس سے کہا کہ اسے خود آپ سے بات کرنی ہوگی۔''

''تو اس سے کہو کہ مجھ سے بات کرلے۔''

❀❀❀

اگلے روز دوپہر کو دُکان سے نکلنے سے پہلے عبدالحق نے مولوی صاحب سے کہا۔





''مولوی صاحب......! آج مجھے آدھے دن کی چھٹی دے دیں۔''

''تم مجھے شرمندہ کرتے ہو پتر......!''

مولوی صاحب نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''نہیں مولوی صاحب......! میں آپ سے تنخواہ لیتا ہوں، اور میرے لئے اس تنخواہ کی بہت اہمیت ہے۔ آپ مانیں یا نہ مانیں، میں تو آپ کی نوکری کر رہا ہوں۔ آپ کی اجازت کے بغیر چھٹی نہیں کر سکتا۔ آپ اجازت نہیں دیں گے تو میں آجاؤں۔''

مولوی صاحب بے بسی سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر ان سے کچھ کہا تو نہیں گیا، البتہ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نماز کے بعد عبدالحق گھر گیا۔ یہ اس کا معمول تھا۔ مگر ہر روز وہ کھانا کھا کر دس پندرہ منٹ آرام کرتا اور پھر گھر سے نکل آتا۔ یہی وجہ تھی کہ نورالحق سے یا تو اس کی ملاقات ہوتی ہی نہیں تھی یا بس چند منٹ کا آمنا سامنا ہوتا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آج نورالحق سے بات ہوجائے۔''

اس نے ارجمند سے کہا۔

''آج میں دُکان پر نہیں جاؤں گا۔''

''اس کی ہمت نہیں ہو رہی ہے آپ سے بات کرنے کی۔''

''آج اسے حوصلہ دو، اب میں ہر روز تو چھٹی نہیں کروں گا۔''

ارجمند نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ نورالحق آیا تو ارجمند نے اس سے کہا۔

''آج تمہارے باباجان شام تک گھر پر ہی ہیں۔ یہ موقع اچھا ہے، ان سے بات کر لو۔''

نورالحق نروس نظر آنے لگا۔

''آپ بات کرلیں ناں امی......!''

''نہیں بیٹے......! بات تو تمہیں ہی کرنی ہے، اور اپنے محبت کرنے والے بابا جان سے بات کرنے میں جھجک کیسی......؟''

نورالحق کی آنکھوں میں اسد علی کا چہرہ پھر گیا۔ بات نہ کرنے کا مطلب ان کے سامنے شرمندگی تھا، کل ہی تو وہ اسکول آئے تھے اسے یاد دلانے کہ ان کا کام اس نے ابھی تک نہیں کیا ہے۔ چنانچہ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ لیکن وہ اتنا نروس تھا کہ اس سے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ پھر بالآخر وہ ہمت کر کے عبدالحق کے پاس چلا ہی گیا۔ عبدالحق آرام کر رہا تھا۔ اسے

دیکھ کر اُٹھ بیٹا۔

"آؤ بیٹے......! آؤ بیٹھو......!"

اس نے کہا۔ نورالحق کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔ عبدالحق کو پہلی بار احساس ہوا کہ ان دونوں کے درمیان دُوری ہوگئی ہے۔ اس سے بڑے اعتماد سے، مان سے فرمائشیں کرنے والا نورالحق جیسے کہیں کھو گیا تھا۔ وہ نروس تھا، اور لگتا نہیں تھا کہ وہ اس سے بات کر سکے گا۔

"ارے......! اتنی دُور کیوں بیٹھے ہو......؟"

عبدالحق نے فاصلہ پاٹنے کی کوشش کی۔

"یہاں آؤ میرے قریب......!"

اور اس نے کھینچ کر اسے اپنے قریب کیا اور لپٹا لیا۔

"تم مجھ سے خفا ہو......؟"

"نہیں بابا جان......! آپ ملتے ہی کب ہیں......؟"

اکلوتے بیٹے کی شکایت سے عبدالحق کا دل کٹنے لگا۔

"بس بیٹے......! کچھ بہت ضروری کاموں میں اُلجھ گیا ہوں۔ تم سے دُور ہو کر خوش تو نہیں رہتا ہوں۔ اب کچھ کروں گا، وقت نکالوں گا۔"

نورالحق نے کچھ نہیں کہا، بس خاموش رہا۔

"اپنے بابا جان سے کبھی ناراض نہ ہونا۔ یاد رکھنا، میں دُنیا میں سب سے زیادہ محبت تم سے کرتا ہوں۔"

"سچ بابا جان......؟"

نورالحق کا لہجہ یقین سے محروم تھا۔

"تمہارے بابا جان جھوٹ کبھی نہیں بولتے۔"

عبدالحق نے کہا اور اس کے رُخساروں کو بوسوں سے بھگو دیا۔ جو کام لفظ نہیں کر سکے تھے، وہ کام بوسوں نے کر دکھایا۔ اب تک عبدالحق نے بیٹے کو لپٹایا ہوا تھا، اب بیٹا خود اس سے لپٹ گیا اور یوں ساکت ہوگیا جیسے سانس لینا بھی بھول گیا ہو، اور باپ سے علیحدہ ہونا ہی نہ چاہتا ہو۔

کچھ دیر وہ یوں ہی بیٹھے رہے۔ پھر عبدالحق نے پوچھا۔

"تم کیسے ہو بیٹے......؟"



"جی......! ٹھیک ہوں بابا جان......!"

عبدالحق کو لگا کہ نورالحق ایسے بات نہیں کرے گا۔ اسے خود ہی ہمت دلانی ہوگی۔

"ابھی تم نے ایسے بات کی بیٹے......! جیسے تمہارے خیال میں مجھے تم سے بالکل محبت نہیں ہے۔ حالانکہ میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ تمہارے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

نورالحق جھٹکے سے اس سے علیحدہ ہوا۔ اس کے چہرے پر ہیجان تھا۔

"سچ بابا جان......؟"

"پھر وہی بات......!"

عبدالحق نے مصنوعی غصے سے کہا۔

"الحمدللہ......! تمہارے بابا جان جھوٹ بھی نہیں بولتے، اور جو کہتے ہیں، وہ کرتے بھی ہیں۔"

"ایک بات بتائیں بابا جان......! وعدہ کریں تو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے ناں......؟"

عبدالحق نے سوچا۔

"ابھی کل ہی تو میں آیت مبارکہ کے حوالے سے لوگوں کو بتا رہا تھا کہ عہد کر کے پورا کرنا کتنا اہم ہے۔"

پھر بیٹے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ہاں بیٹے......! اس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔"

"اور پورا نہ کریں تو اللہ ناراض ہوتا ہے......؟"

نورالحق نے معصومیت سے پوچھا۔

"اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"بابا جان......! آپ میرا ایک کام کر دیں گے......؟"

"انشاءاللہ......! ضرور کر دوں گا۔"

عبدالحق نے کہا۔ اس نے سوچا۔

"اتنے چھوٹے بچے کو کوئی بڑا کام تو نہیں ہو سکتا۔"

"تو وعدہ کریں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"پکا وعدہ......!"

''بالکل پکا......! مگر بتاؤ تو، میں حیران ہوں کہ تمہیں ایسا کیا کام ہو سکتا ہے جو تمہاری دادی اور امی نہ کر سکیں......؟''

''کام میرا نہیں ہے بابا جان......! مگر میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے۔''

اس پر عبدالحق بری طرح چونکا۔ اس بات سے تو صورتِ حال یکسر بدل گئی تھی۔ یہ معاملہ اب اسے سادہ اور آسان نہیں لگ رہا تھا۔

''کس کا کام ہے......؟ کس سے وعدہ کیا ہے تم نے......؟''

اس نے اپنے لہجے کو تشویش سے پاک رکھنے کی کوشش کی۔

''کام اسد چاچا کا ہے۔''

عبدالحق کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

''کون اسد چاچا......؟''

''وہ جو دادا جی کے بیٹے ہیں۔''

اس حوالے پر عبدالحق کا ذہن کھل گیا۔ نورالحق، مولوی صاحب کو دادا کہتا تھا، اور یہ ان کے بڑے بیٹے اسد علی کی بات ہو رہی تھی۔

''اچھا...... وہ......؟ اب کام بھی بتا دو......!''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم بابا جان......!''

''تمہیں معلوم نہیں کہ کام کیا ہے اور تم نے وعدہ کر لیا......؟''

عبدالحق کے لہجے کی سختی سے نورالحق سہم گیا۔

''انہوں نے کہا تھا کہ کام وہ آپ ہی کو بتائیں گے۔''

نورالحق نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ عبدالحق کو پہلے ہی اپنے لہجے کی سختی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے پیار سے بیٹے کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ وعدے کی اہمیت پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ مگر آئندہ خیال رکھنا، بہت دیکھا بھال کر، سوچ سمجھ کر وعدہ کیا جاتا ہے کہ پورا بھی کرنا ہوتا ہے۔ سمجھ گئے......؟''

نورالحق نے سکون کی سانس لی۔

''ٹھیک ہے بابا جان......! مگر یہ کام تو......''

''انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ کو منظور ہوا تو تمہارے اسد چاچا کا کام ہو جائے گا۔ آخر میں





نے بھی تو تم سے وعدہ کیا ہے، تو پورا بھی کروں گا۔''

''مگر بابا جان......! آپ نے بھی مجھ سے کام پوچھے بغیر وعدہ کر لیا، میری طرح......؟''

عبدالحق کو شرمندگی ہوئی۔ تاہم اس نے بات سنبھال لی۔

''تم سے بہت محبت کرتا ہوں ناں، اس لئے بے سوچے سمجھے وعدہ کر لیا۔''

اس سے نورالحق خوش ہو گیا۔

''واقعی بابا جان مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔''

پھر عبدالحق کی طرف دیکھ کر بولا۔

''تو اب کیا ہوگا بابا جان......؟''

''تم اب بے فکر ہو جاؤ۔ میں آج ہی جا کر اسد علی سے ملوں گا اور انشاء اللہ اس کے کام کے لئے کوشش کروں گا۔''

''میں انہیں جا کر بلا لاؤں گا، انہوں نے یہی کہا تھا مجھ سے۔''

''نہیں بھئی......! تمہاری محبت کی خاطر میں خود اس کے پاس جاؤں گا۔ تبھی تو تمہاری عزت بڑھے گی اور وعدہ بھی بہت اچھی طرح پورا ہوگا۔''

نورالحق تو نہال ہو گیا۔

❀❀❀

اسد علی نے دروازہ کھول کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ عبدالحق دروازے پر کھڑا تھا۔ سامنے ہی اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے عبدالحق کو سلام کیا اور واپس جانے لگا تو عبدالحق نے اسے پکارا۔

''کہاں جا رہے ہو......؟''

''جی...... بیٹھک کا دروازہ کھولنے۔''

''اس کی ضرورت نہیں، ہم گاڑی میں بیٹھ کر بات کر لیں گے۔''

اسد علی دروازہ بند کر کے باہر آ گیا۔ وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔

''جی بھائی جان......!''

اسد نے کہا۔ ابتداء میں اس نے عبدالحق کو اوروں کی طرح کا کا صاحب کہنے کی

کوشش کی تھی، مگر عبدالحق نے بہت سختی سے اسے منع کر دیا اور بھائی جان کہلوانے پر اصرار کیا۔

"مجھے افسوس ہے اسد علی......! تم مجھے بھائی جان کہتے ہو، لیکن سمجھتے نہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے بھائی جان......! میں......"

عبدالحق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہی بات ہے، ورنہ تم نورالحق سے کہنے کی بجائے خود مجھ سے مل لیتے۔ میں تمہیں انکار تو نہیں کرتا۔"

"میں بہت شرمندہ ہوں بھائی جان......! میری ہمت نہیں ہو رہی تھی آپ سے بات کرنے کی۔"

عبدالحق کو اس پر غصہ آیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس نے ننھے نورالحق کو بیچ میں ڈال کر اس پر ظلم کیا۔ اس کی بات بھی تو ہمت نہیں ہو رہی تھی اس سے بات کرنے کی۔ اس نے بچے پر اتنا بوجھ ڈالا جو اس کی بساط سے بڑھ کر تھا، اور اس سے اس کی خودغرضی اور مطلبی پن کا پتا چلتا تھا، جو مولوی مہر علی کے بیٹے کو زیب نہیں دیتی۔ مگر اس نے تحمل اور درگذر سے کام لیا۔

"خیر......! اب بتاؤ، کام کیا ہے تمہارا......؟"

"پلیز بھائی جان......! آپ ابا جی کو نہ بتایئے گا یہ بات۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ انہیں ہرگز نہیں بتاؤں گا میں۔"

"مجھے سرکاری ملازمت کی بڑی آرزو ہے بھائی جان......!"

اسد علی کو بڑی حیرت ہوئی کہ عبدالحق نے وہی سب باتیں کہیں، جو اس سے پہلے زبیر کہہ چکا تھا۔ اس کے لئے سفارش چاہئے، اور وہ بھی سیاسی، اور سرکاری ملازمت میں تنخواہ بہت کم ہوتی ہے۔ ہمارے اپنے کئی طرح کے کاروبار ہیں، جہاں کہو، بہت اچھی جاب، بہت اچھی تنخواہ کے ساتھ مل جائے گی۔"

"سرکاری ملازمت میرا خواب ہے بھائی جان......!"

"خواب نہیں، خبط ہے۔"

عبدالحق نے دل میں سوچا۔ اسے یاد آیا کہ مولوی صاحب نے بتایا تھا کہ ان کے بڑے بیٹے کو یہ خبط لاحق ہے۔

"تو پھر سرکاری افسر بنو......! آگے تعلیم حاصل کرو۔"

عبدالحق نے کہا۔ یہی بات زبیر نے بھی کہی تھی۔ مگر عبدالحق نے اس میں اضافہ کیا۔



"میں خود تمہیں وقت دوں گا، تمہیں پڑھاؤں گا، تیاری کراؤں گا، بڑے افسر بننا، نوکری میں کیا رکھا ہے......؟"

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے بھائی جان......!"

اسد علی کی سوئی اسی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

"اس سلسلے میں تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا میرے بھائی......!"

عبدالحق نے بے بسی سے کہا۔

"تمہیں کسی سیاسی آدمی سے بات کرنی چاہئے۔"

"میں نے کی ہے بھائی جان......!"

"کس سے......؟"

"چوہدری صاحب سے، اور وہ تیار بھی ہیں۔"

"تو پھر کیا مسئلہ ہے......؟ میری کیا ضرورت ہے......؟"

"ضرورت نہ ہوتی تو میں آپ کو تکلیف کیوں دیتا......؟ چوہدری صاحب کی ایک شرط ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ خود ان کے پاس جا کر ان سے ریکویسٹ کریں تو وہ مجھے بہت اچھی ملازمت دلا دیں گے۔"

عبدالحق سناٹے میں آ گیا۔ چند لمحے تو وہ کچھ بول ہی نہ سکا۔ پھر اس نے کہا۔

"اوہ......! تو تم چاہتے ہو کہ میں چوہدری صاحب کی حویلی جا کر ان سے درخواست کروں کہ وہ تمہیں ایک اچھی سرکاری ملازمت دلوا دیں۔ یہ سفارش ہے، اور سفارش بہت بری چیز ہے۔ تم مجھ سے ایک برائی کرانا چاہتے ہو......؟"

اسد علی نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

"پلیز بھائی جان......! میری خاطر......!"

"یہ تو ممکن ہی نہیں......!"

عبدالحق نے بے رُخی سے کہا۔

"پلیز بھائی جان......! نورالحق کی خاطر......!"

اور یہ سن کر عبدالحق کو شاک لگا۔ بات اتنی سادہ اور آسان نہیں تھی۔ وہ بیٹے سے اسد کا کام کرانے کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ اس بیٹے سے جو اس بدگمانی کی وجہ سے اس سے دُور ہو رہا تھا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا، اور اس کا بیٹا اتنا چھوٹا تھا کہ اسے یہ سمجھایا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ یہ

کام کیا جانے والے نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ بیٹے کے نزدیک وہ عہد شکنی ہوئی، جبکہ اس نے وعدے کی اہمیت کے متعلق سمجھایا تھا۔ اگر وہ پیچھے ہٹتا ہے تو اس کا بیٹا زندگی بھر وعدے اور عہد کو مصلحتوں کے تحت توڑنے کا سبق سیکھے گا۔ یہی نہیں، وہ اسے کبھی یہ یقین نہیں دلا سکے گا کہ وہ اس کے نزدیک اللہ کی عطا کی ہوئی سب سے بڑی نعمتوں میں سے ہے اور وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے۔

اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک ایسے جال میں پھنس چکا ہے، جس سے نکلنا ممکن ہی نہیں۔

اسد علی اسے اُمید بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس وقت وہ عبدالحق کے لئے نہایت ناپسندیدہ آدمی ہے۔

اور عبدالحق نظر جھکائے سوچ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ پھنس چکا ہے۔ لیکن اس کام کے لئے آمادگی اور قبولیت آسان نہیں تھی۔ اس کے لئے جواز اور دلیلیں تلاش کرنی تھیں۔

اس نے صورتِ حال کا تصور کیا۔ چوہدری اس سے نفرت کرتا تھا۔ اس کی اور اس کے بیٹوں کی طرف سے باقاعدہ دُشمنی کا عملی اظہار بھی ہو چکا تھا، مگر اس کے دل میں ان کے خلاف کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تو بس ان سے بے تعلق رہنا چاہتا تھا۔

''چوہدری نے یہ شرط کیوں لگائی......؟''

اس کو اپنے آگے جھکانے، اسے ذلیل کرنے کے لئے......؟

''لیکن عزت اور ذِلت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ عزت اللہ ہی کی دی ہوئی ہے اور ذِلتوں سے بچانے والا بھی وہی ہے۔''

اس خیال سے دل کو تقویت ملی۔

اور اسے اپنے در پر، اپنے سامنے جھکا دیکھنے سے چوہدری کی انا کو تسکین پہنچے گی۔

مگر لفظ ''انا'' نے اسے چونکا دیا۔

''کہیں یہ میرے لئے بھی انا کا مسئلہ تو نہیں......؟ اگر ایسا ہے تو یہ بہت بری بات ہے۔ اللہ کو تو انکسار اور عاجزی پسند ہے۔''

اس نے خود کو ٹٹولا۔ مگر کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ یہ انا کا معاملہ ہے یا نہیں۔ وہ یقین سے ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ انا کا معاملہ نہیں ہے۔ اور اس کا مطلب تھا کہ یہ معاملہ مشتبہ ہے۔

اور یوں وہ حتمی نتیجے پر پہنچ گیا۔



اپنی خواہش کی دلدل میں پھنسے اسد علی کی دل جوئی کے لئے، جو مولوی مہر علی کا بیٹا ہے، جو اس کے محسن ہیں کہ دین سکھانے والے سے بڑا محسن کون ہو سکتا ہے......؟ اور اپنے معصوم بیٹے سے کئے گئے وعدے کو پورا کرنے کے لئے، لیکن اس سے بڑھ کر اپنی انا کے امکان تک کو کچلنے کے لئے اور اپنے ربّ کی خوشنودی اور رضا کے لئے وہ نہایت عاجزی کے ساتھ چوہدری کے پاس جائے گا اور نہایت عاجزی سے اس سے اس کام کے لئے التجا کرے گا۔ آگے ربّ جانے، وہی مددگار ہے، وہی فیصلے کرنے والا ہے، وہی ہر شر سے بچانے والا ہے۔

اس نے فیصلہ کرلیا۔

''ٹھیک ہے اسد علی......! میں چوہدری صاحب کے پاس جا کر تمہاری سفارش کروں گا۔ کام ہونا نہ ہونا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔''

اس نے کہا۔ اسد علی خوش ہوگیا۔

''یہ بھی بتا دیں کہ آپ کب جائیں گے......؟''

عبدالحق نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''چوہدری صاحب بہت مصروف آدمی ہیں ناں......!''

اسد علی نے وضاحت کی۔

''آپ کے لئے خاص طور پر وقت نکالیں گے۔''

اس نے ایسے کہا جیسے یہ چوہدری کا عبدالحق پر احسان ہو۔

''ایسا نہ ہو کہ آپ جائیں اور وہ موجود نہ ہوں۔''

اس نے مزید کہا۔ عبدالحق چند لمحے سوچتا رہا۔ آج اس نے آدھی چھٹی کی تھی تو کل چھٹی کرنا مناسب نہیں تھا۔

''کل تو نہیں، میں پرسوں تین بجے ان کے پاس جاؤں گا۔''

''بہت شکریہ بھائی جان......!''

اسد علی نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

''ٹھیک ہے......! تم مطمئن ہو جاؤ، میں پرسوں جاؤں گا۔ اب میں چلتا ہوں۔''

اسد علی دروازہ کھول کر گاڑی سے اُتر گیا، پھر اس نے بڑی آہستگی اور احترام سے دروازہ بند کر دیا۔

❀❀❀

صرف ڈیڑھ گھنٹے بعد یہ خوش خبری چوہدری عبدالستار کو مل گئی۔

اسد علی نے مشتاق کو فوراً ہی بتا دیا تھا، اور مشتاق نے چوہدری کو فون کر دیا۔ چوہدری نے اسے خود حویلی آنے سے منع کیا تھا۔

مشتاق نے چوہدری کو فون کیا تو اس وقت چوہدری موجود نہیں تھا۔ آصف چوہدری سے بات ہوئی۔

''میں پاپا جی کو بتا دوں گا۔''

آصف نے کہا۔ لیکن آصف بہت حیران تھا۔ عبدالحق خود چل کر پاپا جی سے ملنے آئے گا، اس کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال وہ پاپا جی کا قائل ہو گیا۔ پوری بات تو اس کے علم میں نہیں تھی، لیکن یہ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ پاپا جی نے بہت گہری چال چلی تھی اور بے صبرے پن کا مظاہرہ کئے بغیر اس کے نتائج کا انتظار کرتے تھے۔

اور چوہدری یہ خوش خبری سنتے ہی ہیجان میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔ وہ نہایت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

''پرسوں تین بجے......!''

اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

''اب ہمیں تمام انتظامات مکمل کرنے ہوں گے۔''

''کیسے انتظامات پاپا جی......؟''

''اس کے استقبال کے۔''

''اب تو یہ بتا دیں کہ یہ آپ نے کیسے کیا......؟''

آصف نے کہا۔

''سب سے پہلے میں نے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ عبدالحق کی کمزوریاں کیا ہیں......؟''

چوہدری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس کی سب سے بڑی کمزوری دین...... اللہ اور رسول۔''

اس کا لہجہ مضحکہ اُڑانے والا تھا۔

''اور اس حوالے سے حق نگر میں جس شخص کی وہ سب سے بڑھ کر عزت کرتا ہے، وہ مسجد کا مُلّا ہے، کیا نام ہے اس کا......؟ ہاں، مہر علی۔ تو وہ مُلّا بھی اس کی کمزوری ہے۔ اب مسئلہ یہ



تا کہ اس کمزوری سے فائدہ کیسے اُٹھایا جائے......؟ میں انتظار کرتا رہا، پھر بالآخر مجھے موقع مل گیا۔''

چوہدری خاموش ہو گیا۔ وہ لطف لے رہا تھا۔

''کیسے پاپا جی......؟''

آصف کے لہجے میں بے تابی تھی۔

''خوش قسمتی سے مُلّا کا بڑا بیٹا بی اے پاس ہے اور سرکاری نوکری کے لئے پاگل ہو ا ہے۔ اب سرکاری نوکری ایسے ہی تو نہیں ملتی، تم بھی جانتے ہو۔ اس نے یقیناً زبیر سے بات کی ی۔ عبدالحق تو اس وقت لاہور میں رہتا تھا۔ زبیر نے اس سے کہا کہ وہ تو اس سلسلے میں کچھ نہیں ر سکتا۔ اس کے لئے تو کسی سیاسی آدمی کی سفارش چاہئے۔ تب اس نے ہمارے کارکنوں سے ت کی۔ ان میں مشتاق بھی تھا۔ مشتاق نے مجھے بتایا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ موقع ہے۔ میں نے سوچا پہلے اسے تڑپا کر ایک خاص مقام پر لانا ہوگا۔ میرے کہنے پر مشتاق اسے آسرا دیتا رہا۔ میں تاق سے اس کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ پھر مشتاق نے مجھے بتایا کہ اس لڑکے کی سرکاری زمت میں دلچسپی ختم ہو گئی ہے، اور وجہ یہ ہے کہ زبیر نے اسے کہا ہے کہ وہ اسے بہت اچھی تنخواہ اپنے سیٹ اپ میں ملازمت دے دے گا، اور یہ کہ سرکاری ملازمت میں بیس سال گزار کر بھی ے وہ تنخواہ نہیں ملے گی، جو وہ اسے ابتداء میں لے گا۔

مجھے لگا کہ چارہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ مگر یہ میں جانتا تھا کہ سرکاری ملازمت اس ے کی کمزوری ہے۔ میرے کہنے پر مشتاق نے اسے سرکاری نوکری کے فائدے بڑھا چڑھا کر ے۔ اختیارات ہوتے ہیں، سرکاری ملازم اپنی جگہ پر بادشاہ ہوتے ہیں، بڑی عزت ہوتی ہے ان ۔ بڑے بڑے دولت مند لوگ انہیں سلام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اوپر کی آمدنی بے حساب ی ہے۔ سب سے بڑی بات کہ آخر میں پرائیویٹ ملازم کو بڑھاپے میں کچھ بھی نہیں ملتا۔ جبکہ اری ملازم کو گریجوٹی میں بھاری رقم ملتی ہے اور پنشن الگ، اور اب تو مراعات بھی بہت مل رہی ''

''واہ پاپا جی......!''

''یوں ہم نے اسے پھر سرکاری ملازمت پر لگا دیا۔ اسی عرصے میں عبدالحق یہاں ٹ ہو گیا۔ یوں کام آسان ہو گیا۔ میں نے مشتاق کے ذریعے اس لڑکے کو کہلوایا کہ اگر عبدالحق یرے پاس آ کر اس کی سفارش کرے گا تو میں اسے نوکری دلوا دوں گا۔''

''مگر پاپا جی......! کیا ضروری تھا کہ ایسا ہو جاتا......؟ آپ کے پاس آ کر ہاتھ

پھیلانے میں تو عبدالحق کی ذلت ہے۔"

"میں نے کہا ناں کہ میں کمزوری دیکھ کر دشمن پر اسی طرف سے وار کرتا ہوں۔"

چوہدری نے سرزنش کرنے والے لہجے میں کہا۔

"میں جانتا تھا کہ عبدالحق اس مُلّا کے بیٹے کو انکار نہیں کر سکتا۔ اتنی دیر بھی میرے خیال میں اس لئے لگی کہ لڑکے کی عبدالحق سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہوگی۔ مگر بالآخر کام ہو ہی گیا۔"

"تو اب آپ کیا کریں گے......؟"

"یہ تو تم بتاؤ، تمہارا اندازہ کیا ہے......؟"

چوہدری نے بیٹے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ آصف چوہدری کچھ دیر سوچتا رہا، پھر بولا۔

"آپ اسے بہت اچھی طرح ذلیل کریں گے اور اس لڑکے کو ملازمت بھی نہیں دلوائیں گے۔"

"یہ بہت چھوٹی سوچ ہے بیٹے......!"

چوہدری کے لہجے میں ملامت تھی۔

"میں ہمیشہ بڑی بات سوچتا ہوں۔"

"آپ بتاتے رہیں گے تو میں سیکھوں گا۔"

آصف نے شرمندگی سے کہا۔

"مجھے بتایئے ناں کہ آپ کا کیا منصوبہ ہے......؟"

"میرا ہدف عبدالحق کے لئے سیاسی کیریئر کے امکان کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا ہے۔"

"وہ آپ کیسے کر سکتے ہیں......؟ مجھے تو ممکن نہیں نظر آتا۔"

"اگر وہ کسی سنگین جرم کا ارتکاب کرے، اور وہ جرم ثابت ہو اور اسے اس میں سزا بھی ہو جائے تو ایسا ہی ہوگا۔"

"لیکن اس کا یہاں آ کر کسی کو نوکری کے لئے سفارش کرنا سنگین تو کیا، سرے سے جرم ہی نہیں ہے۔"

"مگر اقدامِ قتل تو سنگین جرم ہے۔"

آصف کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔





"یہ اقدامِ قتل کی بات کہاں سے آگئی پاپا جی......؟ ہمارے آدمی اس کے خلاف اس جرم کی گواہی دیں گے، مگر ان کی گواہی کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی، اور وہ سچ مچ تو اقدامِ قتل کرنے سے رہا۔"

"وہ کرے گا، وہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

آصف چوہدری نے جھرجھری لی۔

"آپ کو یہ یقین کیسے ہے......؟"

"جیسے یہ یقین تھا کہ وہ میرے پاس آئے گا۔"

"یہ تو مجھے بہت سنگین معاملہ معلوم ہو رہا ہے پاپا جی......!"

آصف کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"آپ کو مجھے پوری بات بتانی چاہئے۔"

"بتا تو رہا ہوں، اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کے لئے انتظامات کرنے ہیں۔"

چوہدری نے کہا اور ریسیور اُٹھا کر تھانے کا نمبر ملایا۔

"میں ممبر قومی اسمبلی چوہدری عبدالستار بات کر رہا ہوں۔"

دوسری طرف ایس ایچ او تھا، جو شاید اس وقت سلیوٹ کی حالت میں کھڑا ہوا ہوگا۔

"کل سے کوئی نامعلوم شخص فون پر مجھے قتل کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ تم فوری طور پر میری طرف سے یہ باضابطہ رپورٹ درج کرو، اور دو باوردی اور مسلح افراد میری حفاظت کے لئے بھیج دو، اور یہ سب سرکاری طور پر، تحریری طور پر ہونا چاہئے۔"

چند لمحے اس نے دوسری طرف سے ایس ایچ او کی بات سنی، پھر ریسیور رکھ دیا اور بیٹے کی طرف مُڑا۔

"یہ میری تیاریوں کا حصہ ہے۔ اب وہ دو پولیس والے گواہ ہوں گے کہ عبدالحق نے مجھ پر جان لیوا حملہ کیا تھا۔"

"لیکن پاپا جی......! اگر اس نے حملہ کیا ہی نہیں تو......؟"

"وہ صرف حملہ نہیں، مجھ پر جان لیوا حملہ کرے گا۔"

چوہدری نے بے حد یقین سے کہا۔

"کیسے پاپا جی......؟"

"میں اسے اشتعال دلاؤں گا۔ ایسے کہ اسے خود پر اختیار نہیں رہے گا۔ وہ ہوش و

حواس کے عالم میں نہیں رہے گا۔"

"اور اگر اس نے تحمل سے کام لیا تو......؟"

"تم سمجھتے نہیں ہو، میں نے کہا ناں کہ میں پہلے دشمن کی کمزوری سمجھتا ہوں، پھر وار کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ بہت برداشت اور تحمل والا ہے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کی سب سے بڑی کمزوری کیا ہے......؟ جب میں اس طرف سے اس پر وار کروں گا تو اس کا دماغ ماؤف ہو جائے گا۔ شدید غصہ اس کو اندھا کر دے گا۔ اس وقت وہ صرف اور صرف یہ چاہے گا کہ مجھے قتل کر دے۔"

"لیکن پاپا جی......! یہ تو بہت خطرناک بات ہوگی۔"

"اس کے لئے ہم تمام حفاظتی تدبیریں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے......! وہ دونوں پولیس والے بھی اور ہمارے مسلح آدمی بھی، سب آپ کے بہت قریب ہوں گے۔"

"نہیں بیٹے......! کمرے میں میرے اور عبدالحق کے سوا کوئی نہیں ہوگا، تم بھی نہیں۔ یہ ملاقات تنہائی میں ہوگی۔"

"یہ تو بہت خطرناک بات ہوگی پاپا جی......!"

"نہیں......! باقی سب لوگ باہر ہوں گے اور جیسے ہی وہ مجھ پر حملہ کرے گا، وہ اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

"یوں تو آپ کا دفاع کرتے ہوئے وہ ہمارے ہاتھوں قتل بھی ہو سکتا ہے۔"

آصف چوہدری نے کہا۔

"تم بھول گئے، میرا مقصد صرف اسے سزا دلوانا اور اس کا سیاسی کیریئر ختم کرنا ہے۔"

"لیکن پاپا جی......! آپ غیر ضروری طور پر خطرہ مول لے رہے ہیں۔ عبدالحق خطرناک آدمی ہے۔ کاشف نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تھی تو اس نے ہمارے کتنے لوگ لِٹا دیئے تھے، اور اسے خراش بھی نہیں آئی تھی۔"

"وہ لٹھیا کا کمال تھا میرے بیٹے......!"

چوہدری نے کہا۔

"میرے کمرے میں اسے بہت اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد آنے دیا جائے گا۔"

"لیکن پاپا جی......! کچھ لوگ کمرے میں موجود ہوں تو کیا حرج ہے......؟"



آصف کا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

"بہت بڑا حرج ہے، سب میرے آدمی ہی ہیں، لیکن میں نے کہا ناں کہ بڑے کھیل میں، میں کوئی چانس نہیں لیتا۔ میں اپنے کسی آدمی کو آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس کی بھلائی کے لئے نہیں، اپنی بہتری کے لئے۔"

چوہدری شاطرانہ انداز میں مسکرایا۔

"میں اپنے خلاف کوئی گواہ نہیں بنانا چاہتا۔"

"ہمارا کوئی آدمی ہمارے خلاف بھی گواہی دے سکتا ہے......؟"

آصف کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں......! اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ معاملہ اتنا نازک ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"مگر سب دیکھ رہے ہوں گے، وہ تو چشم دید گواہ ہوں گے۔"

چوہدری کی آنکھوں میں شاطرانہ چمک اُبھری۔

"وہ گواہی تو ہمارے حق میں ہوگی۔ بس میں یہ نہیں چاہتا کہ عبدالحق کے سوا کسی اور تک میری آواز پہنچے۔ کوئی بھی نہ سنے کہ میں نے کیا کہا ہے......؟"

آصف اب بھی غیر مطمئن تھا۔

"تو کم از کم مجھے اپنے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دیں، میں آپ کو اس طرح خطرے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"نہیں......! یہ بھی ممکن نہیں۔"

"آپ کا خیال ہے کہ میں آپ کے خلاف گواہی دے سکتا ہوں۔"

آصف نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں......! مگر تم مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے......؟"

"مگر مجھے مطمئن تو کریں پاپا جی......! میں تو بہت پریشان ہو گیا ہوں۔"

آصف نے بے بسی سے کہا۔

"میں تمہیں پوری طرح سمجھتا ہوں۔ ہم اپنے آدمیوں کو بتا دیں گے کہ وہ ہر طرح سے تیار رہیں، کیونکہ عبدالحق مجھ پر حملہ ضرور کرے گا، اور ہتھیار اس کے پاس کوئی ہوگا نہیں، کیونکہ

اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد ہی اسے میری پاس آنے دیا جائے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ مشتعل ہو کر عبدالحق میرا گلا دبوچ گا۔ جیسے ہی وہ مجھ پر حملہ کرے، سب لوگ اندر گھس آئیں اور اسے خوب ماریں۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ مر جائے، اور ہم اپنے آدمیوں کو اچھی طرح سمجھا دیں گے کہ بیان میں یہ بات ہرگز نہ بتائیں کہ ہم نے انہیں بتا دیا تھا کہ عبدالحق مجھ پر حملہ کرے گا۔

گلا دبوچنا اقدامِ قتل ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے مجھے چھڑانا آسان ثابت نہیں ہوگا۔ مجھے کچھ نہ کچھ نقصان ضرور پہنچے گا اور یہ بہتر ہی ہوگا۔ اس سے ہمارا کیس مضبوط ہوگا۔ عبدالحق اپنے بیان میں بتائے گا کہ میں نے اس سے کیا کہا تھا، جس پر وہ مشتعل ہوا......؟ میں اس کی تردید کروں گا، گواہ کوئی ہوگا نہیں، میرے خیال صرف اس کا بیان ہوگا، جو میری تردید کے مقابلے میں بے حیثیت ہوگا۔ اس کے مقابلے میں یقیناً میری سنی جائے گی، مجھے زیادہ اہمیت دے جائے گی۔"

"لیکن پاپا......! اس میں آپ کو زیادہ نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"دیکھو، کوئی کسی کو گلا گھونٹ کر صرف تیس سیکنڈ میں تو نہیں مار سکتا، اور تم لوگوں کو اندر آنے میں تیس سیکنڈ بھی نہیں لگیں گے۔ پھر میں جسمانی طور پر تندرست و توانا ہوں۔ لہٰذا وہ مجھے ختم تو نہیں کر سکتا، اور یہ تو میں چاہوں گا کہ میرے گلے پر اس کی اُنگلیوں کے نشان چھپ جائیں۔"

"اتنا خطرہ مول لینے اور اتنی تکلیف اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے پاپا جی......؟ کوئی اور اسکیم بنا لیں۔"

آصف نے کہا۔ چوہدری نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"اتنے زبردست نتائج کے سامنے اتنے خطرے اور تکلیف کی کوئی اہمیت نہیں، اور اس میں عبدالحق کو اذیت بھی بہت ہوگی۔"

آصف سمجھ گیا کہ اب پاپا جی رُکنے والے نہیں۔

"پاپا جی......! اگر عبدالحق مشتعل ہی نہ ہوا اور اس نے تحمل سے کام لیا تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔"

"فی صد کو چھوڑو، اس کا امکان تو کروڑ میں ایک کے برابر بھی نہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

"ایسی کون سی کمزوری ہے عبدالحق کی......؟"

"خود ہی یاد کرو، تمہیں بتا چکا ہوں میں، اب دوبارہ نہیں بتاؤں گا۔"

آصف ذہنی طور پر اتنا پریشان تھا کہ اسے کچھ یاد ہی نہیں آ سکتا تھا۔



"اچھا پاپا جی......! مجھے یہ تو بتا دیں کہ آپ اس سے کہیں گے کیا......؟"

"یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ بتانا ہوتا تو تمہیں اپنے ساتھ ہی نہ بٹھا لیتا۔"

اس وقت ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ تھانے سے دو مسلح پولیس والے آئے ہیں۔

❀❀❀
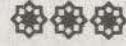
عبدالحق نے مولوی صاحب سے پھر آدھے دن کی چھٹی لی تھی۔ ظہر کے بعد اس نے گھر آ کر کھانا کھایا اور معمول کے مطابق پندرہ منٹ قیلولہ کیا، پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

باہر نکلتے ہوئے نورالحق نے اسے روک لیا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں بابا جان......؟"

عبدالحق مسکرایا۔

"تمہارا کام کرنے جا رہا ہوں بیٹے......! تمہارا اور اپنا وعدہ پورا کرنے جا رہا ہوں۔"

نورالحق خوش ہو گیا۔

"شکریہ بابا جان......!"

"بابا جان کو شکریہ کہتے ہیں......؟"

عبدالحق نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"یہ تو کوئی اچھی بات نہیں......!"

"آپ بیٹھیے بابا جان......! پلیز......!"

عبدالحق اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ارجمند سامنے کھڑی ان دونوں کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ درحقیقت اس کا دل کٹ رہا تھا عبدالحق کے لئے۔ عبدالحق نے اسے پوری بات بتا دی تھی۔

نورالحق نے بڑی محبت سے عبدالحق کے دونوں رُخساروں پر بوسہ دیا اور بولا۔

"یہ تو ٹھیک ہے ناں بابا جان......؟"

"یہ بہت اچھا لگا بیٹے......! جزاک اللہ......!"

عبدالحق نے اسے لپٹا کر خوب پیار کیا۔ پھر وہ اُٹھا اور اس نے ارجمند سے کہا۔

"میں انشاء اللہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں آ جاؤں گا۔ دُعا کرنا کہ کام ہو جائے۔"

"جی آغا جی......!"

ارجمند اس کے پیچھے دروازے تک گئی اور اسے کار میں بیٹھتے دیکھتی رہی۔

"فی امان اللہ آغا جی......!"

اس نے آہستہ سے پکارا۔ عبدالحق کار اسٹارٹ کر کے روانہ ہوگیا۔ وہ پھر بھی چند لمحے وہیں کھڑی رہی، پھر پلٹ آئی۔

نورالحق بہت خوش تھا۔ مگر ارجمند بجھی بجھی تھی۔ نورالحق کو بھی اس بات کا احساس ہوگیا تھا۔

"کیا بات ہے امی......؟ آپ پریشان کیوں ہیں......؟"

"ایسی کوئی بات نہیں بیٹے......!"

ارجمند نے اسے ٹال دیا۔ وہ اسے کیا بتاتی......؟ اور بتاتی تو وہ سمجھتا بھی نہیں۔ چھوٹا سا بچہ تھا وہ۔

"اب تم اپنا ہوم ورک کرلو......!"

اس نے نورالحق سے کہا۔

پھر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس کا دل بہت اُداس تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا، اس میں عبدالحق کی بہت بڑی توہین تھی۔ اس نے عبدالحق کو سمجھانے کی، روکنے کی بہت کوشش کی تھی، مگر عبدالحق بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ وہ اسد علی سے وعدہ کر کے آیا تھا، اور اب اسے وعدہ پورا کرنا تھا۔



اس نے خود کو عبدالحق کی جگہ رکھ کر محسوس کیا۔ اس کے بعد اسے احساس ہوگیا کہ عبدالحق کو روکنا ٹھیک نہیں۔ ویسے بھی وہ رُکنے والا کب تھا......؟ اور وہ جانتی تھی کہ وہ خود بھی اس کی جگہ ہوتی تو یہی کرتی۔

عبدالحق کے سامنے بچنے کی کوئی راہ تھی ہی نہیں۔ عبدالحق نے بیٹے سے وعدہ کیا تھا۔ وعدہ کرتے ہوئے اسے گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اتنا بڑا معاملہ سامنے آئے گا۔ پھر بات مولوی صاحب کے بیٹے کی تھی، جن کی خاطر وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ یہ الگ بات کہ مولوی صاحب کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں ہوگی کہ ان کا بیٹا عبدالحق سے کیسے کام کے لئے اصرار کر رہا تھا، اور پھر عبدالحق کو یہ احساس ہوا کہ اس معاملے سے پہلوتہی کرنے میں اس کی انا بھی حائل ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد پیچھے ہٹنے کی گنجائش ہی نہیں رہی، اور بیٹے سے اور اسد علی سے کئے گئے وعدے



نبھانے سے بڑھ کر اس کے لئے انا کے امکان کو رد کرنا ضروری ہوگیا، اور یہ معاملہ اس کے لئے اللہ کی خوشنودی اور رضا کا ہوگیا۔

وہ پیچھے کیسے ہٹ سکتا تھا......؟

ارجمند اس وقت لیٹتی نہیں تھی، مگر دل پر بہت بوجھ تھا، وہ بستر پر دراز ہوگئی۔ دل کا یہ بوجھ وہ ہلکا بھی نہیں کرسکتی تھی۔ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ عبدالحق نے اسے قسم دے کر پابند کر دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں کسی کو کچھ بھی نہیں بتائے گی، حمیدہ کو بھی نہیں۔

بس اسے یہ اطمینان تھا کہ عبدالحق جو کر رہا ہے، وہی اسے کرنا چاہئے۔ وہ اس کی جگہ ہوتی تو خود بھی یہی کرتی۔

لیکن جو کچھ ہو رہا تھا، اس میں عبدالحق کی توہین ہی نہیں، تذلیل بھی تھی۔ یہ سوچ کر اس کا دل کٹ رہا تھا۔ عبدالحق نے تو بڑے اطمینان سے کہہ دیا تھا کہ عزت، ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہے تو ذلت کو بھی بڑی عزت بنا دے۔

پھر بات دل کے بوجھ سے بڑھ گئی۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی، اور مزید کچھ دیر بعد اسے ہول اُٹھنے لگے۔ اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا کہ بات توہین اور تذلیل سے کہیں زیادہ بڑی ہے۔ کچھ بہت برا ہونے والا ہے۔

"یہ شیطانی وسوسہ ہے۔"

اس نے سوچا اور "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کا وِرد شروع کر دیا۔ اس سے دل قدرے ٹھہرا، لیکن کچھ دیر بعد پھر وہی کیفیت ہوگئی۔ اس نے پھر وِرد شروع کر دیا۔

مگر کچھ دیر بعد گھبراہٹ اتنی بڑھی کہ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اپنا دل اسے سینے میں باقاعدہ لرزتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ یہ نفل پڑھنے کا وقت بھی نہیں تھا۔

"اے اللہ......! میں کیا کروں......؟"

اس نے زیرِ لب کہا۔ اب اسے بڑی شدت سے اور پورے یقین کے ساتھ یہ احساس ہو رہا تھا کہ خدانخواستہ عبدالحق کسی بہت سنگین خطرے سے دوچار ہے، اور وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی، کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔

اس کا ضبط جواب دے گیا۔ اس نے تکیے میں منہ چھپایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کے دل کی گہرائی سے بغیر لفظوں کے دُعائیں نکل رہی تھیں۔

❀❀❀

معروف قلمکار "علیم الحق حقی" کے زندہ جاوید قلم سے لکھی گئی لازوال داستان
عشق کا شین
علیم الحق حقی
خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون: 37211468-37314169